وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

تحفۂ حنفیہ

بجواب

تحفۂ اہلِ حدیث

تالیف

ابو صہیب مولانا محمد داود ارشد مدظلہ العالی

NOMANI

نام کتاب

تحفۂ حنفیہ بجواب تحفۂ اہل حدیث

تالیف

ابو صہیب مولانا محمد داؤد ارشد مدظلہ العالی

تاریخ اشاعت

اپریل ۲۰۰۶ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

NOMANI

ملنے کے پتے

فہرست

نمبر شمار | مضامین | صفحہ نمبر

حصہ سوم

فصل اول

فصل سوم

نمبر شمار | مضامین | صفحہ نمبر

فصل چہارم

صفحہ نمبر		نمبر شمار
346	نماز فجر کا وقت	(۸)
347	جھنگوی مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر	(۹)

فصل پنجم

فصل ششم

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
457	مجلس شوری پر تبصرہ بلا تبصرہ	(۳)

فصل دھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از مفتی اہلحدیث جناب ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

تمام شرعی احکام کا دارومدار قرآن وحدیث پر ہے۔ سلف صالحین سے لے کر آج تک تمام ائمہ محدثین رحمھم اللہ اجمعین نے احکامات شرعیہ میں یہی طریقہ اختیار کیا۔ لیکن بعض افراد نے کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی بجائے آراء الرجال کو اپنا ماخذ بنالیا اور ہر پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے مقرر کردہ عالم کو حرف آخر سمجھ لیا۔ اور کتاب وسنت میں تفکر وتدبر کو پس پشت ڈال دیا۔ مولوی حسین احمد مدنی کا بیان ملاحظہ کیجئے۔

سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی شخص معصوم نہیں اور سوائے امام صاحب کے کوئی مقلد نہیں مقلد وہ ہوتا ہے جس کے قول کو بلا دلیل مانا جائے......

(تقریر ترمذی :71)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"امام صاحب سے متون تو منقول ہیں دلائل منقول نہیں ہیں لہذا دلائل کا تسلیم کرنا ہم پر ضروری نہیں اس سے مذہب حنفی پر کوئی زد نہیں آسکتی۔ اور جو دلائل مذہب حنفیہ کے مطابق ہوں گے ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔"

(تقریر ترمذی:72)

بعض مقلدین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے تھانوی صاحب لکھتے ہیں :-

"اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ

خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔

(تذکرۃ الرشید:131/1)

مولوی محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں:

''آج کل کے بعض مولوی جماعت ثانیہ پر بے طرح زور لگا رہے ہیں خدا جانے ان کی عقل کہاں گئی نہ زمانے کے حال سے واقف ہیں نہ جماعت ثانیہ کے مآل ومفاسد پر نظر کرتے ہیں فقہ کی کسی ایک روایت کو ذرا موافق پا کر اسے گھڑ مڑھ کر سامنے کر دیتے ہیں۔ حنفی کہلاتے ہیں اور امام کی بات جو بالکل بدیہی ہے اس کو نہیں مانتے حنفی کی خلاصی کے لئے تو یہی کافی ہے کہ ہمارے امام کا یہ مذہب نہیں لیکن اس کے باوجود مدجحات مذہب امام اور مؤیدات کراہت جماعت ثانیہ کے استحباب اور اولویت پر بے طرح اڑ رہے ہیں اور افسوس ہے کہ رفع یدین میں باوجود کثرت احادیث صریح کے امام صاحب کی آڑ پکڑیں اور کہیں کہ ہمارے امام کا مذہب نہیں اور اگر کسی غیر مقلد کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ لیں تو اخراج من المسجد کا حکم دیں تاکہ پاس والوں کی نماز خراب نہ ہو اور اس مسئلہ میں امام صاحب کی بات نہ مانیں اور ادھر ادھر کی باتیں بنائیں اور حدیث کا بہانہ لیں۔

(تقاریر حضرت شیخ الھند:88`59 الورد الشذی 52)

قاضی ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں۔

فطائفة قد غلت في تقليده فلم تترك له قولا وانزلوه منزلة الرسول ﷺ وان اورد عليهم نص مخالفة قوله تأولوه على غير تاويله ليدفعوه عنهم (الاتباع:30)

مقلدین کی ایک جماعت نے امام ابو حنیفہ کی تقلید میں غلو سے کام لیا ہے انہوں نے امام صاحب کے کسی قول کو ترک نہیں کیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے مقام ومنصب پر فائز کر دیا گیا ہے۔ اگر ان پر کوئی ایسی نص پیش کی جائے جو قول امام کے خلاف ہو" تو وہ اسے رد

کرنے کے لئے بے جا تاویلیں کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے شاہ ولی اللہ کی تفہیمات 151/1 الرد الی من اخلد الی الارض للسیوطی 140`141? تحفۃ الانام ص:26 الایقاظ ص 71)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مقلدین کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ قول امام کی آڑ میں احادیث سے کس طرح ہاتھ صاف کرتے ہیں اور نصوص صحیح صریحہ میں تاویلات باطلہ' توجیہات کاسدہ اور آرائے فاسدہ سے کام لیتے ہیں۔

اور عملی طور پر حضرت امام ابو حنیفہ کو مقام رسالت پر فائز کر دیتے ہیں اور ان کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس روش بے جا کو اختیار کرتے ہوئے اسماعیل جھنگوی نے "تحفہ اہل حدیث" نامی کتاب ترتب دی۔ اور اپنے اعوان وانصار کو بروئے کار لاتے ہوئے اہل حدیث دشمنی میں احادیث رسول کی تضحیک و تقطیع کی۔ اور محدثین کرام کی جماعت کو دل کھول کر دشنام دی۔ اور امواج تاویلات میں غوطہ زن ہو کر ریاح الاراء اور رماح الاھواء کو استعمال کیا۔ اور کئی احادیث وضع کر کے کذابین' بھاتیں اور افاکین کا کردار ادا کیا جیسا کہ زیر تبصرہ کتاب میں آپ پڑھیں گے اور ضلال واضلال' تلبیس و تحریف' تجھیل و تفسیق جو اسے اپنے استاد ماسٹر او کاڑوی سے ورشہ میں ملی۔ سے خوب کام لیا۔

اللہ تعالی نے ہر دور میں مبطلین و مفسدین کی خیانتوں' جہالتوں اور ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنے کیلیئے بڑے بڑے لوگ پیدا کئے ہیں جو ان گمراہیوں سے عوام الناس کو واقف کرتے رہے ہیں اور کتاب و سنت کے علم کو بلند و بالا رکھتے ہیں۔ جنہوں نے ہر دور میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے قرآن وحدیث کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرایا۔

اسی سلسلہ مروارید اور سموط ذھبیہ کی کڑی مولانا داؤد ارشد حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس معاند کا تعاقب کیا اور اس کی باطل تاویلات کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اس جیسے دیگر مقلدین کی حدیث دشمنی' تحریف' تلبیس اور گمراہی کو طشت ازبام کر دیا ہے۔ یہ بد طینت اہل حدیث دشمنی میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو بھی

معاف نہیں کرتے۔ جھنگوی کے استاذ نے لکھا ہے کہ "آپ نے فرمایا کہ کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(مسلم ص197ج1)

لیکن آپ نماز پڑھاتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔"

(مجوعہ رسائل ص350ج3)

ماسٹر کی یہ عبارت بول بول کر بتا رہی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے نبی ﷺ کے گستاخ ہیں کہ کسی صحیح تو کجا ضعیف روایت میں بھی یہ بات نہیں ملے گی کہ رسول اکرم 'امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ حالت نماز میں کتیا اور گدھی کی شرمگاہ دیکھتے ہوں العیاذ باللہ اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جھنگوی نے بھی رسول اللہ ﷺ کا حالت نماز میں امعاء کرنا لکھ کر پھر بتایا کہ اسے عقبۃ الشیطان بھی کہا گیا ہے۔ لکھتا ہے "دیکھیں اپنے کئے ہوئے فعل کو عقبہ شیطان کہا جا رہا ہے۔"

(تحفہ اہل حدیث۔ ص121ج2)

حالانکہ حالت نماز میں جس امعائے سے روکا گیا اور اسے شیطان کی طرح بیٹھنا قرار دیا گیا وہ اور ہے اور جس طرح نبی ﷺ بیٹھے وہ اور ہے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنت قرار دیا ہے تفصیل کے لئے دیکھیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی 16/15`17 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

لیکن عقل و بصیرت سے محروم جھنگوی نے نبی ﷺ کے عمل مبارک کو شیطان کا عمل بنادیا العیاذ باللہ وعلیہ ما علیہ۔ اتنی گستاخیوں کے باوجود بھی یہ طبقہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھکتا نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق سچ فرمایا "واصحاب الرائے وھم مبتدعه ضلال اعداء للسنة والأثر یبطلون الحدیث ویردون علی الرسول علیه الصلوة والسلام ویتخذون ابا حنیفة ومن قال بقوله امام ویدینون

بدينهم واى ضلالة ابين ممن قال بهذا وترك قول الرسول واصحابه واتبع قول ابى حنيفه واصحابه؟ فكفى بهذا غيا مرديا وطغيانا۔

(طبقات الحنابلہ 25/1)

اصحاب الرائے بدعتی و گمراہ' سنت و حدیث کے دشمن' حدیث کو بے کار کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ پر رد کرنے والے ہیں اور ابو حنیفہ اور ان کے قول کو لینے والے افراد کو امام بناتے ہیں اور ان کی راہ کو اختیار کرتے ہیں جس شخص نے ان کا قول اختیار کیا وہ قول رسول ﷺ اور قول صحابہ رضی اللہ عنہم ترک کیا اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی پیروی کی اس سے بڑی ضلالت و گمراہی کیا ہے؟ گمراہی' ہلاکت اور سرکشی کے لئے یہی کافی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ اہل سنت بھی نہیں بھلا احادیث رسول کو اپنی منشا اور مذہب کے خلاف پا کر رد کرنے والے اہل سنت کیسے ہو سکتے ہیں اس بات کی تفصیل شیخ گوندلوی کے مقدمہ میں ملاحظہ ہو بہر کیف ہمارے بھائی مولانا داؤد ارشد نے جھنگوی کی گمراہیوں کا پردہ چاک کر کے ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ یہ کتاب امید ہے کہ کئی لوگوں کے لئے راہ ہدایت کا کام دے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے مؤلف اور دیگر اہل اسلام کے لئے نفع مند بنائے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی
۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ موافق
8 اپریل 2001ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

مولانا ابوانس محمد یحیی گوندلوی حفظہ اللہ تعالی
شارح صحیح سنن الترمذی و صحیح سنن ابن ماجہ

ان الدين عند الله الاسلام

رسول اکرم ﷺ فداہ ابی وامی اپنی امت کو ایسے دین پر چھوڑ کر عالم بقا کی طرف روانہ ہوئے کہ جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی۔ ((لیلھا کنھارھا)) یعنی دین اسلام کامل ہو چکا تھا جس میں کمی و بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ ”**اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا**“ اور جس میں ہنوز کسی قسم کی آمیزش نہ تھی پھر مرور زمانہ کے ساتھ کچھ لوگ اس طرح کے پیدا ہو گئے جو اس روشن شاہراہ سے دور ہٹنے لگے جس کی وجہ سے ان کے عقائد اور اعمال میں خرابی' فساد اور بگاڑ شروع ہو گیا۔ سنت پر عمل کرنے کی بجائے آراء و قیاسات کو اپنا معمل بنایا جانے لگا۔ کتاب وسنت کی بجائے عقلی بو قلمونیوں پر اعتماد ہونے لگا۔ بلکہ قرآن وحدیث کی واضح نصوص کو اقوال رجال کی روشنی میں پرکھا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب وسنت جو امت مسلمہ کے لئے ایک معیار اور میزان ہے کی جگہ آراء الرجال کو معیار اور میزان ٹھہرالیا گیا۔ اور یہ نعرہ بلند ہوا کہ اقوال ائمہ کے خلاف آنے والی آیات واحادیث کو مؤول یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ (اصول الکرخی)

جب بات متأخرین حضرات تک پہنچی تو انہوں نے اپنے لئے میدان ہی صاف کر لیا کہ فلاں مسئلہ میں دلائل فلاں کے حق میں ہیں لیکن ہم پر تو ہمارے امام کی تقلید واجب ہے۔ (تقریر ترمذی) امام کی بات کو حدیث کے خلاف سمجھ کر اسے ترک کر دینا اور حدیث پر عمل کرنا سراسر گمراہی اور افراتفری ہے۔ (تقلید کی شرعی حیثیت)۔

جماعت اہل حدیث کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اس قسم کے نظریات کی بیخ کنی کے لئے ایک جماعت کو زندہ رکھا جو ان نو ایجاد تخیلات اور تصورات سے دور رہ کر صرف اور صرف کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کو کسی ایک کے قول و رائے سے کوئی سروکار نہیں اس جماعت کا نام طائفہ منصورہ' اہل سنت اہل حدیث ہے۔ امام ابن القیم نے اس جماعت کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پیچھے قدم بقدم چلتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور عمل صحابہ کے مشکوۃ اور چراغدان سے نور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین کسی کی رائے اور قیاس سے بہت عظمت' عزت اور قدر والا ہے۔ وہ کسی ایک کے قول اور قیاس کی تقلید نہیں کرتے۔ جہانوں میں یہی لوگ اچھی تعریف کے مستحق ہیں۔ ان کے بعد میں آنے والوں کی زبان میں بھی سچائی ہے اور ان کے بعد پھر ایسے لوگ آئے جو دلیل اور قوت استدلال سے واقف تھے۔ حق جہاں کہیں بھی ہو یہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جب ان کو دلیل مل جاتی ہے تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ کی آواز (صحیح حدیث) ان تک پہنچ جاتی ہے تو یہ فی الفور اس کی اقتدا اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ پس پھر وہ دلیل کے مقابلہ میں قائل کو نہیں بلکہ دلیل کو دیکھتے ہیں کتاب و سنت کے دلائل ان کے سینوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے انسان کے قول سے زیادہ عظمت والے ہیں۔ وہ پھر کسی کے قیاس اور قول کو پیش نہیں کرتے اور نہ ہی دلائل کو قیاس سے ٹھکراتے ہیں۔ (اعلام الموقعین ص 4 ج 1 طبع مصر۔ داستان حنفیہ ص 26)

اس جماعت کا مطمع نظر محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہے جس نے ہر دور میں اپنے دامن کو آراء الرجال سے بچا کر قرآن و حدیث کو اپنا معمول بنایا

قیاس اور آراء کی موشگافیوں میں اسلام کی اصلی صورت کو معدوم اور مفقود نہیں ہونے دیا۔
یہ جماعت ہر دور میں انہی عقائد کی حامل رہی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تھے اور تعامل میں بھی ان کا بعینہ وہی طریقہ ہے جو سلف صالحین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور بحمد اللہ یہ جماعت ما انا علیه واصحابی کی مکمل متشکل تصویر ہے۔

بدعتی فرقوں کا منہج:۔

اس جماعت کے برعکس دور صحابہ کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو صحابہ کرام کے منہج سے ہٹ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے ایسے اصول وضع کر لئے تھے جن کے ذریعہ کتاب وسنت کو طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا اور ان خود ساختہ اصولوں کو حق کا معیار بلکہ حرف آخر قرار دیا گیا ایسے لوگ زیادہ تر عراق سے تعلق رکھتے تھے۔ تفصیل امام ابن تیمیہ کی کتاب صحۃ مذہب اہل المدینہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

من جملہ ان فرقوں میں ایک فرقہ تھا جو قرآن وحدیث کو اپنے آئمہ کی آراء کی روشنی میں پرکھتا تھا۔ اگر کتاب وسنت کے نصوص ان کے آئمہ کے موافق ہیں تو قابل قبول ورنہ ان پر تاویل کا تیشہ چلا دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد کتاب وسنت کا تفوق نہیں بلکہ اپنے آئمہ کی تائید ہے۔ والی اللہ المشتکی

بعض صحابہ کرام کے بارہ میں بھی ان کا رویہ قابل تاسف ہے کہ ان حضرات نے فقیہ اور غیر فقیہ کا معیار وضع کر لیا اور بزعم خویش غیر فقیہ صحابی کی روایت کردہ صحیح حدیث کو قیاس جلی کی سان پر چڑھا کر قابل رد قرار دے دیا۔ (نور الانوار) فانا للہ

جب چوتھی صدی ہجری میں تقلید کو اسلام میں درآمد کیا گیا تو اس کی نحوست سے امت مسلمہ مستقل فقہی مذاہب میں منقسم ہو گئی تو اس گروہ نے خود کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر لیا۔ حالانکہ عقائد میں یہ لوگ امام ابو حنیفہ کی بجائے شیخ ابو منصور ماتریدی کی تقلید کرتے ہیں۔

حدیث اور احناف:

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل صحیح احادیث کے خلاف ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کا حدیث سے اشتغال کم اور قیاس کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

واشتغالهم فی علم الحدیث قلیل قدیما وحدیثا۔ (الانصاف ص ۷)

ان کا حدیث کے ساتھ ماضی اور حال میں اشتغال کم رہا ہے۔

اس کی وجہ بھی خود شاہ صاحب نے بیان کر دی ہے فرماتے ہیں

ذلك انه لم یکن عندهم من الاحادیث والاثار مایقدرون به علی استنباط الفقه علی الاصول التی اختارها اهل الحدیث۔ (حجۃ اللہ ص ۱۵۲ ج ۱۲)

ان کے پاس حدیث اور آثار کا ذخیرہ اتنا نہیں تھا کہ جس سے وہ فقہی استنباط کی قدرت ان اصولوں پر رکھتے جن کو اہل الحدیث نے پسند کیا ہے۔

علامہ شہرستانی نے ان کے بارہ میں یہ تجزیہ کیا ہے کہ

اصحاب الرائے اہل عراق ہیں جو ابُوحنیفہ کے اصحاب ہیں ان کو اہل الرائے اس لئے کہا گیا ہے کہ احکام کے حل میں ان کی توجہ قیاس اور استنباط کے طریق پر ہے ایسے مسائل جن کا روزہ مرہ کے احکام سے تعلق ہے ان کی بنیاد بھی قیاس پر ہے اور وہ بسا اوقات قیاس جلی کو خبر آحاد (حدیث) پر مقدم کرتے ہیں۔ (الملل والنحل ص ۸۸ او عقیدہ اہل حدیث ص ۳۳)

بعض فقہاء احناف نے حدیث کی طرف توجہ دی ہی نہیں۔ ان کا پورا زور فقہی فروعات پر ہی صرف ہوتا رہا ہے اور بال کی کھال اتارنے کی کوشش رہی ہے شاہ ولی اللہ نے ایسے فقہاء کے بارہ میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

من حفظ المبسوط کان مجتهدا ای وان لم یکن له علم بروایة اصلا ولا بحدیث واحد (حجۃ اللہ البالغہ ج1 ص152)

جس نے مبسوط یاد کرلی وہ مجتہد بن گیا خواہ وہ روایت سے اصلاناواقف ہو اور اسے ایک حدیث بھی معلوم نہ ہو۔

علامہ عبدالحیُ لکھنوی گھر کا بھیدی لنکا ڈائے کے مصداق انکشاف فرماتے ہیں۔

ومن الفقهاء من ليس لهم حظ الا ضبط المسائل الفقيهة من دون المهارة فى الرواية الحديثية (عمدہ الرایۃ ص ۱۳)

بعض فقہاء ایسے بھی ہیں جن کا مشغلہ صرف فقہی مسائل کا ضبط کرنا تھا وہ روایت حدیث میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔

فقہ حنفی میں حدیثی روایات کی کمیابی کے بارہ میں تبصرہ ائمہ احناف کا ہی ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ لوگ حدیث کے معاملہ میں کسمپرسی کا شکار ہیں کہ ان کے پاس اپنی فقہ کی تائید میں احادیث نبویہ کی نہایت کمی ہے جس بنا پر ان کو قیاس کا سہارا لینا پڑا۔اس امر کی مزید وضاحت اس مناظرے سے بھی ہو جاتی ہے جو امام شافعی اور امام محمد کے درمیان ہوا جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ

امام محمد نے امام شافعی سے پوچھتا امام مالک بڑے عالم ہیں یا ابو حنیفہ

امام شافعی میں تجھ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہوں امام مالک قرآن کے بڑے عالم تھے یا امام ابو حنیفہ

امام محمد امام مالک بڑے عالم تھے۔

امام شافعی امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے یا امام ابو حنیفہ

امام محمد امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے۔

امام شافعی اقوال صحابہ کے بڑے عالم کون تھے۔

امام محمد امام مالک ہی تھے۔(کتاب الجرح والتعدیل ص2 ج 1 اور داستان حنفیہ ص14۔ یہ مناظرہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہے جس سے واضح ہے کہ امام اہل حجاز پر بوجوہ سبقت رکھتے ہیں۔

فقہ حنفی رطب ویابس کا مجموعہ ہے:۔

احادیث اور آثار کی اس کمی کو پورا کرنے کیلئے متاخرین حضرات نے رطب ویابس کو جمع کرنا شروع کردیا ساری عمر تو اقوال رجال کی تفہیم میں گزر چکی تھی حدیث کے معاملہ میں بالکل اناڑی تھے۔ اس لئے ان کو یہاں سے بھی روایت ملی اس کو بلا تحقیق و تمحیص قولہ علیہ السلام کہہ کر اپنی تصانیف میں درج کردیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کتابوں میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات درج ہوگئیں بلکہ ایسی روایات کو بھی احاطہ تحریر میں لایا گیا جو رسول اکرم ﷺ کا فرمان نہ تھیں۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ اس کا انکشاف خود ائمہ احناف نے ہی کیا ہے مولانا عبدالحیؒ لکھنوی فرماتے ہیں۔ فکم من احادیث ذکرت من الکتب المعتبرۃ موضوعۃ ومختلقۃ (عمدہ الرایہ ص ۱۳)

فقہ کی بعض معتبر کتب میں بہت سی احادیث موضوع اور من گھڑت ہیں۔

ملا علی قاری اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانھم لیسوا من المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین۔ (الموضوعات الکبری ص 77) یہ لوگ محدثین میں سے نہیں تھے (کہ علم حدیث میں مہارت رکھتے) اور نہ ہی انہوں نے حدیث کی نسبت حدیث کے کسی مخرج کی طرف کی ہے۔

احناف اور اہل حدیث میں اختلاف کی وجہ:۔

دراصل ان دونوں مسلکوں کے درمیان اختلاف کی وجہ ان کے منبعوں میں اختلاف ہے۔ احناف کا سارا زور قیاس پر ہے جبکہ اہل حدیث کا مطمع نظر قیاس نہیں بلکہ احادیث رسول ﷺ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں مسلکوں کے درمیان اختلاف کا ہونا بدیہی امر ہے۔ احناف اپنے ائمہ کے اقوال پر حدیث کو پرکھتے ہیں جو حدیث ان کے ائمہ کے اقوال کے موافق ہے۔ وہ قابل قبول ہے۔ ورنہ حیلے بہانے سے اس کا انکار ہے جبکہ اہل

حدیث اقوال ائمہ کو حدیث کے ترازو میں تولتے ہیں جو قول صحیح حدیث کے موافق اس پر آمنا اور صدقنا اور جو مخالف ہے تو اس کو علی الاعلان رد کر دیتے ہیں اور عمل حدیث رسول ﷺ پر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اختلافی مسائل میں جب بھی احناف اور اہلحدیث کا آمنا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس طائفہ منصورہ کو سرخرو کیا اور احناف کو پسپائی اٹھانا پڑی۔ نہیں اعتبار تو حال ہی میں ہونے والا فقیر والی میں فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کی ویڈیو کیسٹیں اور چند سال قبل سمڑیال میں ہونے والے مناظرہ کی آڈیو کیسٹیں اور پسرور میں رفع یدین کے موضوع پر ہونے والے مناظرہ کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹیں ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارے قول کی پوری طرح تصدیق ہو جائے گی۔

تحفہ اہلحدیث:۔

چنانچہ ان حضرات کے پاس اس خفت کے مٹانے کا یہی ایک حل ہو سکتا ہے کہ اس طائفہ منصورہ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جائے خواہ اس کے لئے جھوٹ سے ہی کام لیا جائے تاکہ لوگوں میں اس جماعت حقہ کے بارہ میں نفرت پیدا ہو اور لوگ ان کے قریب ہی نہ آئیں۔ اس کی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں کہ ان حضرات نے جماعت اہل حدیث کی طرف ایسے غلط مسائل منسوب کئے جن سے اہل حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ تحفہ اہلحدیث بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے لکھنے کا مقصد واللہ اعلم۔ حق جوئی نہیں بلکہ اہلحدیث کے خلاف پروپیگنڈہ ہے یہ 96 صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جو مختصر ہونے کے باوجود جھوٹ اور کذبات کا منبع ہے۔ اس کے ٹائٹل پر اس کے مؤلف کا نام ابوبلال جھنگوی مرقوم ہے اس مبہم اور غیر معروف کنیت کے ساتھ اس کتابچہ کو شائع کرنیکی وجہ ممکن ہے کہ یہ ہو کہ مولف اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تاکہ کذبات اور ندامت اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت نہ ہو۔ اگر جھنگوی کا دل اس کی اپنی تحریر پر ہی مطمئن ہوتا تو یقیناً یہ کئی القابات کے ساتھ اپنا پورا نام اور عنوان تحریر کرتا۔ یہ تو مولانا محمد داؤد ارشد صاحب کے

تجسس اور تحقیق کو داد دینی چاہئے کہ انہوں نے اس مجہول مؤلف کا کھوج لگالیا ہے ورنہ جھنگوی صاحب نے تو پوری طرح اپنے آپ کو صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔

جھنگوی نے تو کذب بیانی میں رافضہ کو بھی مات کر دیا ہے اہل حدیث پر افتراء تو ایک طرف رہا اس ناعاقبت اندیش نے رسول اکرم ﷺ کی طرف بھی جھوٹ منسوب کرنے میں ذرہ برابر عار محسوس نہیں کی اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان " من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار " کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے نہایت دیدہ دلیری سے آپ کی ذات گرامی کی طرف دو جھوٹ منسوب کئے ہیں جن کی تفصیل مولانا محمد داؤد ارشد حفظہ اللہ نے کتاب ھذا (تحفہ حنفیہ) میں بیان کر دی ہے۔

پاکستان میں جب سے کوثری مشرب متعارف ہوا ہے تو اس وقت سے ان حضرات کا اہل حدیث کے بارہ میں موڈ کچھ زیادہ ہی خراب رہتا ہے۔ اخلاق و مروت کی تمام حدود کو ایک طرف رکھ کر یہ لوگ اپنی تاویلات۔ کذبات اور پروپیگنڈا کی لٹھ لے کر اہل حدیث کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ سمجھئے کہ ان حضرات نے علماء لدھیانہ کی اہل حدیث دشمنی کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔ بسا اوقات حدیث نبوی کا استہزاء اڑانا اور محدثین کرام کو عموماً بدنام کرنا ان حضرات کا وطیرہ بن چکا ہے۔ بعینہ یہی کردار جھنگوی صاحب نے ادا کیا ہے کہ بزعم خویش اس نے اس مختصر سے کتابچہ کے ذریعہ مسلک اہلحدیث کو باطل اور اس طائفہ منصورہ کو اہل سنت سے خارج کرنے کا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔

تحفہ اہلحدیث کے مطالعہ سے جو عمومی تأثر پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مؤلف کے نزدیک اہلحدیث اہل سنت سے اس لئے خارج ہیں کہ ان کا بعض مسائل میں مؤلف کے مذہب سے اختلاف ہے۔ گویا موصوف کے نزدیک اہل حدیث کا بڑا جرم یہی ہے کہ وہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ موصوف نے جتنے مسائل بھی ذکر کئے ہیں ان تمام میں اہل حدیث حق پر ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ ہاں پھر یہ بھی بات ہے کہ ان مسائل میں مؤلف سے اختلاف صرف اہل حدیث کا ہی نہیں بلکہ اکثر میں صحابہ کرام، تابعین

عظام اور امام ابو یوسف و محمد بلکہ بعض میں امام ابو حنیفہ بھی اس کے مخالف ہیں جس کی مولانا داؤد صاحب نے کتاب ہذا میں مدلل تفصیل دی ہے۔ مگر مؤلف تحفہ کی تھیوری میں ان سے اختلاف کرنا اہل سنت سے خارج ہونے کے مترادف ہے کیونکہ اہل سنت کی ٹھیکیداری ان کے پاس ہے۔

اہل سنت کی تعریف:۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج قرار دینے کی بڑ، جھنگوی صاحب کا سادہ لوح لوگوں کو محض دھوکہ اور فریب دینے کے مترادف ہے اگر ان کو عقائد کے علم سے ذرہ برابر بھی مس ہے تو پھر وہ یقیناً سمجھتے ہوں گے کہ میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ حقائق کے منافی اور برعکس ہے کیونکہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ متقدمین حضرات نے اہل سنت کی جو تعریف کی ہے وہ موجودہ حنفیوں پر صادق نہیں آتی بلکہ یہ عقیدہ کے لحاظ سے مرجئ ہیں۔

امام اہل سنت سفیان بن عیینہ جو تبع تابعی ہونے کے ساتھ معروف فقیہ اور محدث ہیں فرماتے ہیں۔

ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل ہے جبکہ مرجۂ کہتے ہیں ایمان صرف قول ہے۔ (کتاب السنہ بعبد اللہ بن احمد بن حنبل ص348ج1 ملخصا

امام سفیان ثوری جو اہل سنت کے مسلمہ امام ہیں تبع تابعی ہونے کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے بھی ہم عصر تھے فرماتے ہیں۔

مرجۂ نے ہماری تین امور میں مخالفت کی ہے ہم کہتے ہیں کہ

ایمان قول اور عمل ہے وہ کہتے ہیں ایمان صرف قول ہے عمل نہیں۔ ہم کہتے ہیں وہ زیادہ اور کم ہوتا ہے اور مرجۂ کہتے ہیں کہ وہ نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص29ج7 مختصرا)

امام فضل بن عیاض جو اپنے دور کے بڑے محدث اور فقیہ تھے اور احناف کے نزدیک

امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں علاوہ ازیں ان کی نو ایجاد چالیس رکنی کمیٹی کے ممبر بھی تھے وہ فرماتے ہیں۔ "اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے عمل کو ایمان کے ساتھ جوڑا ہے اور فرائض بھی بلاشبہ ایمان میں سے ہیں۔ اللہ تعالی نے والذین آمنوا وعملوا الصالحات" آیت میں عمل کو ایمان کے ساتھ موصول کیا ہے مگر مرجئ کہتے ہیں کہ عمل ایمان سے منقطع ہے۔ (کتاب السنہ ص376ج1)

امام بغوی فرماتے اتفقت الصحابة والتابعون فمن بعدهم من علماء اهل السنة على ان الاعمال من الايمان وقالوا ان الايمان قول وعمل وعقيدة يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية۔ (شرح السنۃ ص39ج1)

تمام صحابہ کرام اور تابعین کرام اور ان کے بعد جو بھی علماء اہل سنت ہیں ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان سے ہیں۔ ایمان قول۔ عمل اور عقیدہ ہے جو اطاعت سے بڑھتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔

مذکورہ ائمہ کرام نے صحابہ کرام' تابعین عظام اور ائمہ اہل سنت کا جو عقیدہ بیان کیا ہے بحمد اللہ اہل حدیث کا بھی بعینہ یہی عقیدہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔ اس کے برعکس آیئے اب ہم احناف مرجئہ کا عقیدہ ملاحظہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرام' تابعین عظام اور ائمہ اہل سنت کا ہے۔

علامہ مغیساوی حنفی احناف کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان العمل الصالح ليس جزء من الايمان يزيد وينقص۔ (شرح فقہ اکبر)

بلاشبہ نیک عمل ایمان کا جزاور حصہ نہیں۔ اس لئے کہ عمل بڑھتا اور کم ہوتا ہے

علامہ مغیساوی کے اس قول سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ اول کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں۔ دوم ایمان میں کمی و بیشی نہیں۔ علامہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔

اہل آسمان یعنی فرشتوں اور اہل جنت اور اہل ارض یعنی انبیاء۔ اولیاء اور تمام ایماندار اور نیک یا بد سب کا ایمان برابر ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص87 ملا علی قاری)

علامہ طحاوی فرماتے ہیں

والایمان واحد واهله فی اصله سواء۔ (العقیدہ الطحاویہ ص19)

ایمان ایک ہی ہے اور تمام ایمان دار اصل ایمان میں برابر ہیں۔

اب آپ احناف کے عقیدہ کو اہل سنت کے عقیدہ کے ساتھ متوازن کریں تو آپ دونوں میں بعد المشرقین پائیں گے اور ائمہ ھدیٰ نے اہل سنت کی جو تعریف کی ہے اس کی روشنی میں آپ مذکورہ عقائد کے حامل کو اہل سنت نہیں کہہ سکتے مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث تو الٹی گنگا بہانے کے قائل ہیں کہ انہوں نے کس چالاکی اور ہوشیاری سے جو اصلی اہل سنت ہیں ان کو اہل سنت سے خارج قرار دیا اور جو اہل سنت کے خلاف ماتریدی اور مرجئ مذہب کے قائل ہیں ان کو اہل سنت باور کرایا ہے۔

تحفہ حنفیہ:۔

کتاب تحفہ حنفیہ دراصل تحفہ اہلحدیث کے رد عمل کے طور پر معرض وجود میں آئی ہے جس کو اہل حدیث کے سپوت مولانا داؤد ارشد نے تحقیق کے مہروں سے مرتب کیا ہے اور جھنگوی کے جملہ خرافات اور کذبات کو طشت ازبام کیا ہے اور اس کے ہر الزام کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

مولانا داؤد صاحب تحقیقی اور تصنیفی میدان میں محتاج تعارف نہیں ہیں اس سے قبل بھی انہوں نے بہت سے تحقیقی شہ پارے رقم فرمائے ہیں۔ اہل بدعت کی معروف کتاب ”جاء الحق“ کا جواب ”دین الحق“ کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو نہایت تحقیقی اور مدلل اور دلنشیں ہونے کی وجہ سے اہل ذوق سے داد تحسین وصول کر چکا ہے۔

دعا ہے کہ مولا کریم مولانا محمد داؤد ارشد کی دفاع حق میں اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی بنائے۔ آمین یا الہ العالمین

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ سیالکوٹ۔

یکم رمضان المبارک 1421ء 28 نومبر 2000ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مولف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم' اما بعد

ماضی قریب میں ابوبلال جھنگوی صاحب کی طرف سے ایک کتابچہ 'تحفۂ اہلحدیث کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جو مصنف نے بزعم خود چار مسائل پر تحریر کیا ہے' لیکن درمیان میں خلط مبحث کرتے ہوئے بیسیوں مسائل کو بیان کردیا ہے' جن کا نفس مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں' ان کے علاوہ کبھی حجیت حدیث کا انکار کیا ہے تو کبھی سنت کا مذاق اڑایا ہے' کبھی قرآن وسنت کو ناقص قرار دے کر دعوت تقلید دی ہے تو کبھی اہلحدیث پر فرضی مسائل تھوپے ہیں۔ کبھی مذہب اہل مدینہ کی مخالفت کا آوازہ کسا ہے تو کبھی تحریک اہل حدیث کو شیعہ باور کرایا ہے' اور کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کو اہل حدیث قرار دیا ہے' الغرض جھنگوی صاحب تحریک اہل حدیث کی تردید میں اخلاقی حدود کو تجاوز کر چکے ہیں' جس کے لئے انہوں نے ہر حربہ آزمایا ہے' حتی کہ ردوہابیت کے شوق نے انہیں رسول اللہ ﷺ پر افترا کرنے پر انگیختا کردیا اور جھنگوی صاحب سبیل المومنین کو ترک کر کے' یکتبون الکتب بایدیھم کی راہ پر چل پڑے' انجام کار دو احادیث خود ہی وضع کر ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء باندھنے جیسے گھناؤنے جرم کے مرتکب ہوگئے۔ قرآن وحدیث میں لفظی و معنوی تحریفات اس پر مستزاد ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ خود کو اصلی وخالص' اہل سنت' قرار دیتے ہیں۔ اور اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج کہتے ہیں۔

عوام الناس کی طرف سے اس کے جواب کا مطالبہ ہو رہا تھا' بعض دوستوں (مناظر اسلام قاضی عبدالرشید راشد حفظہ اللہ وغیرہ) نے بھی خاکسار کو کہا' لیکن راقم بوجہ ٹالتا رہا' آخر ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آگیا اور میں' تحفہ حنفیہ لکھنے پر تیار ہو گیا' جو آپ کے ہاتھوں میں

ہے' خاکسار جواب میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا اندازہ آپ نے لگانا ہے' تفہیم کے پیش نظر کتاب کو چار حصوں اور متعدد فصول میں تقسیم کیا ہے

ہاں البتہ ترتیب مضامین تحفہ اہل حدیث کے ڈھنگ پر ہے تاکہ جواب تلاش کرنے میں آسانی رہے' پہلا حصہ ہماری طرف سے اضافہ ہے اور باقی تین حصے جھنگوی صاحب کے جواب میں ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ جھنگوی صاحب کے تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیا گیا ہے' ان کے ایک ایک اعتراض کو نقل کر کے الزامی و تحقیقی جوابات دیئے ہیں' راقم الزامی جواب کو پسند نہیں کرتا مگر جھنگوی جیسے الد الخصام' حضرات بجز الزامی جواب کے 'فبھت الذی' نہیں ہوتے' لیکن اس کے باوجود ہر مقام پر قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام اور اقوال آئمہ عظام نقل کر کے قارئین کرام کی تسلی و تشفی کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور جھنگوی صاحب کی تاویلات و تحریفات کو آئمہ لغت کے اقوال نقل کر کے تردید کر دی ہے' اور اپنے مؤقف کی تائید میں دیوبندی اکابرین کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے ارباب عقل و خرد کو دعوت فکر دی ہے' ممکن ہے کسی جگہ الفاظ میں ترشی اور سختی آگئی ہو' تو اس کی ذمہ داری جھنگوی صاحب پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اس کی راہ خود انہوں نے تیار کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ

''آپ سے سکھ اچھے ہیں' سب کی داڑھیاں ہیں اور آپ کے علماء میں سے بعض کی داڑھیاں صرف جو کے دانے کے برابر تھیں'' (تحفہ اہل حدیث ص49)

غور کیجئے کہ بعض علماء کے ذاتی فعل کی وجہ سے پوری جماعت اہلحدیث کو سکھوں سے بدتر قرار دے رہے ہیں' حالانکہ بعض اکابرین دیوبند داڑھیاں استرے سے منڈواتے ہیں اور خشخشی داڑھی والے تو عام ہیں' شاید جھنگوی صاحب کو یاد ہو کہ نہ ہو مناظرہ فقیر والی میں جب آپ کی پوری ٹیم کو ابوداؤد سے روایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نہ ملی تھی تو ایک خشخشی داڑھی والے دیوبندی علامہ نے نکال کر دی تھی' یہ الگ بات ہے کہ حافظ محمد ارشد صاحب کو حدیث پڑھنی نہ آتی تھی' جس پر آپ کے معاون نے اعراب لگا کر دیئے تھے' لیکن حافظ

صاحب پھر بھی سند کو درست نہ پڑھ سکے تھے' حدیث کی عبارت پڑھنا تو بہر حال ان کے بس کا روگ نہ تھا' ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہماری سختی قرآن کی تعلیم کی رو سے درست ہے اور ہم بوجہ مظلوم ہونے کے قابل درگزر ہیں۔

لا یحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم۔(النساء148)

تحفہ اہلحدیث' کا جواب ایک مدت سے تیار تھا' مگر بوجہ اس کی اشاعت نہ ہو سکی' قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ انہیں ایک طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑا' اللہ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہوتا ہے' شاید دیر میں بھی کوئی مصلحت ہو' بعض مسائل آپ کو مکرر نظر آئیں گے' کیونکہ جھنگوی صاحب کے کتابچہ میں تکرار ہے' پھر بھی کوشش کی ہے کہ تکرار کم سے کم آئے' حضرت استاذی المکرم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ نے تصنیفی و تدریسی مصروفیات کے باوجود پورے مسودہ کو پڑھا اور مفید مشوروں سے نوازا' اس کا ذکر یہاں شکریہ کی غرض سے کر دیا گیا ہے' آخر میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ راقم اور میرے والدین اور اساتذہ کرام کے لئے دنیا و آخرت کی بہتری کی دعا ضرور کریں۔

اللہ ہم سب کی خطائیں معاف کرے اور ہمیں قرآن و سنت کا سچا متبع بننے کی توفیق دے' آمین یا الہ العالمین

ابو صہیب محمد داؤد ارشد
خطیب جامع مسجد محمدی اہلحدیث
کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ
3 رجب 1421ھ' 2 اکتوبر 2000ء

دیباچہ طبع دوم

فصل اول

وضع احادیث کے اسباب

وضع احادیث کے متعدد اسباب ہیں جن پر محدثین کرام نے مفصل گفتگو کی ہے۔ ان میں سے ایک سبب تقلید بھی ہے۔ مقلدین نے قرآن وحدیث کی بجائے شخصی اقوال کو دین ومذھب قرار دیا تو ان کے اقوال کی تقویت وحمایت کی غرض سے احادیث کو وضع کیا امام قرطبی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

(استجاز بعض فقهاء اهل الرأی نسبة الحکم الذی دل علیه القیاس الجلی الی رسول ﷺ نسبة قولیة فیقولون فی ذلك قال رسول الله ﷺ کذا! ولهذا تری کتبهم مشحونة باحادیث تشهد متونها بانها موضوعة تشبة فتاوی الفقهاء ولانهم لایقیمون لها سندا)

اہل الرائے نے اس حکم کی نسبت جس پر قیاس جلی دلالت کرے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے اگر آپ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں جن کے متن من گھڑت ہونے پر گواہی دیتے ہیں۔ وہ متن ان کتابوں میں اس وجہ سے درج ہیں کہ وہ فقہاء کے فتوؤں کے موافق مشابہت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کی سند بھی نہیں پاتے۔ (بحوالہ الباعث الحثیث ص88)

مولانا عبدالحئ لکھنوی مرحوم حنفی نے کھل کر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ

(السادس قوم حملهم علی الوضع التعصب المذهبی والتجمد التقلیدی کما وضع مامون الهروی حدیث من رفع یدیه فی الرکوع فلا صلوة له ووضع حدیث من قرأ خلف الامام فلاصلوة له وضع ایضا حدیثا فی ذم الشافعی

و حدیثا فی منقبة ابی حنیفة)
یعنی روایات کو وضع کرنے کا چھٹا گروہ وہ ہے جن کو مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے وضع پر اُبھارا ہے جیسا کہ مامون ہروی نے یہ روایات وضع کیں کہ جو رفع الیدین کرے گا اس کی نماز نہیں، جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز نہیں، اسی طرح امام شافعی کی مذمت اور مناقب ابو حنیفہ (میں اس نے روایت کو) وضع کیا ہے۔

(الاثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ ص 17)

مولانا لکھنوی مرحوم نے جو بات کہی ہے وہ بالکل انصاف پر مبنی ہے، تقلیدی تعصب اور اقوال فقہاء اور آراء الرجال کی تائید و نصرت میں ان کے مقلدین نے متعدد روایات کو وضع کیا ہے، آج بھی یہ لوگ وضع احادیث کرنے سے نہیں ڈرتے۔ مولوی اسماعیل جھنگوی مؤلف تحفہ اہل حدیث نے بھی دو احادیث کو وضع کیا ہے بلکہ ان کے اکابرین نے تو خود آیات بھی بنا ڈالی ہیں، مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ حنفی انہیں شیخ الھند کے نام سے یاد کرتے ہیں، انہوں نے معروف سلفی عالم حضرت مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کے ایک اشتہار کا جواب 'ادلہ کاملہ' کے عنوان سے لکھا، جس میں انہوں نے ایک سطر عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اسے قرآن کریم کی آیت باور کرا کر تقلید کا وجوب ثابت کیا، "ادلہ کاملہ" کا جواب مولوی محمد احسن امروہی (جو نواب صدیق حسن خان مرحوم کا ملازم تھا اور بعد میں مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا) نے 'مصباح الادلہ' کے نام سے لکھا، جس میں امروہی نے حضرت شیخ الھند پر گرفت کی، مگر مولوی محمود حسن خان نے توبہ اور شرمندگی و اصلاح کی بجائے بڑے جزم و ثوق سے لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا:

(فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول والی اولی الامرمنکم)
اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوا انبیاء کرام علیھم السلام اور کوئی ہیں سو دیکھئے اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں آپ

نے آیت :

(فردوه الى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الاخر)

تودیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ عجب نہیں کہ آپ دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک ناسخ اور دوسری کے منسوخ ہونے کا فتوی لگانے لگیں۔

(ایضاح الادلہ 93 مطبوعہ دیوبند کتب خانہ رحیمیہ 'و 103 مطبوعہ مطبع جمال پرنٹنگ ورکس دہلی وص 97 مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند)

اس پر ہم کوئی اپنی طرف سے تبصرہ کریں تو شاید جھنگوی صاحب ناراض ہو جائیں اس لئے ہم مولانا عامر عثمانی دیوبندی کا تبصرہ جو انہوں نے مولانا آزاد رحمانی کی کتاب پر رقم فرمایا تھا نقل کرتے ہیں' مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ مولانا رحمانی کو حیرت ہے اور بجا حیرت ہے کہ وہ کون سا قرآن ہے جس سے حضرت شیخ الہند نے بڑے جزم اور وثوق کے ساتھ الفاظ کے ایک ایسے مجموعے کو قرآن کی آیت قرار دے دیا ہے جو تیس پاروں میں کسی جگہ موجود نہیں۔

تجلی دیوبند نومبر 1962ء صفحہ 62' اور صفحہ 61 پر لکھتے ہیں کہ کتابت کی غلطی اس لیے نہیں کہی جا سکتی کہ حضرت شیخ الھند کا استدلال ہی اس ٹکڑے پر قائم ہے جو اضافہ شدہ ہے اور آیت کا اسی اضافہ شدہ شکل کا قرآن میں موجود ہونا وہ شد و مد سے بیان فرما رہے ہیں۔ اولی الامر کے واجب الاتباع ہونے کا استنباط بھی اسی سے کر رہے ہیں اور حیرت در حیرت یہ کہ جس مقصد کے لیے یہ اصل آیت نازل ہوئی تھی ان کے اضافہ کردہ فقرے اور اس کے استدلال نے بالکل الٹ دیا ہے۔ (بحوالہ توضیح الکلام ص 255 ج 1)

اسی طرح جھنگوی صاحب کا پیرو مرشد اور فن مغالطہ کا امام مولوی ماسٹر محمد امین اوکاڑوی لکھتا ہے کہ نیز اللہ تعالی فرماتے ہیں:

یاایها الذین امنوا قیل لهم 'کفوا ایدیکم واقیمو الصلوة' اے ایمان والو اپنے ہاتھوں کو

روک کر رکھو جب نماز پڑھو۔

اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے نماز کے اندر رفع یدین کے منع پر دلیل لی ہے۔

(تحقیق مسئلہ رفع یدین' ص6 طبع اول)

اس عبارت کو پڑھیے ضرور پڑھئے' اسے کاتب کی غلطی قطعاً نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت صفدر صاحب ان الفاظ کا ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔ الغرض آل دیو بند نے ہماری معلومات کی حد تک ان دو آیات کو خود وضع کیا ہے بہر حال اصل موضوع کی طرف آیئے اور ٹھنڈے دل سے ہماری گزارشات کو ملاحظہ کریں اور مقلدین حنفیہ کی وضع کردہ روایات کا مطالعہ کریں۔

ابوداؤد میں پہلی تحریف

سنن ابی داؤد کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ اس میں صحیح' حسن' ضعیف اور منقطع اسناد سے روایات مروی ہیں حضرت امام ابوداؤد نے باب القنوت فی الوتر کے تحت شافعیہ کی دلیل درج کرتے ہوئے ایک ضعیف سند سے روایت نقل کی تھی کہ

(ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لهم عشرین لیلة ولا یقنت الا فی النصف الباقی فاذا کانت العشر الا واخر تخلف فصلی فی بیته فکانوا یقولون ابق ابی)

(ابو داؤد مع عون ص 538 ج 1' و طبع محمدی دہلی 1264 ص 203 و طبع کانپور ص209 ج ا' و طبع قادری دہلی 1272ھ ص 201 ج1)

یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا اور وہ انہیں بیس رات تک نماز پڑھاتے تھے مگر قنوت نصف آخر میں پڑھتے تھے' جب آخری عشرہ کے دس دن رہ جاتے تو اپنے گھر میں ہی نماز پڑھا کرتے اور لوگ کہتے کہ ابی بھاگ گئے۔

تحریف کی ابتدا

مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی نے سب سے اول اس تحریف کا آغاز کیا اور سنن ابی داؤد کو شائع کرتے ہوئے متن ابو داؤ میں تو عشرین لیلۃ ہی رہنے دیا البتہ حاشیہ میں نسخہ کی علامت دیکر رکعۃ' کا لفظ لکھا۔

(ابوداؤد ص209ج1 طبع 1316ء)

اس ردوبدل سے بیس رات کی بجائے معنی بیس رکعت بن جاتا ہے اور اس تحریف کا مقصود بیس رکعات نماز تراویح کا ثبوت دینا تھا۔

تحریف کی انتہا

مولوی فخر الحسن گنگوہی حنفی دیوبندی نے جب اپنی تصحیح سے ابوداؤد کو شائع کیا تو عشرین لیلۃ کو متن سے نکال کر عشرین رکعۃ بنا دیا البتہ حاشیہ میں لیلۃ کے نسخہ کی صراحت کر دی۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۰۲ ج ا طبع کراچی)

اور اب جو نسخہ شائع ہو رہا ہے اس میں متن میں (رکعۃ) ہی ہے' لیکن نسخہ کی صراحت کو بھی حذف کر دیا گیا ہے' حالانکہ مولوی محمود حسن خان کی تحریف سے قبل جس قدر نسخے شائع ہوئے تھے ان میں عشرین لیلۃ کے الفاظ ہی تھے کسی اور نسخہ کا کوئی حوالہ نہ تھا۔ اسی طرح ابوداؤد کے تمام قلمی نسخہ جات میں بھی عشرین لیلۃ کے الفاظ ہیں مگر یار لوگوں نے اسے بدل کر تراویح کی بیس رکعات کی دلیل بنالیا۔

لیلۃ یا رکعۃ

روایت کی اندرونی گواہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لیلۃ کے الفاظ ہی درست ہیں رکعۃ تحریف ہے اولاً:- امام ابوداؤد اس کو قنوت کے باب میں لائے ہیں تراویح کے ابواب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

ثانیا:- حضرت ابی بن کعب آخری عشرہ میں قیام نہ کرتے تھے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ لیلۃ ہی ہے رکعۃ نہیں ہے۔

ثالثا:- امام بیہقی نے (السنن الکبری ص498ج2) میں عشرین لیلۃ کے الفاظ ہی ابو داؤد سے نقل کیے ہیں۔

گھر کی شہادت

علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص126ج2) میں ابن نجیم حنفی نے (البحر الرائق ص40ج2) میں' ابن ھمام نے (فتح القدیر ص375ج1) میں علامہ حلبی نے (مستملی ص416) میں اور مفتی احمدیار حنفی بریلوی نے (جاءالحق ص95ج2) میں اسے ابو داؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے' اور ان تمام نے' عشرین لیلۃ' کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔اسی طرح ابن ترکمانی نے (جوہر النقی ص498ج2) میں اس روایت کے ضعیف و منقطع ہونے کی صراحت کی ہے۔

حنفی شارحین

ملا علی القاری حنفی متوفی 1410ھ نے (مرقاۃ ص184ج3 میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی نے (اشعۃ اللمعات ص581ج1) میں اور مولوی قطب الدین دھلوی حنفی نے (مظاہر حق ص416ج1) میں اس روایت کو ابو داؤد سے عشرین رکعۃ کے الفاظ سے ہی ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد میں دوسری تحریف

امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت عدم رفع الیدین پر جرح کرتے ہوئے کہا تھا کہ

(۲)ھذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس ھو بصحیح علی ھذا اللفظ

یعنی یہ ایک طویل حدیث کا اختصار ہے اور یہ صحیح نہیں اس معنی پر کہ دوبارہ رفع یدین نہ

کرتے تھے۔

(ابوداؤد مع عون ص273ج1وابوداؤد ص173ج1 طبع حلب1952ء)

امام ابوداؤد کی اس جرح کو ان کے حوالے سے صاحب (مشکوٰۃ ص77)میں' علامہ ابن عبدالبر نے (التمهيد ص 220ج 9)میں' حافظ ابن حجر نے (التلخیص ص222ج1)پراور علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص187ج2)میں نقل کیا ہے۔

محدث عظیم آبادی نے (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ص273ج1) میں صراحت کی ہے کہ میرے پاس دو صحیح و معتبر قلمی نسخے ہیں جن میں یہ جرح موجود ہے'لیکن کتنے ستم کی بات ہے جب دیوبندی مکتب فکر کے محدث عظیم مولوی فخرالحسن گنگوہی نے ابو داؤد کو اپنی تصحیح سے شائع کیا تو اس جرح کو متن سے نکال دیا۔

(ابوداؤد ص109)

گھر کی شہادت

حالانکہ مولوی محمود حسن خان کی تصحیح سے جو ابوداؤد کا نسخہ شائع ہوا تھا اس کے صفحہ 116 جلد اول کے حاشیہ پر نسخہ کی علامت دے کر لکھا ہوا تھا کہ ایک نسخہ میں یہ عبارت بھی موجود ہے پھر مذکورہ تمام عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔

ابوداؤد میں تیسری تحریف

سنن ابی داؤد ص120ج1 میں امام ابو داؤد نے ایک عنوان باب من رای القراة اذا لم یجهر کا باندھا تھا مگر مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی نے جب "ابوداؤد" کو اپنی تصحیح سے شائع کروایا تھا اسے باب من کره القرأة الفاتحة الكتاب اذا جهر الامام سے بدل دیا' حالانکہ کسی بھی نسخہ میں یہ عنوان نہ تھا۔

(دیکھئے ابوداؤد مع عون ص305ج1)

اہل علم جانتے ہیں کہ محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ سنن ابوداؤد کے متن کی جب

عون المعبود میں شرح کرتے ہیں تو اختلاف نسخہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر کسی نسخہ میں اس عنوان کا باب بھی ہوتا جو دیوبندیوں کے شیخ الہند نے قائم کیا ہے تو صاحب عون المعبود اس کا ذکر کرتے، مگر محدث عظیم آبادی اس پر خاموشی سے گزر گئے ہیں جو اس بات کا روشن پہلو ہے کہ کسی بھی نسخہ میں اس عنوان کا باب نہ تھا۔ مگر شیخ الھند اس کا ذکر کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون' یہ سب حنفیت کی حمایت میں کیا جا رہا ہے کہ ان کے نزدیک قراۃ فاتحہ مکروہ ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریف

مصنف ابن ابی شیبہ حدیث و آثار کا بہترین ذخیرہ ہے۔ اس کی اشاعت کا متعدد اداروں کو شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلے مولانا عبد التواب کی تعلیق سے اس کی اشاعت ملتان سے ہوئی' بعد میں حیدر آباد دکن سے مولانا ابو الکلام آزاد اکادمی نے 1386ھ میں اس کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ بعد میں الدار السلفیہ بمبئی نے اس کو پندرہ جلدوں میں شائع کیا۔

مصنف میں

حدثنا وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابی' کی سند سے ایک حدیث مروی تھی کہ:

رایت النبی ﷺ وضع بیمینه علی شماله فی الصلاۃ

یعنی میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے نماز کے اندر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص390ج1 مطبوعہ بمبئی و حیدر آباد دکن)

دیوبند کے محدث شہیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی نے مصنف کی ابتدائی تین چار جلدیں بھی 1984ء میں شائع کی تھیں۔ (جواب مکمل چھپ چکی ہے) اس کے صفحہ 351 جلد دوم طبع مطابع الرشید مدینۃ المنورہ 1984ء میں بھی یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ موجود ہے' مگر جب دیوبندیوں نے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

سے 1986ء میں اس کی اشاعت کی تو متن حدیث سے تحریف کرتے ہوئے(تحت السرۃ) کا اضافہ بھی کر دیا۔اس اضافہ سے حدیث کا یہ مفہوم بن گیا کہ "نبی ﷺ نے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ یہ صریحا بد دیانتی ہے۔ یہ حدیث ایک درجن کے قریب کتب حدیث میں پائی جاتی ہے اور کسی میں بھی (تحت السرہ)کا اضافہ نہیں ہے۔اور جس نسخہ کے حوالے سے اس اضافہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کے ضعیف و معلول ہونے کا دیوبندی اکابرین کو بھی اقرار ہے۔ تفصیل کے لئے خاکسار کی تالیف دین الحق ص ۲۲۰ ج ۱ کا مطالعہ کریں۔

مسند حمیدی میں تحریف

مسند حمیدی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی تھی جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

((رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع ولا یرفع بین السجدین))

(مسند حمیدی ص 177 طبع اہلحدیث ٹرسٹ کراچی)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز کو شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

مسند حمیدی کے نسخہ ظاہر یہ میں یہ روایت اسی طرح ہے۔علاوہ ازیں مسند حمیدی کی روایت حدثنا سفیان قال حدثنا الزھری کی سند سے مروی ہے اور اسی سند کے ساتھ مذکورہ الفاظ میں ہی یہ حدیث (مسند احمد ص 8 ج 2 و ابوداؤد ص 104 ج 1' ونسائی ص 123 ج 1 (مجتبیٰ) وایضاً السنن الکبریٰ ص 350 ج 1) میں بھی موجود ہے مگر نہایت ہی ستم کی بات یہ ہے کہ جب دیوبندیوں کے محدث شہیر مولوی حبیب الرحمٰن اعظمی نے مسند حمیدی کو شائع کیا تو اس کے متن کو بدل دیا جس سے یہ حدیث رفع الیدین کرنے کی بجائے نہ

کرنے کی دلیل بن گئی' آپ بھی ملاحظہ کریں:

((رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدین))

(مسند حمیدی ص277ج2)

قدرت الٰہی کا کرشمہ

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اس نے اپنے دست قدرت سے دیوبندی محدث سے ایسا تصرف کروایا کہ اس تحریف کے باوجود یہ دیابنہ کی دلیل نہ بن سکتی تھی۔ وہ یہ کہ امام حمیدی اور زہری کے درمیان امام سفیان کا واسطہ تھا جو گر گیا' جس کا معلق کتاب "الاعظمی" کو بھی بعد میں پتا چلا' کیونکہ کتاب کے آخر میں جو غلطیوں کا چارٹ ہے اس میں بھی اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا گیا ہے۔

الغرض اس روایت کو دیوبندی حضرات دلیل تو بناتے تھے مگر سفیان کے واسطہ کو سہواً گرا ہوا بتاتے تھے نور الصباح ص59' جس پر محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اگر حروف جوڑنے والے کی غلطی سے حدثنا سفیان کے الفاظ چھوٹ سکتے ہیں تو کاتب سے یہاں بعض الفاظ ذکر کرنے میں غلطی کیوں ناممکن ہے۔

(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ صفحہ 25)

اس اعتراض سے جان چھڑانے کی غرض سے جب دیوبندیوں نے مسند حمیدی کی دوبارہ اشاعت گوجرانوالہ سے کی تو امام سفیان کے واسطہ کو درمیان میں ڈال کر سند کی تصحیح کر دی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (گویا کہ مکتبہ حنفیہ کے ناشر نے تحریف در تحریف کا ارتکاب کیا۔)

لطیفہ: موضوع کی مناسبت سے ہم ذکر کر رہے ہیں' جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے ایک صاحب خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے

کہ مسند حمیدی میں رفع الیدین نہ کرنے کی ایک صحیح، مرفوع، متصل سند سے حدیث آتی ہے ۔ان کے سوال پر راقم کو بے ساختہ ہنسی آگئی وہ فرمانے لگے کہ آپ ہنس کیوں پڑے ہیں، راقم نے کہا کہ مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے وہ یہ کہ "کسی گاؤں میں ایک صاحب نے سید ہونے کا دعوی کر دیا۔ جب کہ اسی گاؤں میں ایک اصلی سید بھی رہائش پذیر تھا اس نے نقلی سید پر توہین سادات کا مقدمہ درج کروادیا، جس پر نقلی سید کو عدالت سے سمن آگیا۔ فریقین عدالت میں پیش ہوئے، مدعا علیہ سے جج نے اس کے سید ہونے پر دلیل مانگی، اگلی تاریخ پر اس نے ایک گواہ پیش کر دیا، گواہ نے گواہی دی کہ واقعی یہ صاحب سید ہیں، جج نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے کہ یہ سید ہے۔ گواہ جواباً کہنے لگا اے جی ہمارے سامنے ہی سید بنا ہے"۔

یہ لطیفہ سنا کر میں نے عرض کی کہ اس حدیث کا ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ ہمارے سامنے ہی بنائی گئی ہے اس جواب پر اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

ابنِ ماجہ میں تحریف

سنن ابن ماجہ کو بعض نے صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ درسی اور متداول کتاب ہے، اس میں صحیح و ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی ہیں اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے:

"من كان له امام فقرأة الامام له قرأة"

جس کا (نماز میں) امام ہے تو امام کی قراۃ اسی کی قرأت ہے۔ (ابن ماجہ ص 61)

حنفیہ کا اس روایت سے ترک قرأۃ خلف الامام پر استدلال ہے۔ (تدقیق الکلام ص195ج1)

علماء اہل حدیث کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ اس کی سند میں جابر الجعفی راوی کذاب ہے۔

(تحقیق الکلام ص134ج2)

حنفیہ نے حق بات کو تسلیم کرنے کی بجائے سنن ابن ماجہ میں ہی تحریف کردی۔

اصل سند اس طرح تھی

((حدثنا علی بن محمد ثنا عبیداللہ بن موسی عن الحسن بن صالح عن جابر عن ابی الزبیر عن جابر))

اسے بدل کر جابر و عن ابی الزبیر بنادیا' جابر اور ابی الزبیر کے درمیان حرف واؤ کا اضافہ اس مقصد کے لیے کیا گیا تاکہ یہ تاثر دیا جائے کہ جابر الجعفی اسے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اس کا ثقہ متابع ابی الزبیر بھی موجود ہے جو جابر الجعفی کا ہم سبق ہے اور یہ دونوں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اگر ابن ماجہ میں حرف واؤ ہوتا اور جابر الجعفی اور ابی الزبیر دونوں ہم سبق ہوتے تو جابر و عن ابی الزبیر کی بجائے جابر وابی الزبیر ہوتا' گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ حرف واؤ کا اضافہ کرنے والا جہاں خائن و بددیانت ہے وہاں جاہل و اناڑی بھی ہے۔

ابن ماجہ کی سند محدثین کی عدالت میں

یہ روایت ابن ماجہ کے علاوہ متعدد محدثین کرام نے روایت کی ہے۔ مگر ان تمام نے جابر عن ابی الزبیر ہی بیان کیا ہے۔ دیکھئے

(سنن دار قطنی ص331ج1' ابن عدی ص542ج2و کتاب القراۃ ص158و مسند احمد339ج3)

گھر کی شہادت

اکابر احناف نے بھی اس روایت کو جابر عن ابی الزبیر سے ہی بیان کیا ہے' دیکھئے (شرح معانی الاثار ص149ج1) علاوہ ازیں مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی مرحوم نے ابن ماجہ

سے جابر عن ابی الزبیر ہی نقل کیا ہے۔

امام الکلام ص 187 و التعلیق المجد ص 96' علامہ زیلعی حنفی نے بھی نصب الرایہ ص 7 ج 2 میں واؤ کے بغیر جابر عن ابی الزبیر ہی نقل کیا ہے جو اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ابن ماجہ میں واؤ کا اضافہ دیابنہ کی بددیانتی اور تحریف ہے اور انہوں نے سند میں گڑبڑ کر کے ایک من گھڑت روایت کو فرمان مصطفیٰ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ابو عوانہ میں تحریف

امام ابو عوانہ نے مسند میں بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلاۃ قبل التکبیر بحذا منکبیہ وللرکوع ولرفع راسہ من الرکوع وانہ لا یر فع بین السجدتین "عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث بیان کی تھی۔

((رایت رسو ل اللہ ﷺ اذافتتح اصلاۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما وقال بعضھم حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع ولا یر فعھما وقال بعضھم ولا یر فع بین السجدتین والمعنی واحد)) (مخطوطہ مسند ابو عوانہ بحوالہ نور العینین ص 169)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز کو شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان دونوں ہاتھوں کو برابر کرتے بعض راویوں نے کہا کہ کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے' اور نہ کرتے رفع الیدین اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے اور ان کا معنی ایک ہی ہے۔

مگر نہایت دکھ کی بات ہے کہ جب احناف نے مسند ابو عوانہ کو شائع کیا تو من الرکوع ولا یرفعھما سے حرف واؤ کو عمداً گرا دیا۔ مسند ابو عوانہ ص 90 ج 2' بعدہ اس

حدیث کو عدم رفع کی دلیل بنالیا' نور الصباح صفحہ 53'

تبصرہ بلا تبصرہ:۔

اولاً:امام ابو عوانہ نے اس حدیث کو رفع الیدین کرنے کے باب میں ذکر کیا ہے۔

ثانیا:حدیث کے متن کو سمجھنے کے لیے اس کے الفاظ پر غور کیجئے کہ (ولا یرفعهما) کا تعلق کس سے ہے ما قبل کی جزا ہے یا اس کا تعلق بعد کے جملہ سے ہے' دراصل امام ابو عوانہ نے جیسے رفع الیدین کی کیفیت کے بارہ میں راویوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض نے "حتی یحاذی بهما" کہا ہے اور بعض نے "حذو منکبیه" کہا ہے' اسی طرح بعد میں بھی یہی مقصود ہے کہ بعض نے "ولا یرفعهما" اور بعض نے "ولا یرفع بین السجدتین" کہا ہے اور اس کی امام صاحب کے الفاظ "والمعنی واحد" معنی و مقصد ایک ہی سے بھی تائید ہوتی ہے کہ "ولا یرفعهما" کہا جائے یا "لا یرفع بین السجدتین" معنوی اعتبار سے کوئی جوہری فرق نہیں سوال یہ ہے کہ اگر "ولا یر فعهما" ما قبل کی جزا ہے جیسا کہ دیوبندی کہتے ہیں تو پھر اس کے بعد "وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد" میں بعض کا ذکر کر کے کس جملہ سے تعرض واختلاف کا اشارہ ہے اور یہاں کون سے دو لفظ ہیں کہ فرمایا جا رہا ہے کہ معنی ایک ہی ہے اگر یہاں دو لفظ نہیں تو معنی واحد کہنے کا کیا مطلب ؟

ثالثا:- امام ابو عوانہ نے یہ روایت عبداللہ بن ایوب سعدان بن نصر اور شعیب بن عمرو غیرھم کی سند سے بیان کی ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ سفیان سے عبد اللہ سعدان اور شعیب وغیرہ یہ روایت ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں اب دیکھئے کہ دوسری کتب حدیث میں کوئی روایت ان کے واسطہ سے آتی ہے تو وہ کس طرح ہے۔ چنانچہ (السنن الکبریٰ للبیهقی ص69ج2) میں سعدان عن سفیان کے واسطے سے یہی روایت موجود ہے جس کے الفاظ

یوں ہیں:

((ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین))

صحیح ابو عوانہ کی روایت سے ان الفاظ کا مقابلہ کیجئے یہاں رواۃ کے اختلاف کا ذکر نہیں گویا سعدان کی روایت میں "حتی یحاذی منکبیه اور ولا یرفع بین السجدتین" کے الفاظ ہیں یہ طریق بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ "ولا یرفعهما" سے مراد محض راویوں کے مابین اختلاف کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص22)

رابعا:۔ امام ابو عوانہ نے یہ روایت سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کی ہے اور سفیان کی روایت (صحیح مسلم ص168ج1) میں موجود ہے۔جس کے الفاظ "ولا یرفعهما بین السجدتین" کے ہیں الغرض اس جملہ کا تعلق ما بعد کی عبارت سے ہے مگر حنفیت کے وکلاء نے مسند ابو عوانہ میں تحریف کر کے اسے عدم رفع کی دلیل بنالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صحیح مسلم میں تحریف

ملک سراج الدین اینڈ سنز نے 1376ھ میں مولوی محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ دیوبندی کی تحقیق سے صحیح مسلم کو شائع کیا۔اس میں حنفیت کی تائید کی غرض سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حسب ذیل سند وضع کی گئی۔

((حدثنی عبید اللہ بن معاذ العنبر ی قال نا ابی قال نا محمد بن عمرو اللیثی عن عمرو بن مسلم بن عمارۃ عن بن اکیمه اللیثی قال سمعت سعید بن المسیب یقول سمعت ام سلمة زوج النبی الخ))

(صحیح مسلم ص168ج2)

حالانکہ درست سند حدیث حسب ذیل ہے۔

(حدثنی عبید اللہ بن معاذ العنبری قال نا ابی قال نا محمد بن عمرو اللیثی عن عمر ابن مسلم بن عمار بن اکیمة اللیثی قال سمعت سعید بن المسیب یقول سمعت ام سلمة زوج النبی ﷺ)

(صحیح مسلم ص160ج2)

یہی روایت (ابو داؤد ص 30ج 2'ترمذی مع تحفہ ص 365ج 2'نسائی مجتبیٰ ص194ج2'ابن ماجہ ص234'بیہقی ص266ج9'المحلی لابن حزم ص3ج6اور شرح معانی الاثار ص334ج2وغیرہ میں صحیح مسلم کی سند سے مروی ہے ان سب میں عمر ابن مسلم بن عمار کے آگے ابن اکیمة اللیثی کا واسطہ قطعاً نہیں ہے۔

وجہ تحریف

ترمذی مع تحفہ ص254ج1 میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس سے فریق ثانی ترک قرأة خلف الامام کا استدلال کرتا ہے۔ (احسن الکلام ص278ج1)

مگر اس کی سند میں ابن اکیمة اللیثی راوی ہے۔ صحیح مسلم میں تحریف اس غرض سے کی گئی تاکہ ابن اکیمة اللیثی کو صحیح مسلم کا راوی باور کرایا جائے اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ حافظ ابن حجر کی تالیف "تہذیب التہذیب 410ج7" کا مطالعہ کرلیں کہ انہوں نے اسے سنن اربعہ کا راوی تو بتایا ہے مگر صحیح مسلم کا نہیں 'اگر مذکورہ سند میں اس کا واسطہ ہوتا تو وہ اسے ذکر کرتے۔

علاوہ ازیں اگر سند میں اس کا واسطہ ہوتا تو عن عمارة بن اکیمة اللیثی یا عن ابن اکیمة اللیثی ہوتا مگر یہاں عن بن اکیمة اللیثی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریف کرنے والا جہاں خائن ہے وہاں اناڑی و جاہل بھی ہے۔

مستدرک حاکم میں تحریف

مستدرک حاکم میں ابان بن یذید عن قتادۃ عن زرارۃ بن اوفی عن سعد بن ھشام کی سند سے ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے وتر کی تعداد کے بارے مروی ہے جو متن کے اعتبار سے شاذ ہے۔

(تفصیل دین الحق ص434ج1 میں دیکھئے)

اس حدیث کے الفاظ تھے کہ:

((عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يو تر بثلاث لا يقعد الا فى آخر هن))

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ بیٹھتے تھے ان کے درمیان مگر آخر میں۔

مگر احناف نے جب مستدرک حاکم کی اشاعت کی تو "لایقعد" کو "لا یسلم" بنا دیا۔اس تحریف سے ان لوگوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک وتر کی دوسری رکعت میں تشہد ہے جبکہ اس روایت میں تشہد کی نفی ہوتی تھی لہذا ان ایمان دار لوگوں نے الفاظ کو بدل کر اپنی تردید کے الفاظ کا مفہوم ہی بگاڑ دیا۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک چونکہ وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرنا چاہیے اس غرض کے تحت ان لوگوں نے " لا یقعد" کو" لا یسلم" بنادیا جس سے نماز وتر کی دوسری رکعت میں سلام کی نفی ہو گئی۔یوں ان لوگوں نے متن روایت میں تحریف کر کے حنفیت کو سہارا دیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون

محدثین کی گواہی

امام بیہقی نے (السنن الکبری ص28ج3) میں اس روایت کو مستدرک کی سند سے ہی بیان کیا ہے جس کے الفاظ " لا یقعد" ہیں۔

علامہ ذھبی نے (تلخیص مستدرک ص304ج1) میں' حافظ ابن حجر نے (فتح

الباری ص385ج2)اور(تلخیص الحبیر ص215ج2)میں اسے مستدرک سے نقل کیا ہے اور الفاظ "لا یقعد "ہی نقل کیے ہیں۔

حنفیہ کی شہادت

علامہ نیموی حنفی مرحوم نے (آثار السنن ص206)میں اسے مستدرک سے نقل کیا ہے مگر الفاظ" لا یقعد" بیان کیے ہیں اور اس کے حاشیہ در حاشیہ تعلیق التعلیق میں صراحت کی ہے کہ امام بیہقی نے معرفۃ السنن والا ثار میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت ابان کے طریق میں "لا یقعد" کے الفاظ ہیں۔ پس صحیح الفاظ اس روایت میں "لا یسلم" کی بجائے "لا یقعد" ہیں۔(حاشیہ آثار السنن ص206)

تنبیہ :راقم کو(دین الحق ص235)میں وہم ہوا ہے کہ مذکورہ عبارت کو مولوی فیض احمد صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔لہذا قارئین اس کی تصحیح کرلیں۔

مسند احمد میں تحریف

حنفیہ نے مسند احمد کو حیدر آباد دکن سے شائع کیا تھا۔ حسب عادت ان لوگوں نے اس میں بھی تحریف کی اور بے لذت کی ہے۔ مثل معروف ہے کہ "چور چوری سے گیا مگر ھیرا پھیری سے نہ گیا" یہی کچھ یہاں معاملہ درپیش آیا ہے کہ مذکورہ تحریفات تو کسی مقصد اور مطلب کی غرض سے کی تھیں مگر اس تحریف کو بے مقصد ہی کر ڈالا یا شاید اس کے نیچے بھی کوئی مقصود ہو جس کو راقم معلوم نہ کر سکا۔بہر حال آیئے حدیث کے الفاظ ملاحظہ کریں۔

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ کلمہ پڑھ چکا ہوں 'نماز پڑھتا ہوں 'زکوۃ دیتا ہوں 'روزے رکھتا ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((من مات علی هذا کان مع النبین و الصدیقین و الشهداء یوم القیمة هکذا و نصب

اصبعیه))

جس شخص کوان اعمال پر موت آجائے وہ قیامت کے دن نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی معیت اور صحبت میں اس طرح ہوگا اپنی دونوں انگلیوں کو کھڑی کر کے دکھلایا۔الحدیث

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص523ج1 میں مسند احمد سے بمع سند نقل کیا ہے اسی طرح علامہ سیوطی نے (در منثور ص182ج2) میں اور علامہ ھیثمی نے (مجمع الزوائد ص46ج1 و ص150ج8) میں اسے مسند احمد سے نقل کیا ہے۔اس حدیث پر مزید بحث خاکسار کی تخریج محمدیہ پاکٹ بک میں (غیر مطبوعہ) ہے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ علم نبویؐ کے واحد ٹھیکے داروں نے اس روایت کو مسند احمد سے خارج کیا ہوا ہے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

فصل دوم

الفاظ نبوی میں حک واضافہ کی مثالیں

صاحب ھدایہ کا باطل طوفان

الفاظ نبوی میں ہیرا پھیری کرنے میں سب سے زیادہ نڈر اور بے باک صاحب ھدایہ ہے' یہ الفاظ نبوی میں اپنے مخصوص مقاصد کی غرض سے حک واضافہ کرتا ہے اور پھر ان حک واضافہ شدہ الفاظ کو دلیل بنا کر فریق مخالف کو مطعون کرنا اس کا عام شیوہ اور دستور ہے۔

(۱) صاحب ھدایہ کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں فرماتے ہیں کہ

((وبذلك تشهد الاخبار الواردة فى الباب كحديث الخثعمية فانه صلی اللہ علیہ وسلم قال فيه حجى عن ابيك و اعتمرى))(ھدایہ مع فتح القدیر ص66ج3)

یعنی اس پر گواہ ہیں اس سلسلہ میں مروی احادیث جیسا کہ حدیث خثعمیہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے کہا تھا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر۔

یہ حدیث (بخاری ص350ج1' مسلم ص431ج1) کے علاوہ سنن اربعہ میں موجود ہے مگر کسی روایت میں بھی "واعتمری " کا لفظ نہیں ہے۔

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ:

((هذا وهم من المصنف فان حديث الخثعمية ليس فيه ذكر الاعتمار)(نصب الرایہ ص156ج3)

یعنی یہ مصنف کا وہم ہے کیونکہ حدیث خثعمیہ میں عمرہ کا ذکر نہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

((ولم أرفى شى من طريق الخثعمية الامر بالاعتمار فالظاهر انه انتقال

من المصنف))
یعنی حضرت خثعمیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عمرہ کرنے کے حکم کا ذکر نہیں ہے' ظاہر ہے کہ یہ مصنف ھدایہ کا خود ساختہ لفظ ہے۔ (درایہ ص50ج2)

۲۔ ھدایہ کتاب البیوع باب مسائل منشورہ میں لکھتے ہیں کہ:
((لقوله عليه السلام فى ذلك الحديث فاعلمهم ان لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين))
یعنی آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ انہیں سمجھا دو کہ جو مسلمانوں کے لیے ہے وہ ان کے لیے ہے اور جو مسلمانوں پر ہے وہی ان پر ہے۔(ھدایہ مع فتح القدیر ص248ج6)
حالانکہ جس روایت کی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا جس کی طرف مصنف ھدایہ نے اشارہ کیا ہے اوپر پہلے اس معنی کی کوئی روایت نہیں گزری مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الزکاۃ میں اور بریرہ رضی اللہ عنہا کی کتاب السیر میں گذر چکی ہے اور ان میں سے کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔(نصب الرایہ ص55ج2)

۳۔ کتاب الصوم باب ما یوجب القضاء والکفارۃ میں حالت روزہ میں جماع کرنے کی حدیث کفارہ کو لائے ہیں جس کے آخر میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ "ولا يجزى احدا بعدك "یعنی تیرے بعد کسی کو یہ جائز نہیں ہے۔

(مع فتح القدیر ص264ج2)

حالانکہ حدیث کفارہ (بخاری ص259ج1' ومسلم355ج1) میں اور متعدد کتب احادیث میں آتی ہیں مگر کسی ایک میں بھی "ولا يجزى احدا بعدك" کے الفاظ نہیں علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں "لم اجده فى شى من طرق الحديث"

(نصب الرایہ ص453ج3)

یعنی حدیث کے طرق میں سے ان الفاظ کا قطعاً وجود نہیں ہے' یہی حافظ ابن حجر فرماتے

ہیں۔(درایہ ص280ج1)

مگر صاحب ھدایہ ان الفاظ کو وضع کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے کہ "وھو حجة علی الشافعي" پہلے متن حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا پھر اسے دلیل بناتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کو دھر لیا کہ یہ ان کے اوپر حجت ہے' اللہ اکبر

۴۔کتاب الطلاق باب الظھار میں تحریر کرتے ہیں کہ لقوله علیه السلام واقع فی ظھار قبل الكفار استغفر الله' یعنی آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے مجامعت کر بیٹھا تھا فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر۔(ھدایہ مع فتح القدیر ۴/۸۸)

یہ حدیث سنن اربعہ اور متعدد کتب حدیث میں آتی ہے (جو شواہد کی وجہ سے حسن کے درجہ میں ہے بلکہ علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔(ارواٗ الغلیل ص179ج7)

مگر کسی بھی کتاب میں استغفار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہ صاحب ھدایہ کا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ((لم اجده فی شی من طرقه ذکر الاستغفار))یعنی حدیث کے طرق میں ان الفاظ کا وجود نہیں ہے ۔(درایہ ص75ج2)

۵۔ کتاب الایمان میں امام شافعی کی تردید کرتے ہوئے بغیر قصد کے بھی اگر کوئی قسم کھالے تو اس پر کفارہ دینا پڑے گا' کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (لقوله ﷺ جدهن جدا وهزلهن جدا النكاح والطلاق واليمين))یعنی تین چیزوں میں قصد اور مذاق برابر کا حکم رکھتے ہیں۔ نکاح' طلاق اور قسم۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص352ج4)

ابو داؤد' ابن ماجہ (طلاق)اور ترمذی (النکاح) میں یہ حدیث مروی ہے مگر ان سب میں یمین کی بجائے رجعت کا لفظ ہے' گویا صاحب ھدایہ نے مطلب برآری کے لیے' رجعت کو یمین میں بدل کر اپنا الو سیدھا کیا ہے۔

علامہ زیلعی نے (نصب الرایہ ص 293 ج 2) میں ابن ھمام نے (فتح القدیر ص352ج4) میں اور حافظ ابن حجر نے (درایہ ص90ج2) میں صاحب ھدایہ کی تردید کی ہے۔

۶۔ کتاب البیوع باب مسائل منشورہ میں کتے کی تجارت کے سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

((ولنا علیه الصلاة والسلام نهی عن بیع الکلب الاکلب صیدا او ما شیة))

یعنی ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ علیہ السلام نے کتے کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے مگر شکاری کتے کی اور جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے کی۔ (ھدایہ مع فتح القدیر ص246ج6)

حالانکہ یہ روایت سنن ترمذی باب ما جاء فی کراھیة ثمن الکلب والسنور میں موجود ہے مگر اس میں او ما شیة (ریوڑ کا کتا) کے الفاظ قطعاً نہیں۔

علامہ زیلعی نے (نصب الرایہ ص 53 ج 4) میں اور ابن ھمام نے (فتح القدیر ص246ج6) میں اپنے مخصوص انداز میں اسے غریب کہا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ((لم اجده بهذا اللفظ)) یعنی مجھے ان الفاظ سے یہ روایت نہیں ملی۔ (درایہ ص161ج2)

۷۔ کتاب آداب القاضی میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ ((انما بنیت المساجد لذکر الله تعالی والحکم)) یعنی آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مسجدیں صرف اللہ کا ذکر کرنے اور فیصلے کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص369ج6)

الفاظ کا یہ مجموعہ کتب احادیث میں سے کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا اگر الفاظ کی ترتیب کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ لیکن " وللحکم " کے

الفاظ نہیں ہیں۔(مسلم ص138ج1)

حافظ زیلعی فرماتے ہیں((غریب بهذا اللفظ واخرجه مسلم لیس فیه الحکم))

(نصب الرایہ ص70ج4)

ان الفاظ سے یہ روایت غریب ہے۔ مسلم نے اسے روایت کیا ہے مگر "اللحکم" (قضاء) کے الفاظ نہیں ہیں یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے۔(درایہ ص168ج2)

اسی کے قریب قریب علامہ ابن ھمام نے نقل کیا ہے۔(فتح القدیر ص370ج6)

مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :دراصل یہاں صاحب ھدایہ کو دو کام کرنے تھے ایک شافعی مذھب کی تردید کہ مسجد میں فیصلہ کے لئے قاضی کو بیٹھنا مکروہ ہے' دوسرا اپنے مذھب کا ثبوت کہ قاضی فیصلوں کے لئے مسجد میں ظاہر کھلم کھلا بیٹھے۔ علامہ موصوف نے ایک حدیث میں ایک لفظ ایسا بڑھادیا کہ دونوں مطلب نکل آئے۔ شافعی مذھب اڑ گیا حنفی جم گیا اور فتح مندی کا سہرا سر پر بندھ گیا۔ گو نبی ﷺ پر جھوٹ بولنا ہولناک جرم ہے لیکن مذھب کی پاسداری بھی عجیب چیز ہے جو انسان کے دل میں سوائے اس کی وقعت کے جس کا مذھب مانتا ہے کسی اور کو باوقعت رہنے ہی نہیں دیتی۔

(درایت محمدی ص36)

۸۔ کتاب الکراھیۃ فصل فی بیع میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ارض حرم کو فروخت کرنا مکروہ ہے پھر اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ولابی حنفیة قوله علیه السلام الا ان مکة حرام لا تباع رباعها ولا تورث))

یعنی امام ابو حنیفہ کی دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ مکہ حرم ہے نہ اس کے گھر بیچے جائیں اور نہ ورثے میں دیئے جائیں۔(ھدایہ مع فتح القدیر ص495ج8)

پہلے تو اس حدیث کے معنی کو دیکھئے کہ رباع زمین کو نہیں بلکہ گھر کو کہتے ہیں جیسا کہ ابن ھمام نے فتح القدیر میں بحوالہ قاموس صراحت کی ہے۔دوسری بات یہ کہ متن روایت میں اپنی طرف سے "لاتورث" کے لفظ کا اضافہ کردیا ہے حالانکہ یہ کسی بھی روایت

میں موجود نہیں' حافظ ابن حجر نے اس لفظ کے اضافہ کی پر زور تردید کی ہے۔(درایہ ص236ج2)

واضح رہے کہ اس لفظ کے بغیر بھی مذکورہ روایت ضعیف و معلول ہے۔ تفصیل کے لیے (نصب الرایہ ص265ج4) کی مراجعت کریں۔

۹۔ مذکورہ مقام کے اسی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ارض حرم کو کرایہ پر دینا جائز نہیں' اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ((لقوله عليه السلام من اجرارض مكة فكانما اكل الربا)) یعنی آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس نے مکہ مکرمہ کی زمین کو کرایا پر دیا گویا اس نے سود کھایا۔(ھدایہ مع فتح القدیر ص495ج8)

اولاً:- ان الفاظ سے کوئی روایت صحیح مروی نہیں ہے۔

ثانیاً:- جن من گھڑت اور ضعیف روایات میں ان الفاظ کا مجموعہ پایا جاتا ہے ان میں بھی "اکل الربا" کی بجائے "اکل النار" کے الفاظ ہیں۔(دیکھئے نصب الرایہ ص266ج4ودرایہ ص236ج2)

مگر صاحب ھدایہ نے متن روایت میں تصرف کرتے ہوئے "نار" کو "ربا" میں بدل دیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۰۔ کتاب الصلوۃ باب ما يفسد الصوم میں اپنے مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے صحرا (جنگل) میں نماز پڑھتے ہوئے سترہ رکھنے کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ((لقوله عليه السلام اذا صلى احدكم فى الصحرا فليجعل بين يديه سترة)) یعنی نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی جنگل میں نماز پڑھے تو اپنے آگے سترہ رکھ لے۔(ھدایہ مع فتح القدیر ص354ج1)

یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے مگر کسی میں بھی "فی الصحرا" کے الفاظ نہیں ہیں۔ ابن ھمام نے ' فتح القدیر ص354ج1' میں اور زیلعی نے نصب الرایہ ص80ج2) میں

غریب بھذا اللفظ' کہا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ' لم أره بقید الصحرا' یعنی حدیث نبوی میں صحرا کی قید نہیں۔(درایہ ص179ج1)

تلک عشرة کاملة

یہ دس ہیرا پھیریاں ہم نے محقق سلفی عالم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی مرحوم کی کتاب (درایت محمدی) سے تخریج کے ساتھ نقل کی ہیں۔اس کے علاوہ بھی حضرت نے متعدد امثلہ ذکر کی ہیں' باذوق حضرات مراجعت فرمائیں لیکن ہمارا کام استیعاب نہیں بلکہ ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی کرنا ہے۔

اکابر احناف صاحب ھدایہ کے نقش قدم پر

اب آیئے دیگر محققین حنفیہ کی حدیث نبوی کے الفاظ میں حک واضافہ کی امثلہ سنیے

(۱) علامہ ابن ھمام ماشاء اللہ ھدایہ کے شارح ہیں۔ حنفی ان کو محقق علی الاطلاق اور مجتھد فی المذھب کا درجہ دیتے ہیں' ان کے تبحر فی الحدیث کا دعوی بھی کیا جاتا ہے۔وہ صفا کی سعی کے بعد دو رکعت نماز نفل کے استحباب کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سعی سے فارغ ہو تو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((روی المطلب بن ابی وداعة قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم حین فرغ من سعیه جاء حتی اذا حاذی الرکن فصلی رکعتین فی حاشیة المطاف ولیس بینه وبین الطائفین احد)) (رواہ احمد وابن ماجۃ وابن حبان)

یعنی مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب (صفاء ومروہ کی) سعی سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ تشریف لائے اور مطاف کے کنارہ دو رکعت نماز پڑھی' آپ علیہ السلام اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا۔ اس کو احمد ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

(فتح القدیر ص263ج2)

بلاشبہ یہ حدیث مسند احمد ص399ج6'ابو داؤد ص160ج2(2008)'نسائی ص34ج2'ابن ماجہ (2958)'ابن حبان (موارد)415'اور بیہقی ص273ج2وغیرہ میں موجود ہے مگر اس روایت کا تعلق سعی سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل پڑھنے سے نہیں بلکہ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت پڑھنے سے ہے۔حدیث کے الفاظ "حین فرغ من سبعه" کے ہیں مگر علامہ ابن ھمام نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے مطلب بر آری کی غرض سے "سبعه" کو "سعیه" بنادیا ہے جس سے حدیث کا مفہوم بگڑ گیا اور طواف کی بجائے سعی سے فارغ ہو کر نوافل ادا کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ لگ گیا۔

(۲) کتب فقہ حنفیہ میں ایک روایت ان الفاظ سے بیان کی جاتی ہے:

((ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرة))

یعنی تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں افطار میں جلدی کرنا'سحری دیر سے کھانا'نماز میں داھنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(جاء الحق ص15ج2'والبحر الرائق ص303ج1)

حالانکہ اس روایت میں" وضع الکف علی الکف تحت السرة" کے الفاظ قطعاً نہیں۔

(دیکھئے ابن ابی شیبہ ص13ج3وبیہقی ص238ج4'ابوداؤد طیالسی ص346وطبرانی بحوالہ نصب الرایہ ص470ج2)

الغرض" تحت السره "کا اضافہ فقہاء احناف نے اپنی طرف سے متن روایت میں کیا ہے۔علامہ ابن نجیم نے البحر میں اعتراف کیا ہے کہ ہمارے اسلاف نے جو ان الفاظ کو بیان کیا ہے وہ کتب احادیث میں قطعاً نہیں۔

(۳) شیخ عبد الحق دھلوی حنفیت کے معروف وکیل اور ناصر گزرے ہیں۔انہیں یہ حضرات محدث کے لقب سے یاد کرتے ہیں'جو ماشاء اللہ مشکوٰۃ جیسی معروف حدیث کی کتاب کے

شارح بھی ہیں' انہوں نے ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

((قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر له))
یعنی جس نے مسجد میں میت پر نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔ المعات بحوالہ حاشیہ مشکوۃ 145' اور اشعۃ اللمعات ص724ج 1) میں اس کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے حالانکہ اس روایت کی سندی حیثیت سے قطع نظر یہ جیسی بھی ہے اس میں "فلا اجرله" کے الفاظ قطعا نہیں بلکہ "فلا شی له" کے ہیں۔

(ابوداؤد باب الصلاۃ علی الجنائز فی المسجد وابن ماجہ ۱۱۰ بحوالہ نصب الرایہ ص275ج2)

(۴) مولوی سر فراز خان صفدر دیوبندی مکتب فکر کے ایک نامور اور جید عالم دین ہیں' جن کے القاب کے ساتھ شیخ الحدیث بھی لکھا جاتا ہے ردوہابیت میں سرگرم اور غلو کی حد تک ان سے عداوت ہے۔ روحانی نسب کے لحاظ سے مولوی اسماعیل مؤلف تحفہ اہل حدیث کے والد گرامی ہیں۔ غسل جنابت میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے مؤقف امام ابو حنیفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (ابوداؤد ص48ج 1) میں روایت ہے:

(الصعید الطیب وضوء المسلم الی ان قال فاذا وجدت الماء فامسه جلد وشعرك الخ) (خزائن السنن 90)

حالانکہ ابوداؤد میں "وشعرك" کے الفاظ موجود ہی نہیں۔ جبکہ مولانا کا بنیادی استدلال ہی ان الفاظ سے ہے۔

حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا موصوف نے اس سے قبل صفحہ 89 میں "تحت کل شعرة جنابة" سے بھی استدلال کیا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے اور فرمایا کہ چونکہ ناک کے اندر بھی بال ہوتے ہیں لہذا جنابت کا اثر وہاں بھی ہوتا ہے اسی استدلال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مذکورہ الصدر روایت میں "وشعرك" کا اضافہ بھی اس کی تائید میں ہے اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(مولانا سرفراز اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص179)

(۵) مولانا سرفراز خاں صاحب کا شاگرد رشید اور مولوی اسماعیل کی گینگ کا ایک معروف رکن حافظ حبیب اللہ ڈیروی بھی ہے جو بغض سنت اور عداوت اہل حدیث کی علامت ہے۔ ان کی ہیرا پھیری کی تفصیل میں جانے سے قبل ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ (سنن نسائی ص129ج1) میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے 'یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر کسی ناسخ کی غلطی سے اس میں تصحیف ہوگئی' جس کی وجہ سے بادی النظر میں یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سند میں امام قتادہ سے روایت کرنے والے امام سعید بن ابی روعدبہ تھے 'مگر ناسخ نے غلطی سے سعید کی بجائے شعبہ لکھ دیا اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب امام قتادہ سے امام شعبہ روایت کریں تو ان کی تدلیس ختم ہو جاتی ہے۔ علمائے اہل حدیث کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا رہا کہ شعبہ کتابت کی غلطی ہے دلیل یہ دیتے رہے کہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص177ج1) اور ابن حزم نے المحلی ص8ج3) میں سنن نسائی سے یہی روایت نقل کی ہے اور ان میں سعید بن ابی عروبہ ہی ہے بلکہ مسند امام احمد ص436ج3) میں بھی سعید ہی ہے۔

استیصال التقلید 91 وحاشیہ نسائی ص129ج1) اس حقیقت کا اعتراف ڈیروی صاحب کے محدث عظیم مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے بھی کیا ہے۔ (نیل الفرقدین 32)

اس کے جواب میں ڈیروی صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری کا حافظ ابن حجر کے بارے میں یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے 'کیونکہ جس طرح شعبہ نسائی میں موجود ہے اس طرح صحیح ابوعوانہ میں بھی موجود ہے' معلوم ہوا کہ شعبہ کا ذکر نہ تو نسائی میں غلط ہے اور نہ صحیح ابوعوانہ میں بلکہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور علامہ کشمیری کا نرا حسن ظن ہے۔ (نور الصباح 230)

حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابوعوانہ میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں سجدوں

کے درمیان رفع الیدین کرنے کا ذکر ہو اور اس کی سند میں امام شعبہ قتادہ سے روایت بیان کر رہے ہوں۔ (مزید تفصیل دین الحق ص367ج1 میں دیکھئے۔)

الغرض امام شعبہ کے طریق میں سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنے کا ذکر بحوالہ ابو عوانہ ڈیروی کا خانہ ساز جھوٹ ہے۔

فصل سوم

حنفیت کی تائید میں وضع احادیث

مبتدعین دیابنہ اور بریلویہ کو حنفی ہونے پر فخر ہے۔ وطن کے لحاظ سے یہ لوگ عراقی ہیں اور عراق فتنہ کی سرزمین ہے' جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی' تو منتقل ہو کر ایک قوم پر آئے تو فرمایا کہ اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت ڈال' ہمارے مد اور صاع میں برکت ڈال' ہمارے شام اور یمن میں برکت ڈال۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ عراق؟ (کے بارے میں دعا کیجئے) تو آپ علیہ السلام خاموش رہے پھر کہا کہ اے اللہ ہمارے مدینے میں برکت ڈال' ہمارے مد اور صاع میں برکت ڈال' اے اللہ ہمارے حرم میں برکت ڈال اور ہمارے شام و یمن میں برکت ڈال (اس پر اس) شخص نے کہا" والعراق یا رسول الله" اے اللہ کے رسول عراق کے بارے بھی دعا کیجئے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((من ثم یطلع قرن الشیطان و تھیج الفتن))
وہاں سے قرن شیطان طلوع ہوگا اور فتنے و فساد جنم لیں گے۔

(طبرانی الاوسط ص63ج5رقم الحدیث(4110)

علامہ ھیثمی حنفی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد308ج3)

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ (دیکھئے' (طبرانی کبیر ص 293ج 12 (الحدیث 13422)المعرفتہ والتاریخ للامام الفسوی ص746تا751ج2و تاریخ ابن عساکر ص 58,59 ج1 مخطوطہ و کنز العمال ص135و 172ج14)

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کی سند کے راویوں کو

علامہ منذری نے ثقہ کہا ہے۔(الترغیب والترھیب ص227ج2)

مخبر صادق علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق سر زمین عراق سے فتنوں و فسادوں نے جنم لیا۔ قرن شیطان یہاں سے طلوع ہوا۔ چنانچہ آپ کتب رجال اور تراجم کی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو آپ حضرات کو یہ ماننے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا کہ جس قدر دجال و کذاب اور وضع احادیث میں معروف لوگ ہیں ان میں سے نوے فیصد اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان من العراق قوما یکذبون و یسخرون))

بلاشبہ عراق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں اور دین سے مذاق کرتے ہیں۔
(ابن سعد ۱۳/ ۹)

تبع تابعین نے بھی اپنے تجربات سے اس حقیقت کو جان لیا تھا کہ اہل عراق کس کماش کے لوگ ہیں چنانچہ امام طاؤس فرماتے ہیں کہ:

((اذا حدثك العراقی مائة حدیث فاطرح تسعه و تسعین))

جب کوئی عراقی سو حدیثیں روایت کرے تو ان میں سے ننانوے کو پھینک دو۔

امام ھشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ:

((اذا حدثك العراقی بالف حدیث فالق تسعمائة و تسعین و کن من الباقی فی شك))

یعنی اگر عراقی ہزار حدیثیں روایت کرے تو ان میں سے نوسو نوے(990) کو پھینک دو اور جو باقی دس ہیں ان کے بارے میں بھی شک میں رہو۔ امام المحدثین امام زہری فرماتے ہیں:

((ان فی حدیث اھل الکوفة دغلا کثیر))(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ص85ج1)

یعنی اہل کوفہ کی حدیث میں بہت زیادہ مکروفریب اور دغا ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:((لیس لحدیث اھل الکوفة

نور))یعنی اہل کوفہ کی روایت میں نور نہیں ہوتا۔(سنن ابی داؤد ص 341ج 2)

ان آئمہ کے اقوال کو بھی جانے دیجیے ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اہل کوفہ کی معنوی اولاد کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے خوف الٰہی کو بالائے طاق رکھ کر وضع احادیث کی ہیں۔

(2-1)مؤلف تحفہ اہل حدیث کی وضع کردہ روایات

مولوی اسماعیل نے ایک صد سے کم صفحات کی کتاب تحفہ اہل حدیث تحریر کی ہے۔اس کے ایک صفحہ میں دو روایات وضع کی ہیں۔لکھتا ہے:

نبی کریم علیہ السلام تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔(مشکوۃ)

جب مسح فرماتے ہیں تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اُٹھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے مسح فرماتے ہیں۔نبی ﷺ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو اُتار کر نیچے رکھ دیں۔(تحفہ اہل حدیث ص 13)

تبصرہ بلا تبصرہ:

یہ دونوں روایات مولوی ابو بلال اسماعیل کی وضع کردہ ہیں' مشکوٰۃ تو کجا پورے ذخیرہ احادیث میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے' راقم الحروف سترہ(17)اکتوبر1999ء بروز اتوار بوقت پونے آٹھ بجے صبح مولوی اسماعیل کے پاس حاضر ہوا تھا' اپنا تعارف کرواتے ہوئے خاکسار نے کہا کہ آپ کی تالیف تحفہ اہل حدیث کا بندہ نے جواب لکھا ہے اور یہ احادیث راقم کو نہیں مل سکیں' آپ مہربانی کر کے مجھے یہ دونوں روایات دکھا دیں' راقم کا یہ مطالبہ سن کر مولوی اسماعیل کا رنگ فق ہو گیا۔شرمندگی اور خفت سے اس پر بولنا محال ہو گیا' آخر سر جھکائے ہوئے کہنے لگا کہ ممکن ہے کہ میں نے کہیں سے سنی سنائی لکھ دی ہوں لہٰذا اس وقت اس کا حوالہ راقم کو یاد نہیں۔

اس پر راقم نے کہا کہ افسوس آپ نے کتاب میں محض سنی سنائی حدیث لکھ دی

اور وہ بھی خصم پر حجت کے لیے ((کفی بالمرء کذب ان یحدث بکل ماسمع)) (مسلم)۔اس کے جواب میں مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ اچھا آپ نے اس پر کیا لکھا ہے؟راقم نے کہا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بڑی تلخ حقیقت ہے۔ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ توبہ کرلیں اور ہم کو لکھ کر دے دیں کہ ان روایات کو میں نے خود وضع کیا تھا جس سے میں توبہ کرتا ہوں۔ مولوی اسماعیل کہنے لگا آپ اشتہار شائع کر کے بدنام کریں گے' خاکسار نے کہا کہ اشتہار شائع نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ہاں البتہ تحفہ اہل حدیث کے جواب میں آپ کی توبہ شائع کر دوں گا۔ مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ آپ کا مقصود صرف بدنام کرنا ہے اصلاح کرنا نہیں؟

اس پر راقم نے کہا کہ آپ نے بھی تو اصلاح کے نام پر تخریب کاری کی ہے ورنہ آپ قسماً کہہ سکتے ہیں کہ اہل حدیث شیعہ کی طرح ہیں۔

مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ آپ اہل حدیث حضرات شیعہ کی طرح نہیں ہیں۔ہاں البتہ اب میں نے کہیں ایک ضروری کام جانا ہے لہٰذا کسی اور دن تشریف لائیں اور میں ان روایات کے بارے میں تحقیق کرلوں گا جو آپ کو دکھادی جائیں گی۔اس پر خاکسار نے کہا کہ اب میں خود تو نہیں آؤں گا البتہ کسی آدمی کو بھیجوں گا۔ مولوی اسماعیل نے 25 اکتوبر 1999ء بروز اتوار بوقت صبح کا وعدہ کیا' جس پر راقم واپس آ گیا۔ پروگرام کے مطابق راقم نے اپنے بھانجے حکیم عثمان عبدالرحمٰن کو بھیجا جو خیر سے حنفی دیوبندی اور اسی مسجد کا نمازی ہے جس میں مولوی اسماعیل پیش امام ہے مگر مولوی اسماعیل نے حکیم عثمان عبدالرحمٰن کو یہ روایات نہ دکھائیں بلکہ کہا کہ آپ اپنے ماموں سے کہیں کہ وہ کتاب کو شائع کردیں میں اس کا جواب لکھ دوں گا۔

الغرض یہ روایات مولوی اسماعیل نہ دکھا سکا کیونکہ کتب احادیث میں ان کا قطعاً کوئی وجود نہیں اور سینہ گزٹ روایات کا ثبوت نہیں ہوا کرتا' ہم آج بھی اپنے دین وایمان کی محکمی اور خداداد فراست کو بروئے کار لاکر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل کا رسول

اللہ ﷺ پر افتراء ہے۔ اللہ اسے توبہ کی توفیق دے۔

(۳) مولوی محمد امین صفدر اوکاڑوی حنفی: مبتدعین دیابنہ کی حیاتی پارٹی کے سر گرم کارکن اور مناظر اعظم ہیں۔ اہل حدیث کے رد میں متعدد کتب کے مصنف اور فن مغالطہ کے امام ہیں' اختلافی مسائل میں سے مسئلہ آمین پر بھی انہوں نے ایک کتابچہ تحریر کیا ہے جس میں فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے اور جب وہ ولا الضالین کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو خاموش نہ رہتے بلکہ الحمد للہ رب العالمین کہتے۔ (مسئلہ تحقیق آمین ص29)

حالانکہ ایسی کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں یہ مولوی امین اوکاڑوی کی سینہ گزٹ ہے۔

(۴) مولوی حبیب الرحمٰن حنفی دیوبندی صدیقی کاندھلوی: دیوبندی مکتب فکر کے نامور عالم دین مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مرحوم کے فرزند ہیں اور متعدد کتب کے مصنف ہیں جن کے ٹائٹل پر موصوف کے القاب ماہر تاریخ محقق ونقاد شیخ القرآن و امام الحدیث وغیرہ لکھے ہوتے ہیں بعض رسائل میں اہل حدیث پر بھی کڑی تنقید کی ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

(من ادرك الركوع مع الامام فقد ادرك الركعة) (سنن الکبری ص90ج4)

جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا اس نے رکعت پالی۔ (رسالہ فاتحہ خلف الامام 10 تا 11 طبع اول)

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بیہقی تو کجا پورے ذخیرہ حدیث میں موجود نہیں ہے۔

(۵) مولوی سید محمد انور شاہ کاشمیری: دیوبندی حلقہ کے خاتم المحققین مولوی محمد

۔انور شاہ کاشمیری جو متعدد کتب کے مصنف اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے' اہل حدیث کے رد میں مختلف مسائل پر ان کے رسائل بھی ہیں۔ سنن ترمذی پر ان کی املائی تقریر' عرف الشذی' کے نام سے مطبوع ہے' اس کے باب ماجاء فی تعجیل العصر' میں اپنے کوفی مذھب کی وکالت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

((منھا ما فی ابی داؤد عن علی ان وقت الا شراق من جانب طلوع الشمس بعد العصر))

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت ابوداوٗد میں ہے اور نہ ہی کسی دوسری حدیث کی کتاب میں اس کا وجود ہے۔

حضرت محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ:

((قلت حدیث علی ھذا بھذا اللفظ لیس فی ابی داود البتة ولا فی کتاب من کتب الحدیث فعلیه ان یثبت اولا کونه فی ابی داود اوفی کتاب اخر من کتب الحدیث بھذا اللفظ المذکور))

میں کہتا ہوں کہ ان الفاظ کے ساتھ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے ابوداود میں کوئی روایت نہیں اور نہ کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں اس کا وجود ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ ان الفاظ کو پہلے ابوداود یا پھر کتب احادیث میں سے کسی کتاب سے مذکورہ الفاظ سے ثابت کرے۔ (تحفۃ الاحوذی ص149ج1)

(٦) قاضی نور محمد صاحب: ماضی قریب میں یہ حنفیت کے نامور مناظر ومدرس گزرے ہیں' بلاشبہ صاحب علم اور توحید سے محبت تھی فرقہ دیابنہ کی مماتی پارٹی کے قائدین میں ان کا شمار ہوتا ہے اہل حدیث کے رد میں متعدد کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔ مسئلہ رفع الیدین پر ایک رسالہ ازالۃ الرین کے نام سے انہوں نے تحریر کیا تھا اس میں انہوں نے ایک مسلسل روایت وضع کی ہے فرماتے ہیں کہ:

((اخذ اهل الكوفة الصلوة عن ابراهيم النخعى و اخذ ابراهيم النخعى عن اسود بن يزيد عن ابى بكر الصديق عن النبى ﷺ و هذا اخذ عن جبريل و هو اخذ عن الله تبارك وتعالى و ابراهيم النخعى لم يكن يرفع يديه الا فى اول تكبير من الصلوة ثم لا يعود))(ازالۃ الرین ص 61)

یہ حدیث کسی بھی کتاب میں نہیں پائی جاتی ۔

(۷) حافظ حبیب اللہ ڈیروی: ان کا شمار حیاتی دیوبندی پارٹی کے صفدری گروپ سے ہے۔ رد اہل حدیث میں کوثری المشرب ہیں' مسئلہ رفع الیدین پر 'نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے ترک رفع الیدین والی نماز اپنے استاد حماد وغیرہ سے سیکھی ہے اور انہوں نے حضرت ابراھیم نخعی سے اور انہوں نے حضرت اسود و علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اور انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اور انہوں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اور حضرت جبریل خدا تعالیٰ سے لے کر آیا۔ فلھذا اللہ تعالی کا حکم ہے کہ نماز میں رفع الیدین نہ کیا کرو۔ (نور الصباح ص 219)

یہ روایت ماشاء اللہ ڈیروی صاحب کی ایجاد ہے جس کا وجود کتب احادیث میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔

(۸) مولانا محمود حسن خان صاحب: ان کا شمار آل دیوبند کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ مولانا قاسم علی نانوتوی کے شاگرد رشید اور دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ اہل حدیث کی مخالفت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مختلف فیہ مسائل پر ان کی ایک کتاب "ایضاح الادلہ" ہے اس میں تحریر کرتے ہیں کہ:

((قول عبد الله بن مسعود رفع رسول الله ﷺ فرفعنا وترك فتركنا))

(ایضاح الادلہ 7)

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کی تو ہم نے بھی کی۔ جب آپ علیہ السلام نے چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔ یہ من گھڑت روایت فقہ حنفی کی معروف کتاب (بدائع الصنائع ص208ج1) میں موجود ہے' مگر کوئی حنفی سپوت اور منکر سنت اس کا وجود کتب احادیث سے ثابت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح علامہ حسام الدین حنفی متوفی ۷۱۴ نے ھدایہ کی شرح میں درجہ ذیل حدیث وضع کی ہے کہ:

((عن عبد الله بن الزبير انه راى رجلا يرفع يديه فى الصلوة عند الركوع وعند الرفع فقال لا تفعل فان هذا شى فعله رسول الله ﷺ ثم تركه)) (بحواله عمدة القارى ص273ج5)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ کام حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ (جاء الحق ص56ج2)

علامہ کاسانی حنفی متوفی 585ھ اپنی بلند پایہ کتاب 'بدائع' میں فرماتے ہیں کہ:

((روى انه ﷺ راى بعض اصحابه يرفعون ايديهم عند الركوع وعند الرفع الراس من الركوع فقال مالى اراكم رافعى ايديكم كا نها اذناب خيل شمس اسكنوا فى الصلوة' بدائع الصنائع ص207ج1)

یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ ہلاتے دیکھتا ہوں نماز میں سکون اختیار کرو۔

یہ سب جھوٹ کا باطل طوفان ہے' ان لوگوں نے خوف الٰہی کو بالائے طاق رکھ کر روز قیامت کے حساب سے نڈر ہو کر ان احادیث کو وضع کیا ہے۔

(۹) مولوی احمد علی سہارنپوری: ان کا شمار مبتدعین دیابنہ کے ہیرو اور شارحین بخاری میں

ہو تا ہے۔ بغض اہل حدیث سے ان کا سینہ لبریز اور مرجیٔ المشرب ہونے کی وجہ سے اہل حدیث کا رد خوب کرتے تھے۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر ان کا ایک رسالہ (الدلیل القوی) ہے جس میں حدیث کے مفہوم کو بگاڑتے ہوئے حسب ذیل الفاظ نقل کیے ہیں:

((لا یقرأن احد منکم شیأ من ا لقران اذا جهرت بالقرآن وقال الدارقطنی رجاله کلهم ثقات' الدلیل القوی ۲۸))(بحوالہ تحقیق الکلام ص198ج2)

حالانکہ " اذا جهرت القرأ ة" کے درمیان" الابام القرآن " کے الفاظ تھے۔ تقدیر عبارت یوں تھی:

(اذا جهرت بالقراة الا بام القران) (سنن دار قطنی ص320ج1)

مگر دیابنہ کے مایہ ناز محقق نے مطلب بر آری کے لیے اس مخالف جملہ کو ہضم کر کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دلیل کو نہ پڑھنے کی بنا دیا۔ اس زیادتی کی کوئی حد اور اس ہیرا پھیری اور بے ایمانی کا کوئی کنارہ ہے۔

(۱۰) ملا علی قاری حنفی شارح مشکوۃ: آل دیابنہ کے مقتدا اعظم ملا علی القاری حنفی نے اپنے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفیه حدیث صریح اخرجه الدار قطنی ((عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال اذا صلیت فی اهلك ثم ادرکت فصلها الا الفجر والمغرب))

یعنی اس سلسلہ میں صریح حدیث ہے جسے دار قطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم گھر میں نماز پڑھ لو پھر اگر جماعت کو پالو تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو مگر صبح اور مغرب کی نماز

(مرقاۃ ص305ج3)

ان الفاظ کو دار قطنی تو کجا پورے ذخیرہ احادیث سے کوئی حنفی سپوت ثابت نہیں کر سکتا۔

(۱۲-۱۱) علامہ حصکفی صاحب در مختار: ان کا شمار فقہائے احناف کے ان گنے چنے

افراد میں ہوتا ہے جن کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تنویر الابصار کے شارح ہیں' خود مولوی اسماعیل کو ان کی کتاب در مختار پر فخر ہے' اسے مدینہ کی تصنیف کہتے ہیں۔ اس رتبہ و شان کے آدمی نے بھی وضع احادیث کا کاروبار کر رکھا تھا اور کم از کم موضوع و من گھڑت روایات کو نقل کرتے ہوئے ان کا ضمیر انہیں ملامت نہ کرتا تھا۔ ہم اختصار کے ساتھ چند روایات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

(۱)ان آدم افتخر بی وانا افتخر برجل من امتی اسمه نعمان و کنیته ابو حنیفة هو سراج امتی))

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر تھا اور مجھے اپنے ایک امتی کی وجہ سے فخر ہے جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے' جو کہ میری امت کا روشن چراغ ہے ۔(مقدمہ در مختار مع رد المحتار ص52 ج1)

(۲)اسی مقام پر دوسرا افترا یہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان سائر الانبیاء یفتخرون بی وانا افتخر ابی حنیفة من احبه فقد احبنی ومن ابغضه فقد ابغضنی))

یعنی تمام انبیاء کو مجھ پر فخر ہے اور مجھے ابو حنیفہ پر ہے' جس نے اس سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے اس سے بغض کیا اس نے میرے ساتھ بغض کیا۔

(در مختار)

یہ سب من گھڑت اور واہیات ہیں۔

(۱۳)ملا جیون اصولی حنفی :اصول فقہ حنفی کی درسی کتاب "نور الانوار" کے مصنف ہیں۔ اس میں ایک حدیث ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

(اشار علیه السلام بقوله الخمر لهم کا الخل لنا والخنزیر لهم کالشاة لنا))

یعنی اسی طرف ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ ان کے لیے شراب ایسے ہے جیسے ہمارے لیے سرکا ہے' اور ان کے لیے خنزیر اس طرح ہے جس طرح ہمارے

لیے بکری ہے۔(نورالانوار صفحہ 60 مبحث الامر)

یہ بھی خالص رسول اللہ ﷺ پر افترا ہے' کوئی ابو بڑل ہو یا ابو مغالطہ اس روایت کو ثابت نہیں کر سکتا۔

(۱۴)علامہ ابن ھمام:ان کا شمار فقہاء احناف کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں ابو بلال جیسے تمام مقلد مجتہد فی المذھب کہتے ہیں۔ موصوف ابن ھمام گردن پر مسح کے جواز کے ثبوت میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی ہے:

((ثم مسح علی راسه ثلاثا و ظاهرا ذنيه ثلاثا و ظاهر رقبته))

یعنی پھر رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک کا مسح تین بار فرمایا اور تین بار ہی کانوں کے ظاہری حصہ کا مسح فرمایا اور ایسا ہی تین بار گردن کا مسح فرمایا۔(فتح القدیر ص23ج1)

ان الفاظ کا مجموعہ ترمذی تو کجا پورے ذخیرہ احادیث میں نہیں ہے۔ یہ مولوی اسماعیل کے مجتہد فی المذھب(ابن ھمام) کی وضع کردہ ہے۔

(۱۵)صاحب ھدایہ:ان کا شمار فقہائے احناف کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر تمام مقلدین کو فخر ہے' انہوں نے موضوع و من گھڑت روایات اس قدر بیان کی ہیں کہ اگر ہم ان کو شمار کریں تو چالیس اربعین بنا سکتے ہیں' مگر ہمارا مقصود استیعاب نہیں صرف یہ بتانا مطلوب ہے کہ وضاعین میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے مذھب کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقوله عليه السلام من صلی خلف عالم تقی فكانما صلی خلف النبی))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز ادا کی اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

(ھدایہ ص122ج1)

پورے ذخیرہ احادیث میں اس کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ صاحب ھدایہ نے

اللہ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر وضع کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے (درایہ ص161ج1)میں لم اجد کہا ہے ملا علی القاری حنفی نے (موضوعات 121) میں 'لا اصل لہ' کہا ہے' علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص26ج2) میں 'غریب' لکھا ہے علامہ البانی نے لا اصل لہ کہا ہے' الضعیفہ رقم الحدیث573' علامہ فتنی نے 'لم اقف علیہ بھذا اللفظ' کہا ہے 'تذکرہ40

حنفیت کے چالیس جواہر پارے

فصل اول میں ہم نے حنفی دیوبندیوں کی دس ایسی ھیرا پھیریاں نقل کی ہیں جو ان لوگوں نے کتب احادیث میں کی ہیں۔ فصل دوم میں پندرہ ایسی خیانتوں کو بتایا ہے جس میں انہوں نے الفاظ نبوی میں مسلک کی پاسداری میں حک واضافہ کیا ہے اور فصل سوم میں حنفی دیوبندی اور اکابر احناف کی پندرہ ایسی روایات کی نشان دہی کی ہے جنہیں ان لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے رسول اللہ ﷺ پر بہتان وافترا کیا ہے۔



فصل چہارم

دیوبندیوں کا مکروہ چہرہ

اس فصل میں ہم نے چند ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جس کے آدھے حصہ کو یہ حضرات مانتے ہیں اپنے مؤقف و مذھب کی تائید میں نقل کر کے خصم کو حجت باور کراتے ہیں۔ مگر انہیں احادیث کے بقیہ حصہ سے جو مسئلہ یا مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کا محض تقلید کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

ان روایات کے انتخاب کے لیے ہم نے مبتدعین دیابنہ کی اہل حدیث کے رد میں لکھی ہوئی معروف کتاب "حدیث اور اہل حدیث" کو منتخب کیا ہے۔ پہلے ہم نے مذکورہ کتاب سے متن روایت نقل کیا ہے، پھر دیابنہ کا استدلال بیان کر کے آخر میں فقہاء احناف کی عبارات کو نقل کر کے حدیث کے اس مقام کی نشان دہی کی ہے جس کو فرقہ دیوبندی تقلیدی وجہ سے نہیں مانتا مگر اسی حدیث کی بنا پر اہل حدیث کو مطعون بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ اتنا گھٹیا اور بدتر فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اسی کردار کی وضاحت کرتے ہوئے ان کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم کی وعید سنائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿افتؤمنون ببعض الكتب وتكفرون ببعض فما جزآء من يفعل ذلك منكم الا خزى فى الحيوة الدنيا ويوم القيمة يردون الى اشد العذاب﴾ (البقرہ:85)

تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں۔

(ترجمہ مولوی محمود حسن خاں دیوبندی)

بہر حال آیئے اب یہ احادیث ملاحظہ کریں

(۱) کتے کا جوٹھا برتن

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((اذا ولغ الكلب في اناء احدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرار))

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالدے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بہا کر سات مرتبہ (برتن کو) دھولے۔

(مسلم ص137ج1)

اس حدیث کو نقل کر کے مولوی انوار خورشید دیوبندی نے پانی قلیل کی نجاست پر استدلال کیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث 139)

مگر اسی حدیث میں کتے کے جھوٹے برتن کو سات بار دھونے کا حکم نبوی موجود ہے۔ مگر حنفی نبی ﷺ کے اس فرمان کی حکم عدولی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تین بار ہی دھونا لازمی و ضروری اور کافی ہے۔ ھدایہ میں ہے:

((وسور الكلب نجس و يغسل الاناء من ولوغه ثلاث))

یعنی کتے کا جھوٹا پلید ہے اور اس کے منہ ڈالنے سے برتن کو تین بار دھویا جائے۔ (ھدایہ مع فتح القدیر ص94ج1)

(۲) حرام اشیاء سے علاج

حضرت طارق بن سوید الجھنی رضی اللہ عنہ نے

سال النبي ﷺ عن الخمر فنهاه و كره ان يضعها للدواء فقال انه ليس بداوء ولكنه داء))

نبی ﷺ سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ علیہ السلام نے انہیں روک دیا اور دوا کے لیے شراب بنانے کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ یہ دوا نہیں ہے یہ تو بیماری ہے۔ (مسلم ص163ج۲)

اس حدیث سے مؤلف "حدیث اور اہل حدیث" نے صفحہ 154 پر شراب کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے مگر اسی حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیز کو شفا کی غرض سے استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں شفا نہیں بلکہ یہ خود بیماری ہیں لیکن فقہ حنفی میں صاف لکھا ہے کہ:

((لو ان مریضا اشار الیه الطبیب بشرب الخمر روی عن جماعة من ائمة بلخ انه ینظر ان کان یعلم یقینا انه یصح حل له التناول))

اگر مریض کو معالج شراب پینے کا مشورہ دے تو اس بارے میں آئمہ بلخ سے روایت ہے کہ اگر یہ علاج یقینی ہو تو شراب پی لینا حلال ہے۔(فتاوی عالم گیری ص255ج5)

اس کے بعد صراحت ہے کہ اگر مسلمان طبیب خون پیشاب اور مردار کھانے پینے کا مشورہ دے اور ان کا کوئی متبادل بھی نہ ہو تو ان کو استعمال کرنا جائز ہے۔ایضاً

اس سے بھی بڑھ کر پڑھئے کہ:

((فقد ثبت ذلك فی المشاهیر من غیر انکار والذی رعف فلا یرقأ دمه فاراد ان یکتب بدمه علی جبهة شیئا من القرآن قال ابو بکر الا سکاف یجوز))

یعنی یہ مسئلہ مشاہیر سے بغیر کسی انکار کے ثابت ہے کہ اگر کسی کی نکسیر بند نہ ہوتی ہو تو اس نے اپنے ماتھے پر خون کے ساتھ قرآن میں سے کچھ لکھنا چاہا تو ابو بکر اسکاف نے کہا یہ جائز ہے۔(فتاوی عالم گیری ص356ج5)

فتاوی قاضی خاں میں اس سے آگے مزید بھی لکھا ہے کہ:

((قیل لو کتب بالبول قال لو کان فیه شفاء لا باس به))

کہا گیا ہے کہ اگر پیشاب کے ساتھ لکھے تو اس نے کہا ہے کہ اگر اس میں شفاء ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(قاضی خاں علی حامش عالم گیری ص404ج3)

ابن نجیم نے تو اپنی فقاہت کو عروج پر پہنچاتے ہوئے ماشاء اللہ اس کی دلیل بھی درج کی

ہے کہ:

((وكذا اختار صاحب الهدايه فى التجنيس فقال اذا صال الدم من انف انسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وانفه يجوز ذلك لاستشفاء والمعالجة ولو كتب بالبول ان علم ان فيه شفاء لا باس بذلك لكن لم ينقل و هذا لان الحرمة ساقطة عند الا ستشفاء الا ترى ان العطشان يجوز له شرب الخمر و الجائع يحل له اكل الميته))

صاحب ھدایہ نے تجنیس میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ ناپاک چیز سے علاج کرنا جائز ہے۔ انہوں نے کہا اگر کسی انسان کے ناک سے نکسیر پھوٹ گئی اور اس نے خون کے ساتھ اپنی پیشانی اور ناک پر سورہ فاتحہ کو لکھ دیا' تو طلب شفاء کے لیے جائز ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ پیشاب کے ساتھ لکھنے سے شفاء ہو گی تو پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی جائز ہے' لیکن یہ منقول نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب شفاء کی وجہ سے حرمت ساقط ہو جاتی ہے جیسے بھوکے پیاسے کے لیے مردار اور شراب پینا حرام نہیں ہے۔

(البحر الرائق ص116ج1وفتاوی شامی ص210ج1)

یہ فتویٰ فتاویٰ سراجیہ ص75وغیرہ میں بھی منقول ہے۔الغرض حنفی حضرات مذکورہ احادیث سے شراب کی نجاست تو ثابت کرتے ہیں مگر حرام چیز سے علاج کے قائل ہیں حالانکہ حدیث کا بنیادی نقطہ ہی یہ ہے کہ حرام چیز میں شفاء نہیں بلکہ وہ خود بیماری ہے' مگر فقاہت کے ان ٹھیکے داروں نے جہاں اس حدیث کو پس پشت ڈالا ہے وہیں پہ عظمت قرآن کو بھی لگے ہاتھوں سے ساقط کر دیا ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

پھر اس پر جو دلیل عنایت کی ہے وہ بھی عجیب تر ہے' کجا حلت و حرمت کا مسئلہ کہ مضطر پر مردار کا مباح ہونا نص قطعی سے ثابت ہے' مگر قرآن کی عظمت کے ساقط ہونے پر کوئی دلیل ہی نہیں؟

(۳) کھٹے ڈکار کا مسئلہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک ضعیف (تفصیل دین الحق ص110 ج 1 میں دیکھئے) روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((من اصابه قی او رعاف او قلس او مزی فلینضرف فلیتوضاء))(الحدیث)

جسے دوران نماز قے آجائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا کھٹا ڈکار آجائے تو وہ نماز سے علیحدہ ہو کر دوبارہ وضو کرے۔

(ابن ماجہ 87)

اس روایت سے مبتد عین دیابنہ نے خون کے نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے پر استدلال کیا ہے کہ نکسیر خون ہی ہے اور بہتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث 189)

مگر اسی حدیث میں لفظ قلس ہے جس کا خیر سے مبتد عین دیابنہ کے انوار خورشید نے معنی 'منہ بھر کے قے ہو جائے' کیا ہے۔ (حدیث اور ہل حدیث ص 187)

حالانکہ حدیث میں قے کے لیے لفظ قئی علیحدہ آیا ہے۔ جس کا معنی انہوں نے الٹی ہو جائے کیا ہے' اور آگے قلس کا معنی مذکورہ کر دیا ہے۔ اس بے ایمانی کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک قے منہ بھر کر آئے تو اس سے وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے انہوں نے حدیث کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا ہے۔ آیئے ہم آپ کو اس کا معنی آئمہ لغت سے دکھاتے جائیں۔

علامہ فیومی فرماتے ہیں کہ:

((قلس خرج من بطنه طعام او شراب الی الفم و سواء القاء او اعاد الی بطنه اذا كان مل الفم او دونه فا ذا غلب فهو قی))

یعنی قلس کہتے ہیں پیٹ سے منہ کی طرف کھانا یا پانی آنے کو خواہ قے ہو یا نہ ہو اور دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے خواہ منہ بھر کر آئے یا نہ آئے اور جب اس چیز کا غلبہ ہو یعنی کھانا منہ سے باہر

آجائے تو اسے قے کہتے ہیں۔

(المصباح المنیر ص513)

الغرض پیٹ سے پانی یا کھانا نکل کر حلق میں آکر دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے تو اسے عربی زبان میں قلس کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ

((القلس ان یبلغ الطعام الی الحلق ملأ الحلق اودونه ثم یرجع الی الجوف))

یعنی قلس کا معنی ہے کہ پیٹ سے کھانا نکل کر حلق میں آجائے خواہ حلق اس سے بھر جائے یا نہ بھرے' پھر دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے۔ (لسان العرب ص179ج6)

قلس کا یہی معنی (مجمع بحار الانوار ص318ج4 و تاج العروس ص221ج4" وغیرہ معتبر کتب لغت میں لکھا ہے۔ جن کے مصنفین میں سے حنفی المذہب کے حامل بھی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفی اس حدیث سے خون نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے کے تو قائل ہیں مگر قلس کھٹا ڈکار آنے پر وضو کے ٹوٹنے کے قائل نہیں۔ حالانکہ دونوں ایک ہی حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

(۴) قے سے روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ

مؤلف حدیث اور اہل حدیث ص191 پر سنن ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ:

((عن ابی الدرداء ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قاء فتوضاء))

یعنی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور وضو کیا' اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ کا استدلال یہ ہے کہ قے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ مگر اس روایت میں " قاء فتوضاء" کے الفاظ صرف ترمذی نے نقل کیے ہیں' باقی آئمہ حدیث نے "قاء فافطر "کے الفاظ نقل کیے ہیں ۔ مسند احمد ص195ج1 و ابو داؤد ص324ج1 و دارمی ص14ج2 و دار قطنی ص158ج1 و طحاوی ص404ج1 و ابن

حبان و مستدرک حاکم ص426ج1و بیہقی ص220ج1)وغیرہ بلکہ خود امام ترمذی نے کتاب الصیام میں "قاء فافطر" کے الفاظ بیان کیے ہیں۔(ترمذی مع تحفہ ص44ج2)

ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قے کی اور روزہ افطار کیا مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ حنفی حضرات اس روایت کے الفاظ "قاء فتوضاء" سے وضو کے حدث کو تو مانتے ہیں مگر اسی حدیث کے الفاظ "قاء فافطر" کے الفاظ سے قے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ:

(ولیس فی هذین الحدیثین دلیل علی ان القی کان مفطرا له انما فیه انه قاء فافطر بعد ذلك)

یعنی اس میں قے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں تو اس امر کا بیان ہے کہ قے کی اور اس کے بعد روزہ افطار کیا۔(شرح معانی الاثار ص405ج1)

مگر اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ قے کی اور اس کے بعد وضو کیا اس بے انصافی کی کوئی حد ہے کہ اپنے اور بیگانے کے لیے ان کے ہاں پیمانے ہی جدا جدا ہیں۔

(۵) استنجا میں ڈھیلے کا مسنون عدد

مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے ص209 میں سنن دار قطنی ص54ج1 سے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرمان نبوی نقل کیا ہے کہ

((امرنا صلی الله علیه و سلم ان لا نستقبل و لا نستدبرها)) (الحدیث)

نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قبلہ کی طرف نہ رخ کریں نہ پشت۔

اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ کا یہ استدلال ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ اور پشت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن مؤلف "حدیث اور اہل حدیث" نے اپنے مخالف حصہ کو نقل ہی نہیں کیا' پھر مزید بددیانتی یہ کی کہ حدیث ترمذی' نسائی' ابن ماجہ کے

علاوہ صحیح مسلم میں بھی موجود تھی ان کو چھوڑ کر سنن دار قطنی کا حوالہ دے دیا تا کہ اگر کوئی اردو دان اس کی مراجعت کرنا چاہے تو حقیقت حال کو معلوم نہ کر سکے۔اب آیئے اس مخالف حصہ کو ملاحظہ کریں:

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ اور پشت کرنے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

((او ان نستنجی باقل من ثلثة احجار او ان تستنجی برجیع او بعظم))

یا تین پتھروں سے کم استنجا کرنے سے یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ص130ج1و ترمذی مع تحفہ ص27ج1و نسائی ص9ج1و ابن ماجہ(316))

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ استنجا میں تین پتھروں سے کم لینا جائز نہیں اور یہ کہ کم از کم تین مسنون ہیں' بلکہ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ((ولا نکتفی بدون ثلاثة احجار)) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجا میں کفایت ہی نہیں کرتے۔(مسند احمد ص437ج5)

یہی نہیں بلکہ جس روایت کو مؤلف "حدیث اور اہل حدیث" نے نقل کیا ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ ((ولا نستکفی بدون ثلاثة احجار)) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجا میں کفایت نہیں کرتے۔

(سنن دار قطنی ص54ج1)

مگر مبتدعین حنفیہ اس حصہ سے بغاوت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مسنون نہیں۔ھدایہ میں ہے ((ولیس فیہ عدد مسنون)) یعنی استنجا میں ڈھیلے کا عدد مسنون نہیں۔(ھدایہ مع فتح القدیر ص187ج1)

دیکھا آپ نے ایک ہی حدیث کو مخالف پر حجت قائم کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں مگر اسی حدیث کے باقی حصہ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں بلکہ قوم موسیٰ کے نقش قدم پر چلتے

ہوئے مخالف الفاظ کو ہضم کر جاتے ہیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون

(٦)جوتے سمیت نماز پڑھنے کا مسئلہ

مؤلف "حدیث اور اہل حدیث" نے ص233 پر' سنن ابوداود ص95ج1 سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام کو نماز پڑھارہے تھے کہ اچانک آپنے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں' صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں۔ حضور علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا؟ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے آکر خبر دی تھی کہ جوتیوں میں ناپاکی (لگی ہوئی) ہے۔اس سے مبتدعین دیابنہ کا استدلال ہے کہ کپڑے وغیرہ کا نماز میں پاک ہونا شرط ہے۔(حدیث اور اہل حدیث234)

مگر قارئین کرام حیران ہونگے کہ مبتدعین کے سورمے نے اپنے مخالف ٹکڑے کو نقل ہی نہیں کیا۔حدیث کے اگلے الفاظ ہیں:

(اذا جاء احدکم الی المسجد فلینظر فان رای فی نعلیه قذرا او اذی فلیمسه ولیصل فیهما)

جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو دیکھے اگر ان میں کوئی پلیدی ہو تو زمین پر رگڑ لے پھر ان میں نماز پڑھ لے۔(ابوداود ص95ج1 وبیہقی ص431ج2 و دارمی ص370ج1 ومسند احمد ص20,92,411ج3 طیالسی رقم الحدیث (2154) ومستدرک حاکم ص260ج1)

حدیث نبوی کے یہ الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جوتے میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے مگر مبتدعین دیابنہ کا مؤقف ہے کہ جوتے سمیت نماز پڑھنا ادب کے منافی ہے۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے' چنانچہ ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔(درس ترمذی ص165ج2)

اس تحریر کا مطلب صاف ہے کہ جوتے سمیت نماز پڑھنا ادب کے منافی ہے مگر یہ غور نہیں فرمایا کہ اس کا ارشاد تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کیا آپ حضرات ان کو ادب کا درس دے رہے ہیں۔ ثم اقول' غور کیجئے کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی غلطی کی وجہ سے نمازی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے کپڑے وغیرہ نجس تھے تو اسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان جوتوں میں پڑھی ہوئی نماز لوٹائی نہیں' مگر ہمارے مہربان اس اعتراض سے جان چھڑاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نجاست تھوڑی ہو گی جو معاف ہے۔(حدیث اور اہل حدیث(234)

مگر یہاں (ہو سکتی) سے بات نہیں بنے گی صریحاً دلیل پیش کیجئے۔ علاوہ ازیں جب آپ نے تسلیم کر لیا کہ نجاست تھوڑی تھی جو صحت نماز کے منافی نہ تھی تو خصم پر حجت کس طرح قائم کر رہے ہو' کیوں کہ آپ نے جوتے اتارنے کو دلیل بنایا ہے مگر اس جگہ اعتراف کر لیا ہے کہ اگر نہ بھی اُتارتے تو تب بھی صحت نماز کے منافی نہ تھے۔ یہ ہیں بلا شرکت غیر فقہ کی ٹھیکے داری کا دعوی کرنے والے کہ مخالف پر وہ دلیل قائم کر رہے ہیں جس پر ان کا اپنا ایمان نہیں اور یہ ہیں علوم نبویؐ کے وارث ہونے کا دعوٰی کرنے والے جو متن حدیث میں مطلب برآری کے لیے تحریف کرتے ہیں۔

(۷) مساجد میں قضاء کا مسئلہ

مؤلف (حدیث اور اہل حدیث نے صفحہ 237) پر (صحیح مسلم ص138ج1) سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صحت صلاۃ کے لیے جگہ کا پاک ہونا شرط ہے مگر اسی حدیث میں الفاظ نبوی ہیں:

((انما ھی لذکر اللہ والصلوۃ وقرأۃ القرآن))

یعنی مساجد صرف اور صرف اللہ کا ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ مساجد میں کوئی اور کام کرنا جائز نہیں۔ مگر حنفی اس فرمان نبویؐ پر ایمان لانے کو تیار نہیں بلکہ منکر ہیں کیونکہ احناف کے نزدیک مساجد میں فیصلے کرنے جائز ہیں۔ فصل دوم کے نمبر 7 کے تحت ہم عرض کر چکے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں والحکم کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

پھر غور کیجئے کس اہل حدیث نے یہ فتوی دیا ہے کہ مساجد میں پیشاب کرنا جائز ہے کہ مؤلف 'حدیث اور اہل حدیث اعرابی والی حدیث کو ہمارے خلاف نقل کر کے ہمیں مطعون کر رہا ہے۔

مولوی انوار خورشید تو فوت ہو چکا ہے اس کا معاملہ بھی اللہ کے سپرد ہو گیا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس سے اس غلط بیانی کے متعلق سوال ہوا تو لاجواب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

(۸) اعتراف بھی انکار بھی

مبتدعین دیابنہ کے محقق نے (حدیث اور اہل حدیث ۲۴۰) میں (صحیح بخاری ۲۲۸) سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اور "صلی الفجر قبل میقاتها "اور نماز فجر کو وقت سے پہلے پڑھا۔

اس حدیث کے الفاظ "قبل وقتها" کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حج کے موقعہ پر مزدلفہ میں غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث 246)

دیکھیے مبتدعین دیابنہ کا سورما اس حدیث کو مخالف پر حجت قائم کرتے ہوئے نقل کرتا ہے مگر "قبل وقتها" کا معنی غلس اور غلس بمعنی اندھیرا کہتا ہے۔ اب ان علم و فضل کے

دعوے کرنے والوں سے پوچھئے کہ لغت کی کس کتاب میں" قبل وقتھا" کا معنی غلس اور غلس کا معنی اندھیرا لکھا ہے۔

یقین جانئے کہ اگر پوری دنیا کے مبتدعین دیابنہ اکٹھے ہو جائیں تب بھی یہ معنی ثابت نہیں کر سکتے۔ سنئے "قبل وقتھا" کا معنی ہے کہ وقت سے پہلے جب کہ غلس کا معنی ہوتا ہے طلوع فجر کے وقت ایسا اندھیرا جس میں صبح کی روشنی مل جل گئی ہو' اس پر آئمہ لغت اور شارحین احادیث کی عبارات کے لیے (دین الحق ۷ ۱۴/۱) کی مراجعت کریں۔ اختصار کی بنا پر یہاں ایک مزید حوالہ نقل کیا جاتا ہے' علامہ فتنی حنفی مرحوم فرماتے ہیں:

((غلس ھو الظلمة آخر الليل اختلطت بضوء الصباح))

یعنی غلس کا معنی ہے رات کے آخری حصہ کا اندھیرا جس میں صبح کی روشنی مل گئی ہو۔

(مجمع بحار الانوار ۵٦/۲)

اور یہ وقت باتفاق فریقین نماز صبح کا وقت ہے' لہٰذا یہ "قبل وقتھا" نہیں ہے۔ اس پر مزید تفصیل دین الحق میں دیکھیے۔ الغرض حنفی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مخالف پر دلیل قائم کرتے ہیں مگر خود یہ حضرات اس پر ایمان لانے کی بجائے تاویل کرتے ہیں۔

(۹) مکروہ اوقات میں مردہ کو دفن کرنا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین اوقات میں نماز پڑھنے اور مردے کو دفن کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم ص276ج1)

اس حدیث کو مؤلف (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۰) میں نقل کر کے طلوع آفتاب زوال آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت کرتا ہے مگر اسی حدیث میں یہ الفاظِ نبوی بھی موجود ہیں کہ ((ان نقبر فيهن موتانا)) یعنی ان تین اوقات میں مردوں کو دفنانے سے ہمیں منع فرمایا۔ مگر کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مبتدعین دیابنہ فرمان نبوی کے اس حصہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ جہاں تک دفن کا تعلق ہے وہ ہمارے نزدیک اوقات مکروہ میں بھی درست ہے۔اور حدیث باب میں "او نقبر فیھن موتانا "سے نماز جنازہ مراد ہے۔

(کمافی المبسوط للسرخسی ص68ج2باب غسل المیت درس ترمذی ص306ج3)

حالانکہ " نقبر "قبر سے مشتق ہے۔علامہ فتنی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

((او نقبر فیھن ای ندفن من قبرہ)) (مجمع بحارالانوار ص197ج4)

یعنی اس کا معنی دفن کرنا ہے' علامہ نووی نے (شرح صحیح مسلم ص276ج1)میں اس کے معنی نماز جنازہ کو ضعیف کہا ہے مزید تفصیل کے لیے (تحفۃ الاحوذی ص144ج2)کی مراجعت کریں۔خیر ہمیں اس پر گواہوں کی ضرورت نہیں کیونکہ خود مولوی انوار خورشید نے اس کا معنی "دفنانے "کیا ہے۔(حدیث اور اہل حدیث250)

اسی طرح مولوی عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی حنفی دیوبندی نے 'اور مردوں کو دفن کرنے سے روکتے تھے' کیا ہے۔(مترجم صحیح مسلم ص689ج1طبع مطبع سعیدی کراچی)

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث سے اوقات مکروھہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت پر دیابنہ کا استدلال ہے مگر اسی حدیث کے دوسرے حصے مردوں کو دفن نہ کرنے کا انکار کرتے ہیں۔

یہ ہیں اہل سنت جو سنت کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درحقیقت انہیں سنت سے بغض ہے۔

(۱۰) دوھری تکبیر

مبتدعین دیابنہ کے شیر بہادر نے (حدیث اور اہل حدیث262)میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سنن اربعہ اور دارمی سے نقل کرکے دوھری تکبیر ثابت کی

ہے۔ مگراسی حدیث میں دوھری اذان بھی ثابت ہے' مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ حدیث کے نصف حصے کو تو مطلب بر آری کے لیے تسلیم کر لیا مگر باقی نصف کو تقلیدی آری سے ذبح کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مسئلہ پر مفصل بحث کے لیے دین الحق کی مراجعت کریں۔

(۱۱)مسئلہ رفع الیدین

مبتدعین کے محقق زماں نے (حدیث اور اہل حدیث ص273) میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (صحیح مسلم ص173 ج1) سے اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (مسلم ص168 ج1) سے نقل کر کے محل رفع الیدین میں پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا جائے' مگر ان دونوں احادیث میں رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کا بیان ہے۔ جسے مولوی انوار خورشید تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے ہضم کر گیا ہے۔ الغرض ان دونوں احادیث سے جملہ مبتدعین حنفیہ محل رفع میں استدلال کرتے ہیں مگر اس کے اگلے حصے کا محض تقلید سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۲) ثناء کا بلند پڑھنا

آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی (اخفاء) سے ((اللھم باعد بینی و بین خطایای)) پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری ص103 ج1 و مسلم ص219 ج1)

اس اسوۂ حبیب کبریا ﷺ کے برعکس حنفیہ کا مؤقف ہے کہ (سبحانك اللھم وبحمدك) پڑھنا افضل واعلیٰ اور بہتر ہے۔ اس سلسلہ میں جتنی مرفوع روایات بیان کی جاتی ہیں وہ ضعیف و معلول ہیں۔ ہاں البتہ ان الفاظ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہے۔ ہمارے مخاطب مولوی انوار خورشید نے بھی اس روایت سے "اللھم باعد بینی"

کی بجائے "سبحانك اللهم وبحمدك" کا پڑھنا ثابت کیا ہے۔(حدیث اور اہل حدیث 288)

مگر کتنے ہی افسوس کی بات ہے کہ اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ((كان يجهر بهولاء الكلمات))یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔(مسلم ص172ج1)

لیکن کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مبتدعین دیابنہ اس روایت کے پہلے حصہ کو تو قبول کرتے ہیں مگر "كان يجهر" پر تقلیدی آری چلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں، مگر علم وفضل کے ان مدعیان سے پوچھ کر کون ان کی شان میں گستاخی کرے کہ حضرت جی اگر بلند پڑھنا مرفوع حدیث کے مخالف ہے تو کیا "سبحانك" پڑھنا مرفوع کے موافق ہے ؟اگر یہ دونوں ہی مخالف ہیں تو ایک کو مطلب بر آری کے لیے قبول کر لینا اور دوسرے کو تقلید کی وجہ سے ترک کرنا اور بہانہ مرفوع کے مخالف ہونے کا کرنا عیاری نہیں تو اور کیا ہے۔ الغرض اس روایت کے نصف حصے کو دیابنہ نے(جو ان کے مذہب کے موافق ہے کو)قبول کیا ہے اور باقی نصف حصہ جو انکے مذہب کے خلاف ہے اس کو قبول ہی نہیں کرتے جبکہ اس سے مخالف پر حجت بھی قائم کرتے ہیں۔

(۱۳) نماز میں پیدل چلنا

نماز میں سورہ فاتحہ کا مسئلہ ایک معرکتہ الارا مسئلہ ہے جس میں ہزاروں مناظرے ہوئے اور بیسیوں کتب فریقین کی طرف سے شائع کی گئی ہیں۔ مبتدعین دیابنہ ترک قراۃ خلف الامام کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ:
جب وہ مسجد میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ رکوع میں جا چکے تھے چنانچہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے پھر حالت رکوع میں ہی چلتے ہوئے صف میں مل گئے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((زادك الله حرصا ولا تعد))یعنی اللہ

تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔(بخاری ص108ج1)

اس روایت سے دیابنہ کا استدلال ہے کہ اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو اس کی رکعت ہو جائے گی(حدیث اور اہل حدیث(346)

حالانکہ اس حدیث میں سرے سے اس کا بیان ہی نہیں کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو بھی شمار کیا تھا' علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے فعل کو پسند بھی نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا' خیر ہم نے جو بات بیان کرنی ہے وہ فاتحہ خلف الامام کی بجائے نماز میں چلنا ہے کیونکہ اسی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو رکوع کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے۔

(طبرانی وطحاوی بحوالہ فتح الباری ص213ج2)

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔اگر تین چار قدم یا اس سے زیادہ چلے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

(فتاوی عالم گیری ص103ج1)

احناف کا یہ فتوی اس حدیث کے صریحاً مخالف و معارض ہے مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ حنفیہ اسی حدیث سے رکوع میں ملنے سے رکعت کا ثبوت پیش کرتے ہیں مگر اس روایت کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۴) نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرأت

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا :

((وان لم تزد علی ام القران اجزات وان زدت فھو خیر))(صحیح بخاری ص106ج1)

یعنی نمازی اگر سورت فاتحہ سے زیادہ قرأت نہ کرے تو وہ کافی ہو گی اگر زیادہ کر لے تو بہتر ہو گی۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص200ج2)میں اور علامہ عینی حنفی نے (عمدۃ القاری ص33ج6)میں تصریح کی ہے کہ یہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہی نہیں بلکہ حکماً مرفوع ہے۔اس حدیث کی بناپر بعض علماء اہل حدیث کا یہ مؤقف ہے کہ اگر آخری دو رکعت میں بھی سورہ فاتحہ سے زیادہ پڑھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ اس مؤقف پر نقد کرتے ہوئے مبتدعین دیابنہ کا محقق شہیر (صحیح بخاری ص107ج1)سے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو نقل کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری دو سورتیں پڑھتے تھے۔اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔
(حدیث اور اہل حدیث 361)

آگے چل کر اس روایت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ چار رکعت والی نماز میں آخری دو رکعتوں کے اندر سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت پڑھنا بھی جائز ہے۔(صفحہ 366)

مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ اس حدیث سے مبتدعین کا سلفی علماء کو مطعون کرنا ان حضرات کے مؤقف اور مذھب کے خلاف ہے کیونکہ اگر اسی روایت سے زیادت علی الفاتحہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تو اسی روایت سے ہی آخری دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ مگر مبتدعین دیابنہ اس بات کو تو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک آخری دو رکعت میں صرف قیام فرض ہے۔خود مولوی انوار خورشید لکھتا ہے:

"اگر کوئی فرض نماز کی دوسری دو یا ایک رکعت میں خاموش کھڑا رہا تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

(ملخصاً حدیث اور اہل حدیث ص366)

مگر اس مؤقف کی مذکورہ حدیث سے نفی ہوتی ہے لیکن کتنے ہی ظلم و ستم کی بات ہے کہ جس حصے سے مخالف پر حجت قائم کرتے ہیں اسی حصے کو اپنے حق میں غیر مؤثر کہتے ہیں گویا خود تو اس پر عمل نہیں کرتے مگر مخالف پر دلیل قائم کرتے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

(۱۵)امام کی تسمیع و تحمید کہنے کی مثال

مبتدعین دیابنہ (سنن ابی داود ص107 ج1) سے حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو صحیح حدیث کے مخالف ہونے کے علاوہ سنداً بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عیسیٰ بن عبد اللہ العمری راوی ہے جسے امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے۔ (تہذیب ص217 ج8)

کسی محدث سے ان کی توثیق منقول نہیں۔ حافظ ابن حجر نے (تقریب ۲۷۱) میں اسے مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے جیسا کہ حافظ صاحب نے مقدمہ تقریب میں صراحت کی ہے'

مگر یہاں اس کا کوئی متابع موجود نہیں' علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ضعیف سنن ابی داود۔ ص70)

لیکن مبتدعین نے اس کو دلیل اور حجت بناتے ہوئے جلسہ استراحت کے عدم پر پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے ۔(حدیث اور اہل حدیث ص 436,447)

مگر آپ حیران ہونگے کہ اسی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ:

((ثم رفع راسه يعنى من الركوع فقال سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد و رفع يديه))

یعنی رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے "سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد" کہا اور رفع الیدین کیا۔

(سنن ابی داود ص107 ج1)

ان الفاظ کو مؤلف (حدیث اور اہل حدیث) نے اپنے مخالف جان کر بددیانتی

کرتے ہوئے حذف کر دیا ہے کیونکہ اس میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کا ذکر تھا اور امام کا "اللھم ربنا لك...... " کہنے کا بیان تھا۔اور حنفیہ کا مؤقف یہ ہے کہ امام صرف تسمیع کہے۔(درس ترمذی ص49ج2)

قارئین کرام آپ دیابنہ کی ہیرا پھیریاں ملاحظہ کریں کہ اول تو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث جس میں جلسہ استراحت کا ذکر تھا (ابو داود ص106ج1) کو چھوڑ کر ضعیف روایت کا انتخاب کیا' دوسری چالاکی یہ کی کہ اپنے مخالف حصے کو حذف کر دیا۔خلاصہ کلام یہ کہ مبتدعین دیابنہ اس حدیث کے ایک حصہ کو مطلب بر آری کے لیے تسلیم کرتے ہیں جب کہ اسی حدیث کے دوسرے حصہ کو ترک کرتے ہیں ۔اور دعویٰ اہل سنت ہونے کا کرتے ہیں۔

(۱۶) تعدیل ارکان کی مثال

صحیح بخاری ص109ج1 میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا کہ:

((ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا))الحدیث

یعنی پھر سجدہ کر' یہاں تک کہ تو سجدہ میں قرار پکڑ' پھر سجدہ سے سر اٹھا اور بیٹھ جا یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان پکڑ' پھر سجدہ کر یہاں تک کہ تو سجدہ میں مطمئن ہو جائے۔

(الحدیث باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بلاعادۃ رقم الحدیث793)

مسند احمد ص340ج4 وابن حبان رقم الحدیث1784 وغیرہ میں یہ حدیث رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے محمد بن عمرو کی سند سے مروی ہے جس میں مذکورہ مقام پر بیٹھنے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے کہ "فا ذا رفعت راسك فاجلس علی فخذك الیسری" یعنی جب دونوں

سجدوں کے درمیان بیٹھے تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ۔ الغرض یہاں دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت کا بیان ہے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری ص 221ج 2 کی مراجعت کریں۔

مگر مبتدعین کا باوا آدم ہی نرالہ ہے کہ ان الفاظ کو تشہد پر محمول کرتے ہوئے مؤلف (حدیث اور اہل حدیث) لکھتا ہے کہ جب تشہد میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔ (حدیث اور اہل حدیث 456)

آگے چل کر اپنی اس کاروائی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ عدم تورک کی دلیل ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ کسی محدث نے اس جگہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کی صراحت نہیں کی' تمام یہی کہتے ہیں کہ یہ کیفیت دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی ہے۔

خیر ہم نے اس سے بھی پر لطف بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اسی حدیث میں تعدیل ارکان کا حکم بھی زبان نبویؐ سے صادر ہوا ہے اور نہ کرنے والے کو آنحضرت ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا کہ:

((ارجع فصل فانك لم تصل)) (بخاری ص109ج1' ومسلم ص170ج 1 عن ابی ھریرۃ' ومسند احمد ص340ج4' وابن حبان ص139ج4(1484) عن رفاعۃ بن رافع)

لوٹ جا اور دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

مگر مبتدعین دیابنہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جان بوجھ کر بھی تعدیل ارکان نہ کرے تو فریضہ نماز بہر حال اس سے ساقط ہو جائے گا۔ (درس ترمذی ص48ج2) اور اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ (اشعۃ اللمعات ص380ج1)

امام اکمل الدین البابرتی متوفی ھدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

((الا ختلاف تظهر فی حق جواز الصلاة بدونه))

یعنی اس اختلاف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر بھی نماز جائز ہے۔

(عنایۃ شرح ھدایہ علی حامش فتح القدیر ص261ج1)

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث کو دلیل و حجت بنانے والے خود اس کے باقی ایک حصے کے عملاً منکر ہیں۔

(۱۷) عداوت اہل حدیث میں حدیث رسولؐ کا انکار

مبتدعین دیابنہ کی اہل حدیث کے رد میں لکھی ہوئی معروف کتاب (حدیث اور اہل حدیث) کے صفحہ 538 میں صحیح بخاری ص160ج1 اور مسلم ص204ج1 (واللفظ للمسلم) کے حوالے سے یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ

((عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبه و هو الی جنبه فی الصلوۃ حتی نزلت و قوموالله قنتین فامرنا بالسکوت و نهینا عن الکلام))

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے ایک شخص دوسرے شخص سے جو اس کے پہلو میں ہوتا نماز میں باتیں کرلیا کرتا تھا حتی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کھڑے رہو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی کے ساتھ' تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات سے منع کردیا گیا۔ اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ کا نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت پر استدلال ہے' جو بلاشبہ درست اور صحیح ہے کہ نماز میں گفتگو اور کلام نہ کرنا چاہیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مگر قارئین کرام آپ حیران ہونگے کہ اس بات کو مبتدعین دیابنہ صرف اور صرف رد اہل حدیث میں ہی قبول کرتے ہیں ورنہ یہ لوگ اس حدیث کو اپنی زندگی سے باہر نکال چکے ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل واضح اور حجت قاطع ہے کہ نماز کی اصلی حالت سکوت ہے۔ اور نماز میں جہر صرف اور صرف وہاں ہی کیا جائے گا جہاں نص سے جہر ثابت ہوگا مگر آج کی پوری دیوبندی جماعت اس حدیث کو نظر انداز کرکے بغض اہل حدیث اور عداوت سنت میں یہ عام اعتراض کرتے ہیں کہ: قرآن و سنت سے ثناء تعوذ کا آہستہ پڑھنا' مقتدی کا تکبیرات آہستہ کہنا' سلام رکوع و سجود کی تسبیحات وغیرہ آہستہ پڑھنا ثابت نہیں ہیں۔ (دیکھئے' تحفہ اہل حدیث 91)

دیکھا آپ نے کہ مبتدعین دیابنہ نھینا عن الکلام کو تو مانتے ہیں مگر بغض سنت اور عداوت اہل حدیث میں "فامرنا بالسکوت" کی نفی کر کے جماعتی سطح پر صحیح حدیث کا انکار کر کے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔

(۱۸) نماز وتر کی تعداد رکعات

مبتدعین دیابنہ کا مؤقف ہے کہ وتر واجب ہیں' اس کی دلیل دیتے ہوئے مولوی انوار خورشید لکھتا ہے کہ

((عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم الوتر حق واجب علی کل مسلم مسند احمد صحیح ابن حبان بحواله الدرایه منحة المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ص 119 ج 1 و دار قطنی ص22ج2)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں 'واجب ہیں' ہر مسلمان پر۔ (حدیث اور اہل حدیث 548)

اس روایت سے مبتدعین دیابنہ کا نماز وتر کے واجب ہونے کا استدلال ہے۔

تبصرہ: اولاً یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مسند احمد ابن حبان اور مسند طیالسی میں قطعاً نہیں بلا شبہ درایہ میں واجب کے لفظ کو حافظ ابن حجر نے مذکورہ کتب کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ تصحیف ہے کیونکہ (التلخیص الحبیر ص13ج2) میں صرف دار قطنی کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

ثانیاً: واجب کا لفظ کہنے میں راوی ابن حسان سے غلطی ہوئی ہے جیسا کہ اسی روایت کے آگے امام دار قطنی نے صراحت کی ہے۔ (سنن دار قطنی ص22ج2)

ثالثاً: پوری حدیث اس طرح ہے کہ

((الوتر حق علی کل مسلم من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر

بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحد فلیفعل))

یعنی ہر مسلمان پر وتر لازم وثابت ہیں' جو شخص پانچ پڑھنے پسند کرے وہ ایسا ہی کرے۔ اور جو شخص تین پڑھنا پسند کرے وہ ایسا ہی کرے اور جو شخص وتر ایک ہی پڑھنا پسند کرے وہ ایسا ہی کرے۔

(ابو داود ص201ج1و نسائی ص202ج1و ابن ماجہ 84و طحاوی 200' و دار قطنی ص23ج2 'و مستدرک حاکم ص303ج1 'و مسند احمد ص418ج5' و مسند فردوس ص142ج5)

قارئین کرام! آپ مبتدعین دیابنہ کے مقتدا اعظم کی ہیرا پھیری کو بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ متن روایت کو پورا نقل کیوں نہیں کیا' اس لئے کہ اس حدیث سے پانچ اور ایک عدد وتر ثابت ہوتا ہے اور یہ بات دیابنہ کے بدعی مسلک کے خلاف تھی اس کے لیے انوار خورشید نے یہ مخلص تلاش کیا کہ متن حدیث کو ہی آدھا نقل کیا پھر غیر مترجم کتب کا حوالہ نقل کر دیا کہ اگر کوئی اردو خواں اس کی تحقیق کرنا چاہے تو حقیقت حال کو بھانپ نہ سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اس روایت کے ایک حصے کو مبتدعین دیابنہ قبول کرتے ہوئے اس سے وتر کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں مگر اسی روایت کے دوسرے حصے کو تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے چھپا جاتے ہیں بلکہ ماننے کو تیار نہیں اس کے باوجود دعویٰ اہل سنت اور علوم نبوی کے وارث ہونے کا ہے۔

(۱۹) نماز وتر میں مسنون قرأۃ

نماز وتر میں مسنون قرأۃ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلی" اور دوسری رکعت میں "قل یا یھا الکفرون" اور تیسری رکعت میں " قل ھو اللہ احد" تلاوت کرے۔ اس پر متعدد احادیث موجود ہیں جن کو مبتدعین دیابنہ کے

محقق العصر مولوی انوار خورشید نے درج کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث 556)

ان کا یہ استدلال محل نظر ہونے کے باوجود یہ احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہیں وہ ایسے کہ اگر کوئی شخص ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے مسنون قرأت کرے تو حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ قرآن کی بعض سورتوں کو نماز میں قرأت کے لیے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص293 ج1 والبحر الرائق ص43 ج2 وفتاوی شامی ص544 ج1)

پھر اس پر انہوں نے جو دلائل نقل کیے ہیں انہیں پڑھ کر ان کی حالت زار پر ترس بھی آتا ہے اور بے ساختہ ہنسی بھی آجاتی ہے کہ یہ حضرات فقہاء ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفی ان احادیث کو صحیح و درست جان کر استدلال بھی کرتے ہیں مگر انہیں روایات سے جو دوسرا مسئلہ ثابت ہوتا ہے جو ان احادیث کی بنیادی روح ہے اس کا محض شخصیت پرستی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور دعوی اہل سنت کا کرتے ہیں۔ فاناللہ......

(۲۰) فجر کی سنتیں پڑھ کر کلام کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا راویہ ہیں کہ:

(ان النبی ﷺ کان اذا صلی سنة الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع حتی یؤ ذن بالصلوة)

یعنی نبی ﷺ جب صبح کی سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے حتی کہ آپ کو نماز کی اطلاع کی جاتی۔

(صحیح بخاری ص155 ج1 و مسلم ص255 ج1)

یہ روایت مبتدعین دیابنہ پیش کر کے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کہ سنت فجر پڑھ کر اضطجاع (دائیں پہلو پر لیٹنا) کرنا سنت نہیں ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۱۰)

مگر اس حدیث سے جو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت فجر کے بعد اور فرائض پڑھنے سے قبل گفتگو بلا کراہت جائز ہے اس کے مبتدعین دیابنہ منکر ہیں۔ احناف کے بعض فقہاء کا قول ہے کہ سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے سے سنت فجر باطل ہو جاتی ہیں۔ اور جمہور فقہاء احناف کا یہ مؤقف ہے کہ سنت فجر باطل تو نہیں ہوتیں البتہ ثواب میں فرق آ جاتا ہے۔

(درس ترمذی ص182ج2)

صاحب در مختار لکھتا ہے کہ:

((ولو تکلم بین السنة والفرض لا یسقطها ولکن ینقص ثوابها))

یعنی اگر سنت فجر اور فرض کے درمیان گفتگو کی تو سنتیں باطل تو نہ ہونگی البتہ ان کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ (در مختار مع شامی ص19ج2)

یہی مؤقف علامہ ابن نجیم حنفی نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق ۴۹/ ۲ میں حنفیہ کا بیان کیا ہے۔

الغرض اس حدیث کے نصف حصے کو تو حنفی مانتے ہیں مگر کلام کرنے کے حصے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں' حتی کہ اگر کسی نے کلام کر لیا تو اس کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فرض کیجئے کہ کوئی شخص صبح کی سنتیں گھر میں ادا کرتا ہے اور اس کی بیوی جاگ رہی تھی اور اس شخص نے اسوۂ رسول علیہ التحیۃ والسلام پر عمل کرتے ہوئے اپنی رفیقہ حیات سے دکھ سکھ یا کسی سلسلہ میں بات کر لی تو حنفی کہتے ہیں کہ اس کے ثواب میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسوۂ حبیب ﷺ پر عمل کرنے سے بھی کسی کار خیر کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۲۱) قضاء نماز پڑھنے کا وقت

آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز

کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے مثلاً:

(۱)حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ۔(بخاری ص82ج1و مسلم ص275ج1)

(۲)حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔(بخاری ص82ج1و مسلم ص275ج1)

(۳)حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔(بخاری ص82ج1'و مسلم ص275ج1)

مبتدعین دیابنہ کا ان احادیث سے یہ استدلال ہے کہ اگر سنت فجر رہ جائیں تو سورج طلوع ہونے سے پہلے ان کی قضاء نہیں پڑھ سکتا۔وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز جائز نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث 621)

مگر آپ حیران ہونگے کہ سنت فجر کو تو طلوع آفتاب سے قبل یہ کہہ کر منع کر رہے ہیں کہ کوئی نماز جائز نہیں لیکن دیگر قضاء نمازوں کے سلسلہ میں اپنی اس ساری فقاہت کو بھول جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

((ولا باس بان يصلى فى هذين الوقتين الفوائت))

یعنی ان دونوں مکروہ اوقات میں قضاء نمازوں کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص207ج1)

الغرض اگر زید کی صبح کی سنتیں رہ جائیں تو اسے اس حدیث کی بنا پر طلوع آفتاب سے قبل پڑھنے سے منع کرتے ہیں لیکن اگر زید عشاء کی قضاء نماز کو طلوع آفتاب سے پہلے یا غروب شمس سے پہلے ادا کرے تو اسے اجازت عنایت کرتے ہیں۔گویا حدیث کو مطلب بر آری کے لیے قبول بھی کرتے ہیں اور مقصد کے مخالف ہونے کی صورت میں رد بھی کرتے ہیں اس پر مزید دھوکا یہ کہ ہم خالص اہل سنت ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

(۲۲)سنتوں کی قضاء

متعدد احادیث صحیحہ سے سنت کی قضاء رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے' آیئے ہم آپ کو ایک ایسی حدیث کی نشان دہی کریں جس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔اور مبتدعین دیابنہ اس حدیث کو دلیل و حجت بنانے کے باوجود اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کرتے' چنانچہ مبتدعین دیابنہ کا محقق مولوی انوار خورشید نماز مغرب سے قبل عدد رکعت نفل کے عدم پر دلیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

((عن جابر قال سالنا نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم هل رأتين رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى الركعتين قبل المغرب فقلن لا غير ان ام سلمة قالت صلاهما عندى مرة فسالته ما هذه الصلوة فقال نسيت الركعتين قبل العصر فصليتهما الان))

(رواہ الطبرانی فی کتاب مسند الشامیین بحوالہ نصب الرایہ ص 141ج 2)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا ہے؟ توانہوں نے فرمایا کہ نہیں سوائے اس کے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ نے دو رکعتیں میرے پاس پڑھیں تو میں نے آپ سے سوال کیا کہ یہ کون سی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھول گیا تھا وہ میں نے اب پڑھی ہیں۔(حدیث اور اہل حدیث 626)

گو یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یحیٰی بن ابی الحجاج الاھتمی راوی لین الحدیث ہے۔ تقریب 374اور اس کا شیخ عیسٰی بن سنان الحنفی بھی لین الحدیث ہے۔ تقریب 271۔ مگر مبتدعین دیابنہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن اسی حدیث سے جو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنن کی بھی قضاء ہے اسکے منکر ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ

صرف وتر اور فرائض کی قضاء لازم ہے باقی کسی کی نہیں۔حالانکہ مذکورہ حدیث سے سنن کی قضاء کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔الغرض اس کے نصف حصے کو مطلب بر آری کے لیے تسلیم کرتے ہیں مگر نصف کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

(۲۳)حیلہ نماز کارد اور کفارہ نماز کی تردید

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں الفاظ نبویؐ ہیں:

((من نسی عن صلوۃ فلیصلھا اذا ذکر ھا لا کفارۃ لھا الا ذلک))

یعنی جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے تو نماز کو پڑھ لے اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔(بخاری ص84ج1و مسلم ص241ج1' واللفظ للمسلم)

اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ قضاء نماز کو پڑھنے کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث696)

مگر آپ حضرات حیران ہونگے کہ اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اگر نماز کسی وجہ سے رہ جائے تو اس کا کفارہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کو پڑھا جائے اس کے علاوہ قضاء نماز کا کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن اس مسئلہ کو مبتدعین دیابنہ تسلیم نہیں کرتے اور قضاء نماز کا مالی کفارہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ اگر کسی عاقل اور بالغ کے ذمہ کچھ نمازیں باقی ہوں اور اس حالت میں اس کی وفات ہو جائے تو فقہاء کرام نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے۔

(راہ سنت278)

پھر اس فدیہ کو بھی جس حیلہ سے ادا کرنا ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ :ایک صاع گندم ایک فرض نماز کا اور نصف صاع گندم نماز وتر کا جس کو میت کے مال کے تیسرے حصے سے ادا کیا جائے گا' اگر بالفرض میت کی وراثت اتنی نہیں تو تب چند نمازوں کی

مقدار کے برابر گندم کسی مسکین کو دے دیں اور پھر مسکین میت کے وارثوں میں سے کسی پر صدقہ کر دے اسی طرح ہی گندم کو چند بار گھمایا جائے حتی کہ میت کی تمام قضاء نمازوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔(البحر الرائق ص 91ج 2)

خلاصہ کلام یہ کہ دیابنہ اس حدیث کو قضاء کے وجوب کی دلیل دیتے ہوئے تو قبول کرتے ہیں مگر تردید فدیہ کے منکر ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ یہ مسئلہ ان کی دلیل بنائی ہوئی حدیث میں موجود ہے مگر تقلید کی وجہ سے آدھی کو مانتے ہیں اور آدھی کے منکر ہیں۔

نوٹ :اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث راقم کی تالیف دین الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کریں جو کتابت کے مرحلہ سے گزر چکی ہے۔اللہ کرے اس کی طباعت کا بھی کوئی ذریعہ پیدا ہو جائے۔ابو صہیب' 21 شعبان المعظم 1420ھ

(۲۴)سفر کی حالت میں سنتیں پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپ علیہ السلام سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

(بخاری ص129ج 1و مسلم ص242ج 1)

اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ کا وجوب قصر پر استدلال ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۶)

مگر اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حالت سفر میں نوافل ادا کرنا جنہیں عرف عام میں سنتیں کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول نہ تھا' حالانکہ مبتدعین دیابنہ کا مؤقف ہے کہ نوافل رواتب (سنتیں) پڑھنے چاہئیں' حدیث اور اہل حدیث 738۔الغرض مبتدعین کی عجیب حالت ہے کہ مطلب بر آری کے لیے اس سے استدلال بھی کرتے ہیں مگر تقلیدی مسائل میں اسی حدیث کا انکار بھی کرتے ہیں۔

(۲۵) نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ

سنن نسائی ص228 ج1 میں حضرت ابی امامۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((السنة فی الصلوة علی الجنازة ان یقرأ فی التکبیر ة الا ولی بام القرآن مخافة ثم یکبر ثلثا و التسلیم عند الاخرة))

یعنی نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا جائے' پھر تین تکبیریں کہی جائیں' جن کے آخر میں سلام پھیرا جائے۔ اس حدیث سے مبتدعین دیابنہ کا نماز جنازہ کو آہستہ پڑھنے پر استدلال ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث 877)

مگر آپ حیران ہونگے کہ اسی حدیث سے یہ ثابت ہو رہا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأۃ کرنا بھی عمل نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ مبتدعین اس سے نماز جنازہ کو آہستہ پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں مگر اسی حدیث سے ثابت دوسرے مسئلہ کا انکار بھی کرتے ہیں۔ ان سے ان کا دعویٰ پوچھو تو جھٹ کہتے ہیں' اہم اہل سنت ہیں۔



فصل پنجم

دیوبندی اہل سنت سے خارج ہیں

(۱)اہل سنت کے نزدیک اللہ کے علاوہ کسی غیر کی عبادت کفر ہے' جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر جوتی کی عبادت خدا سمجھ کر کی جائے تواس کا فاعل مشرک نہ ہو گا۔امام یحیٰ بن حمزہ اور امام سعید بن عبدالعزیز التنوخی بیان کرتے ہیں:

((ان ابا حنيفة قال لو ان رجلا عبده هذه النعل يتقرب بها الى الله لم أر بذلك بأسا))

ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جوتی کی عبادت کی تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ص784ج2واللفظ لہ و تاریخ بغداد ص374ج13و کتاب المجروحین ص73ج3راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس قول کی سند صحیح ہے)

(۲)اہل سنت کے نزدیک غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے' دیوبندیوں کے نزدیک شرک و کفر نہیں بلکہ جائز ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔

(تفسیر عثانی ص2)

(۳)اہل سنت کے نزدیک علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جب کہ دیوبندی اپنے مولویوں کو بھی اس صفت میں شریک مانتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مولوی ارشد قادری حنفی بریلوی کی کتاب زلزلہ ملاحظہ کریں۔اختصار کی وجہ سے جھنگوی ٹولہ کے سرغنہ مولوی محمد امین صفدر کا حوالہ پیش کرتے ہیں ماسٹر امین لکھتا ہے کہ:

"ایک دن میں رسالہ "خدام الدین" میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس ذکر میں تقریر پڑھ رہا تھا جس میں آپ کا فرمان تھا کہ جسمانی آنکھیں تو اللہ تعالیٰ نے گدھوں اور کتوں کو بھی دی ہیں' آنکھیں تو اصل دل کی ہیں اگر روشن ہو جائیں تو اسے حرام حلال کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ قبر کے پاس سے گزرے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ قبر جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا' میں یہ پڑھ ہی رہا تھا کہ ایک ماسٹر صاحب جن کا نام رشید احمد تھا وہ ہال کمرہ میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھا اور کہتے آ رہے تھے کسی نے حرام نوٹ لینا ہے یہ حرام ہے حرام' میں نے کہا مجھے دے دو۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے تم کیا کرو گے ؟ میں نے مجلس ذکر کی عبارت سنائی کہ لاہور چلتے ہیں اور پتہ لیتے ہیں کہ خود حضرت لاہوری رحمہ اللہ کو حلال حرام کی تمیز ہے یا نہیں۔ اس پر چار پانچ ٹیچر اور تیار ہو گئے۔ ہم سب نے ایک ایک روپیہ اپنے پاس سے لے لیا ایک روپے کے سیب اپنے روپے سے اور ایک کے حرام روپے سے اس طرح پانچ پھل ہم نے خرید لئے اور ایک ایک پھل کی کوئی نشانی ایک ایک نے ذہن میں رکھ لی کہ یہ سیب حرام روپے کا ہے وہ حلال روپے کا ہے یہ کینو حرام روپے کا ہے وہ حلال کا ہے اور ہم لاہور پہنچ گئے۔ ضلع ساہیوال کے احباب کو آواز پڑی ہم حاضر ہوئے' پھل حضرت رحمہ اللہ کے سامنے رکھ دیئے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا بھئی یہ کیا لائے ہو ؟ میں نے عرض کیا حضرت زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے یہ کچھ ہدیہ ہے۔ فرمایا ہدیہ لائے ہو یا میرا امتحان لینے آئے ہو اور آپ نے سب پھل الگ الگ کر دیئے کہ یہ حلال ہیں یہ حرام ہیں"۔

(تجلیات صفدر ص12,13 ج1)

ایسی کرامت کوئی بریلوی بیان کرتا تو دیوبندی اپنے فتویٰ کی مشین گن کو کھول کر مشرک و بدعتی کا فتویٰ لگاتے مگر دیکھا آپ نے کہ ماسٹر امین کا اس اعتقاد کے ساتھ ساہیوال سے لاہور آنا اور پھر حضرت لاہوری کا اس کے دل کی بات کو جان لینا اور حلال و حرام فروٹ کو الگ الگ کر دینا' اس کے حق میں عالم الغیب ہونا ثابت نہیں کرتا تو اور کیا ہے ؟ الغرض اس

جھوٹی داستان کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس میں پیری مریدی کی دوکان چل جائے اور لا محدود انکم کا سلسلہ شروع ہو جائے خواہ اس سے عقیدہ توحید بھی کیوں نہ خراب ہو جائے۔

(۴) اہل سنت کے نزدیک قرآن تحریف سے پاک ہے اور کوئی زیر وزبر کی بھی اس میں تحریف نہیں ہوئی۔ جب کہ دیوبندیوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہوئی۔ مولانا انور شاہ کاشمیری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

((والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً))

قرآن میں تحریف معنوی کے علاوہ میرے نزدیک اسی طرح لفظی تحریف بھی محقق ہے۔

(فیض الباری ص395ج3طبع مکتبہ حقانیہ پشاور)

مولانا محمود حسن خان دیوبندی فرماتے ہیں کلام اللہ وحدیث میں بعض آیات و جملہ فرقہ ضالہ نے الحاق کئے ہیں۔ (ایضاح الادلہ 191)

(۵) اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور نبی ہیں' جب کہ دیوبندیوں کے نزدیک خاتم کا یہ معنی فقط عوام الناس کا گھڑا ہوا ہے۔ تفصیل اللہ کے فضل وکرم سے آگے آرہی ہے۔

(۶) اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر افترا کرنا بدترین فعل ہے جس کی سزا جہنم ہے لیکن دیوبندیوں نے احادیث کو وضع کیا ہے کتب احادیث میں حک واضافہ کیا ہے۔

(۷) اہل سنت کے نزدیک صحیح احادیث علی الاطلاق واجب العمل ہیں جب کہ دیوبندیوں کا کردار اس کے برعکس ہے یہ حدیث کے بعض الفاظ کو مانتے ہیں بلکہ مخالف پر بطور حجت نقل بھی کرتے ہیں لیکن انہیں احادیث میں سے بعض الفاظ کو جو ان کے مذہب کے خلاف ہیں قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(۸) اہل سنت کے نزدیک فرمان نبوی ﷺ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنا عین دین وایمان ہے جب کہ دیوبندی بسا اوقات فرمان نبوی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۹)اہل سنت کے نزدیک قرآن کا ادب واحترام کرنا فرض ہے جبکہ دیوبندیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کو خون اور پیشاب وغیرہ سے لکھنا جائز ہے۔

(۱۰)اہل سنت کے نزدیک اعمال جزو ایمان ہیں اور ایمان دل کی تصدیق' زبان کے اقرار اور اعمال صالحہ کا نام ہے ان تینوں ارکان کے بغیر ایمان کامل ہی نہیں ہوتا مگر دیوبندی اعمال کو ایمان کا حصہ نہیں مانتے۔

یہودی علماء کو نبی ﷺ کے صادق ہونے پر پورا پورا یقین تھا مگر وہ آپ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار نہ کرتے تھے ارشاد ربانی ہے:

﴿الذین اتینهم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم و ان فریقا منهم لیکتمون الحق وهم یعلمون ﴾

(البقرۃ آیت:146)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ایک گروہ ان میں حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

بلکہ یہود بعض دفعہ اپنی مجلسوں میں رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کا اظہار بھی کرتے تھے۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"دو یہودی تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں اور چند مسئلے پوچھتے ہیں۔ تو دوسرا یہودی کہنے لگا کہ نبی نہ کہو' اگر رسول اللہ ﷺ نے سن لیا کہ یہودی مجھ کو نبی کہتے ہیں' تو اس کی چار آنکھیں ہو جائینگی۔ پھر وہ دونوں آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے مسائل دریافت کیئے۔ تو آخر میں کہنے لگے۔"نشهد انك نبی ""ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے نبی ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا پھر تمہیں اسلام قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ تو وہ کہنے لگے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبی میری اولاد سے ہو اور ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے"۔

(نسائی ص165ج2وترمذی مع تحفہ ص399ج3و139ج4ومسند احمد ص339ج4و مستدرک حاکم ص9ج1وبیہقی ص166ج8وابن ماجہ(3705))

امام ترمذی حاکم وذھبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' اس صحیح حدیث اور قرآن کی مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ایمان نہیں کیونکہ یہودی دل سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق اور زبان سے اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان یہود کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمان تسلیم نہیں کیا کیوں؟ اس لئے کہ وہ عملاً آپ علیہ السلام کو رسول و نبی تسلیم نہ کرتے تھے۔

اس طرح منافقین کا گروہ تھا جو زبان سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتا تھا ۔سورہ المنافقون آیت 1۔ بلکہ اسلام کے ظاہری احکام پر بھی عمل کرتے تھے' نماز پڑھا کرتے تھے' (سورہ النساء آیت 142) غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے' لیکن ان کا ایمان قبول نہیں۔ کیوں؟' اس لئے کہ وہ زبان سے اقرار اور عمل دونوں ہی کرتے تھے' مگر دل کا اطمینان نہ تھا جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج تھے۔ الغرض ایمان تب درست ہے جب دل کا اطمینان زبان کی تصدیق اور جسم کے ساتھ عمل صالحہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان چیزوں کو ایمان میں شامل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿انما المومنون الذین امنو باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اولئك ھم الصدقون﴾ (الحجرات آیت:15)

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پھر کسی قسم کا شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں اُمور ایمان کو واضح کر دیا ہے کہ وہ لوگ ہیں جو تصدیق کے ساتھ کسی قسم کا شک نہیں کرتے یعنی زبان کے اقرار کے ساتھ قلبی یقین بھی ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ وہ جہاد یعنی عمل بھی کرتے ہیں کیونکہ جہاد عمل کا نام ہے' معلوم ہوا کہ تصدیق کے

اتھ دل کا یقین اور عمل امور ایمان سے ہے۔یہی مضمون سورہ النور کی آیت 62میں بیان ہوا ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بعض مقامات پر عمل کو ایمان سے تعبیر کیا ہے۔

﴿وما کان الله ليضيع ايمانكم﴾(البقرہ آیت:143)

اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے فوت اور کچھ شہید ہو گئے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ ان کی نمازوں کے متعلق کیا کہیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(بخاری ص 11 ج 1)

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کہا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام سلف صالحین آئمہ عظام اور جملہ معروف اور معتمد محدثین کرام اعمال کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ :ایمان کے کچھ فرائض (فرض کیے گئے اعمال) اور کچھ شرائع (عقائد) ہیں اور حدود (ممنوعہ کام) اور سنتیں ہیں جس نے ان کو پورا کیا اس نے ایمان کو پورا کیا اور جس نے مذکورہ اشیاء کو مکمل نہ کیا اس نے ایمان کو بھی مکمل نہ کیا۔

(صحیح بخاری ص 6 ج 1)

امام شافعی نے اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین عظام کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔(الایمان 182)

ایمان میں کمی اور زیادتی: تمام صحابہ کرام تابعین عظام اور اکثر آئمہ مجتهدین کا یہ مذھب ہے کہ ایمان جیسے قول اور عمل اور اطمینان قلب سے مرکب ہے اسی طرح ایمان کمی اور بیشی کا بھی متحمل ہے۔ عمل بالمعروف سے ایمان بڑھتا ہے اور گناہوں سے کمی اور نقصان ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔(۱)سورۃ التوبہ 24(۲)الانفال 2(۳)آل عمران 173(۴)الاحزاب 22(۵)مریم 76(۶)المدثر

31(ے) آل عمران 178(۸) الفتح 4 خود اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سے سب سے بہتر درجہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے سب سے کم درجہ راستہ سے کسی نقصان دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

(بخاری ص 6 ج 1، مسلم ص 47 ج 1 واللفظ لہ)

اس حدیث سے واضح ہے کہ ایمان کی تکمیل ستر سے زیادہ امور سے ہوتی ہے اور ان میں سے فائق توحید کا اقرار ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔

ایک ارشاد میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم سے وہ شخص بھی نکال دیا جائے گا جس کے دل میں گندم کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا۔

(بخاری ص 11 ج 1 و تغلیق التعلیق ص 50 ج 2)

صحابہ کرام کا مذہب: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ایمان میں کمی و بیشی کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل بات کو لمبا کردے گی تاہم چند اکابر صحابہ کا مذہب نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اهل الارض لرجع بهم))

یعنی اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کو تمام زمین والوں کے ایمان سے تولا جائے، تو صدیق اکبر کے ایمان کا وزن سب پر بھاری ہو جائے گا۔

(شعب الایمان ص 69 ج 1 و کتاب السنہ ص 378 ج 1 فضائل الصحابۃ للامام احمد ص 418 ج 1 سند صحیح ہے)

زر بن حبیش رحمۃ اللہ نقل کرتے ہیں

((كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه ربما اخذ الرجل و الرجلين يقول تعالونزداد ايمان))

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی کبھار ایک دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے آؤ ہم ذکر الٰہی کے ذریعے اپنے ایمان کو زیادہ کریں۔ (شعب الایمان ص70 ج1 وکتاب الایمان للامام احمد کمافی کتاب الایمان لابن تیمیہ 211)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((الوضوء نصف الایمان)) یعنی وضو نصف ایمان ہے۔

(شعب الایمان ص72 ج1) (کتاب السنہ 369 وکتاب الایمان لابن ابی شیبہ 41)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ((اللهم زدنا ايمانا وفقها))

اے اللہ ہم کو ایمان اور دین کی سمجھ میں بڑھادے۔

(شعب الایمان ص73 ج1 وکتاب السنہ ص369 ج1)

ایمان کی زیادتی اور کمی کے اقوال حضرت ابو ہریرہ' ابن عباس ابو درداء' عائشہ صدیقہ' ابو سعید الخدری اور حضرت جندب رضی اللہ عنھم سے مروی ہیں: (کتاب السنہ ص369 شعب الایمان ص76 ج1 ابن ماجہ 75) وغیرہ ملاحظہ کریں۔

اجماع امت: صحابہ کرام سے لے کر تابعین عظام اور آئمہ محدثین کا اجماع واتفاق ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ چند گمراہ لوگوں کے علاوہ خیر القرون کے زمانہ میں پوری امت مرحومہ کا یہی مؤقف ومذہب تھا۔

جیسا کہ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ "تمام اہل فقہ اور اہل حدیث کا اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے اور عمل بغیر نیت کے نہیں ہے اور ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی ومعصیت سے کم ہوتا ہے اور ہر اطاعت نیکی ہے' سوائے ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ان کا مذہب ہے کہ اطاعت کو ایمان نہیں کہنا چاہیے ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام ہے اور بعض نے معرفت کا نام دیا ہے۔ لیکن تمام اہل الرائے اور اہل حدیث حجازی' عراقی' شامی' مصری وغیرہ مثلاً مالک بن انس' لیث بن سعد' سفیان ثوری اوزاعی

شافعی' احمد' اسحاق بن راھویہ' ابو عبید' داؤد' طبری اور جو لوگ ان کے موافقین ہیں تمام کا یہی مؤقف ہے کہ ایمان قول واعمال کا نام ہے جو کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

(ملخصاً التمہید ص238 تا243ج9وفتاوی ابن تیمیہ ص330ج7)

احناف کا مؤقف: آسمان والوں' فرشتوں' جنت والوں کا' زمین والوں' انبیاء' تمام ایمانداروں' نیکوں وبدوں اور فاجروں کا ایمان برابر ہے۔(شرح فقہ اکبر ۸۷)امام ابو اسحاق فزاری جو ابتدا میں حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے فرماتے ہیں کہ:

((کان ابو حنیفة یقول ایمان ابلیس وایمان ابو بکر الصدیق رضی الله عنه واحد قال ابو بکر یا رب وقال ابلیس یارب))

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ابلیس اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک ہی ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی یا رب کہا اور ابلیس نے بھی۔(کتاب السنہ ص219ج1وتاریخ بغداد ص376ج13(سند صحیح ہے)

یہ مذھب اہل سنت کا نہیں بلکہ مرجیہ کا ہے۔امام اہل سنت' امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

((الا یمان یزید و ینقص و یستثنی فی الایمان و من زعم ان الایمان قول بلا عمل فهو مرجی ومن زعم ان الایمان هو القول والاعمال شرائع فهو مرجی ومن زعم ان الایمان لا یزید ولا ینقص فقد قال بقول المر جئة ومن لم یر الاستثنا ء فی الایمان فهو مرجی الی ان قال و هذه الا قاویل والمذاهب مذاهب اهل السنة والجماعة ولا صحاب البدع القاب واسماء لا تشبه اسماء الصالحین ولا العلماء فمن أسماء هم المر جئة الذین یزعمون ان الایمان قول بلا عمل))

یعنی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے اور یہی ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ایمان کی بابت ان شاءاللہ بھی کہا جاسکتا ہے۔اس کے برعکس جو لوگ ایمان میں کمی بیشی نہیں مانتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اور انشاءاللہ معاملہ ایمان

ہیں کہنے کے قائل نہیں وہ مرجیہ ہیں۔ اہل سنت والجماعۃ کے برخلاف اہل بدعت ایسے القاب اور ناموں سے موسوم ہوتے ہیں جو علماء اور صالحین کے القاب اور نام سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد امام احمد نے صراحت کی ہے یہی وہ مرجیہ ہیں اصحاب الرائے کے نام سے ملقب ہیں اور ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔

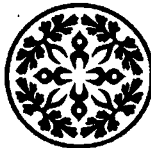
(طبقات الحنابلۃ لابن ابی یعلی ص24 تا36 ج2 طبع بیروت بحوالہ ضمیر کا بحران ص9 و 156)

پیر عبد القادر جیلانی نے بھی حنفیہ کو مرجیہ میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :مرجیہ لوگوں کے بارہ فرقے ہیں جو یہ ہیں :جہمیہ 'صالحیہ 'شمدیہ 'یونسیہ 'یونانیہ 'بخاریہ 'غیلانیہ 'شبیبیہ 'حنفیہ 'معاذیہ 'مریسیہ 'کرامیہ 'مرجیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس گروہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ پڑھ لے اور اس کے بعد ساری عمر گناہ کرے تو پھر بھی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ ان کا مقولہ ہے کہ ایمان ایک قول ہے اور اس میں عمل اور احکام شریعت داخل نہیں اور وہ قول صرف کلمہ توحید کا کہنا ہے اور اسی قدر ایمان ہے اور آدمیوں کا جو ایمان ہے اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور ان کا ایمان اور فرشتوں کا ایمان ایک ہے۔ اس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں اور ایمان میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے"۔

(غنیۃ الطالبین مترجم ص192 ترجمہ مولوی احمد مدراسی ناشر مکتبہ حمانیہ (دیوبندیہ) لاہور 1394ھ)

علامہ شبلی نعمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ :مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان و عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ (سیرت النعمان ص152) جب یہ بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اعلانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے انہیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔

(سیرت النعمان 153 طبع انجمن حمایت اسلام 1961)



حصہ دوم، فصل اول

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا مسئلہ

جھنگوی نے ابتدا ہی جھوٹ سے کی:

جھنگوی نے اول تا آخر گفتگو ایک فرضی مکالمہ پر کی ہے جو حقیقت بہر حال نہیں۔شاید وہ اسے تفہیم کا ایک انداز قرار دے کر اس کے جھوٹ ہونے کی نفی کر دیں لیکن پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ جھنگوی صاحب نے اہل حدیث کی طرف سے اعتراضات بھی درست نقل نہیں کیے۔حالانکہ ان کا یہ حق تھا کہ فریق مخالف کی ترجمانی کرتے وقت ان کے مؤقف کو درست نقل کرتے اور ان کے دلائل کا علمی و تحقیقی جواب دیتے مگر انہوں نے اعتراض اور جواب دونوں ہی غلط درج کیے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں کہ

"جب آپ نماز پڑھتے ہیں سر سے ٹوپی اُتار کر نیچے پھینک دیتے ہیں' دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی پر مار کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور گردن کو اکڑا کر پیر خوب چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔یہ چیزیں میری سمجھ میں نہیں آتیں"۔(تحفہ اہل حدیث ص 1)

حالانکہ نماز کی ابتدا کوئی اہل حدیث اس طرح نہیں کرتا۔ننگے سر نماز عاجزی و انکساری کی وجہ سے پڑھی جاتی ہے۔تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آتا ہے۔

(بخاری ص102ج1 مسلم ص168ج1)

یہی اہل حدیث کا عمل ہے۔نماز میں اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر رکھنا مسنون ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

(مستدرک حاکم ص479ج1 و بیہقی ص158ج5 وارواء الغلیل ص73ج2)

اسی پر اللہ کے فضل و کرم سے اہل حدیث کا عمل ہے۔مگر جھنگوی نے ابتدا ہی

کذب وافترا سے کی ہے ایسے ہی پاؤں کو کشادہ کرنے میں جھنگوی نے مبالغہ اور غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

جھنگوی کا اعتراف حقیقت کے ساتھ باطل کا بھی اعلان:

فرماتے ہیں "کہ آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے' قرآن وحدیث کے مقابلے میں اگر کسی کی بات ہو تو وہ واقعی نا قابل عمل ہے' جب کہ حدیث صحیح کے خلاف ہو اور کتاب اللہ سے بھی ٹکراتی ہو۔(تحفہ اہل حدیث 2)

الجواب:اولاً:- بلاشبہ قرآن وحدیث کے خلاف آئمہ کے اقوال کو آپ کا نا قابل عمل قرار دینا درست وحق بات ہے' لیکن اس کے ساتھ یہ اضافہ کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ بھی ٹکراتا ہو معتزلہ کا مذہب ہے جو مردود ہے' اس مردود قول کا مقصود یہ ہے کہ اگر اقوال آئمہ فقط حدیث نبوی کے مخالف ہوں تو تب وہ حدیث پر فائق ہی رہیں گے' ہاں البتہ اگر حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن کے مخالف بھی ہوں تو تب وہ نا قابل عمل ہیں۔

ثانیاً:- یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فقط حدیث کے مخالف نہ ہو' بلکہ قرآن سے بھی ٹکراتی ہو' لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ اگر قول امام قرآن وحدیث دونوں کے ہی خلاف ہو تو تب آپ چھوڑ دیں گے کیونکہ فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ

((فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفة))

یعنی اس شخص پر ریت کے ذروں برابر لعنتیں ہوں جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔

(درالمختار مع شامی ص63ج1)

جو شخص امام صاحب کے بارے ایسی بات کہتا ہے کہ وہ خطاء کر سکتے ہیں چوپایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

(مقدمہ انوار الباری ص163ج1)

صاحب اصول کرخی فرماتے ہیں کہ قرآن کی وہ تمام آیات اور احادیث جو ہمارے

ائمہ کے اقوال کے مخالف ہیں وہ یا منسوخ ہیں یا مؤول۔(اصول کرخی ص 11)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی مرفوع احادیث:

پہلی حدیث: حضرت عبیداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((ترون یدی هذه صافحت بها رسول الله وذکر الحدیث))

یعنی تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو میں نے اسی ایک ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے' اور حدیث کو ذکر کیا((التمهید لما فی الموطا من المعانی والا سانید ص 247ج 12) یہ حدیث صحیح ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی کھلی دلیل ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ

((ابسط یمینك فلابایعك فیبسط یمینه قال فقبضت یدی قال مالك یا عمرو قال قلت اردت ان اشترط قال تشرط بما ذا قلت ان یغفرلی قال اما علمت یا عمرو ان الاسلام یهدم ما کان قبله))

یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ کو بڑھائیں کہ میں آپ سے بیعت کروں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ کو سمیٹ لیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عمرو تجھے کس چیز نے روک لیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں' آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کس بات کی شرط کرنا چاہتے ہو' میں نے کہا کہ مجھے بخش دیا جائے' آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جتنے گناہ ہوتے ہیں ان کو اسلام مٹا دیتا ہے۔(صحیح مسلم ص 76ج 1)

گو یہ روایت بیعت مصافحہ کے بارے میں ہے' لیکن بیعت میں بھی مصافحہ ہی ہوتا ہے۔ حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم بہت سی عورتیں دین اسلام پر بیعت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ہم نے بیعت کے وقت مصافحہ کی

درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ((انی لا اصافع النساء)) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (موطا امام مالک باب ماجاء فی البیعۃ)

حافظ ابن عبد البر ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ((دلیل علی انه کان یصافح الرجال عندالبیعة وغیرها)) یعنی ان الفاظ نبوی میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیعت وغیرہ کے وقت مردوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ (التمہید ص243ج12)

حافظ ابن عبد البر اس پر متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

((فی هذا ایضا دلیل علی ان المبایعة من شانها المصافحة ولم یختلف الاثار فی ذلك))

ان مسائل کے علاوہ ان احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بیعت کیفیت و طریقہ میں مصافحہ ہے اور اس سلسلہ میں آثار نبوی میں کوئی اختلاف نہیں۔ (التمہید ص352ج16)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ بیعت اور ملاقات کے وقت مصافحہ کی کیفیت و طریقہ ایک ہی ہے داھنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا حسب ذیل احادیث میں موجود ہے۔

(۱) حضرت ابو غادیہ رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ص68ج5)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ (بخاری ص523ج1)

(۳) واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ص491ج3)

(۴) جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے۔ (بخاری ص14ج1)

(۵) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے۔ (ابن ماجہ 27)

جھنگوی صاحب کا پہلا اعتراض

ید صرف اور صرف ایک ہاتھ کو کہتے ہیں' یہ غلط ہے بلکہ یہ اسم جنس ہے اور جنس قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتی ہے۔ اگر ید کے لفظ سے آپ نے صرف ایک ہاتھ مراد لیا ہے تو دایاں ہاتھ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ (تحفہ اہلحدیث ص2)

الجواب:اولاً:- اس قسم کی احادیث میں لفظ ید سے جنس مراد لینا غلط ہے کیونکہ لفظ ید معرف باللام ہے یا مضاف پس الف ولام عہد خارجی کے لئے ہے اور اسی طرح اضافت بھی۔

ثانیاً:- آپ نے لفظ ید کو جنس ٹھہرایا ہے' جو بقول آپ کے قلیل وکثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ تو پھر کس دلیل سے آپ نے قلیل کی بجائے کثیر کو مراد لیا ہے کیونکہ مشترک معانی والے الفاظ کے معنی تعین کرنے میں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں اس ڈھکوسلہ سے یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہو گیا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ غیر مسنون ہے کیونکہ آپ نے جنس قرار دے کر قلیل پر اس کا استعمال تسلیم کر لیا ہے۔

دوسرا اعتراض: آپ قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث سے دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنا اور بائیں ہاتھ سے مصافحہ کی ممانعت ثابت کریں۔ (ص3)

الجواب:اولاً:- ایک ہاتھ سے مصافحہ کے مسنون ہونے کا تو آپ کو اعتراف ہے۔

ثانیاً:- رہا یہ کہ ایک ہاتھ سے دایاں مراد لینا تو سنئے کہ اس پر شرعی قرائن موجود ہیں ((یحب التیمن ما استطاع فی شانه کله)) یعنی ہر کام میں رسول اللہ ﷺ حتی الوسع دائیں ہاتھ کو محبوب رکھتے۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوۃ ص46)

جھنگوی صاحب 'فی شانہ کلہ' سے کسی معتبر دلیل سے دائیں ہاتھ کی بجائے بایاں ہاتھ ثابت کریں؟ اگر یہ ثابت نہ کر سکیں یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو کلہ میں مصافحہ بھی شامل ہے۔

ثالثاً:- بخاری ص523 میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد ص68 ج5 میں ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دائیں ہاتھ کی صراحت ہے۔

صحیح بخاری پر اعتراضات

جھنگوی نے مذکورہ اعتراضات کے بعد درمیان میں خلط مبحث کرتے ہوئے صحیح

بخاری کو موضوع بحث بنالیا ہے۔ پہلے غلط بیانی کرتے ہوئے یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی حدیث بخاری سے ثابت کرو' پھر اس اعتراض کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالتے ہیں کہ بخاری میں یہ یہ مسئلہ موجود نہیں' حالانکہ صحیح بخاری کے بارے میں یہ کسی کا بھی مؤقف نہیں ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں تمام صحیح احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ جو حدیث بخاری میں نہیں وہ حدیث ہی نہیں جیساکہ موصوف کے الفاظ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ شوشہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے چھوڑا تھا۔ دیکھئے (ازالہ اوہام ص44اور وحانی خزائن ص173ج3)

جھنگوی ٹولہ نے مرزا کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اسے پلے باندھ لیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل علم کا بخاری کے بارے میں کیا مؤقف ہے: مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ :اصول حدیث کی رو سے بخاری شریف اور مسلم شریف کو صحیحین سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جتنی حدیثیں ان میں ہیں وہ صحیح ہیں یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ اور کوئی حدیث یا حدیث کی کتاب صحیح نہیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں موجود احادیث بالکلیہ صحیح ہیں۔
(احسان الباری ص34)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ:

((لم يستوعب الصحيح فى صحيحهما ولا التز ما ذلك فقد روينا عن البخارى انه قال ما أدخلت فى كتاب الجامع الا ماسع وتركت من الصحاح لملال الطول))

یعنی امام بخاری اور مسلم نے اپنی کتب میں تمام احادیث صیحہ کو منحصر کرنے کا التزام نہیں کیا۔ امام بخاری نے خود کہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صیحہ کو درج کیا ہے اور طوالت کی وجہ سے میں نے اکثر صحیح احادیث کو ترک کر دیا ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح ص30)

اس حقیقت کے برعکس جھنگوی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بخاری میں فلاں حدیث نہیں اور بخاری میں فلاں مسئلہ بیان نہیں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جھنگوی یا تو بغض اور تعصب کی وجہ سے یہ دعویٰ کر رہا ہے یا پھر جاہل مطلق ہے۔ اول الذکر بات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ موجودہ حنفیہ کو بخاری سے جس قدر الرجی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

بہر حال آیئے ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں جن کی جھنگوی صاحب نے نشان دہی کی ہے کہ یہ بخاری میں نہیں ہیں۔

سینہ پر ہاتھ باندھنا

فرماتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا۔ (تحفہ اہل حدیث ص4)

الجواب: اولاً:- کیا قرآن میں سینہ تو کجا کسی بھی جگہ ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے اگر ہے تو اس آیت کا حوالہ دیں اگر نہیں یقیناً نہیں، تو جو جواب آپ قرآن کے بارہ میں دیں گے وہی جواب بخاری میں عدم ذکر کا تصور کر لینا۔

ثانیاً:- صحیح حدیث میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسری علی صدرہ))

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی تو آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ص243 ج1 رقم الحدیث479)

حضرت ہلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یضع هذه علی صدره، یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(مسند احمد 226/5)

پاؤں کو کشادہ کرنا

اولاً:- اس کی تفصیل اپنے مقام پر آگے آرہی ہے کہ بخاری کی احادیث سے پاؤں کو کشادہ کرنا ثابت ہے۔

ثانیاً:- حنفیہ کے نزدیک نمازی قیام کے دوران اپنے پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ رکھے۔ نماز مسنون ص ۳۱۰'اور فقہ کی کتاب 'فتاوی بزازیہ 'میں اس کو مستحب لکھا ہے۔(بحوالہ السعایہ ص 111ج2)

کیا آپ اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے دے سکتے ہیں؟ قطعا نہیں۔ یہ سب سینہ گزٹ اور عجم کی ایجاد ہیں۔ دین عربی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نماز میں قیام کی کیفیت

جھنگوی صاحب نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ اہل حدیث نماز میں اکڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کا ذکر بخاری میں نہیں۔ اس کا تفصیل سے جواب آگے اہل حدیث سے مبتدعین دیوبند کا اختلاف کے زیر عنوان آرہا ہے یہاں جھنگوی ٹولہ کے جواب میں ہم صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہی کافی سمجھتے ہیں۔

اذان کے کلمات

جھنگوی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ بخاری میں اہل حدیث کی اذان نہیں ہے۔

(تحفۂ اہل حدیث ص ۴)

الجواب:اولاً:- اذان سے آپ کی کیا مراد ہے'اگر ترجیع کے بغیر اذان کا دعویٰ ہے تو یہ بخاری کتاب الاذان کے ابتدا میں ہی ہے'اگر ترجیع کے بغیر اذان کی نفی ہے تو ترجیع والی اذان خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سکھائی ہے۔(مسلم ص165ج1)

ثانیاً: کیا قرآن میں کلمات اذان کی وضاحت ہے؟ اگر ہے تو جھنگوی ان آیات کی نشان دہی کرے'اگر نہیں یقیناً نہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا

ثالثاً:- بخاری تو کجا پوری صحاح ستہ سے آپ حنفی اذان ثابت کر سکتے ہیں؟ جس میں دوہری تکبیر اور اکہری اذان اور اسی میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ بھی ہوں۔ چلو ہم آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں اور پورے ذخیرہ احادیث سے صرف ایک حدیث دکھادیں جو اصول حدیث کی روسے کم از کم حسن درجہ کی ہو اور جسے مسلمہ محدثین نے حسن قرار دیا ہو۔

قارئین کرام! سورج مغرب سے طلوع ہو کر مشرق میں غروب تو ہو سکتا ہے مگر جھنگوی ٹولہ اپنے عمل پر ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں کر سکتا۔

رکعات نماز

جھنگوی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ بخاری میں ہر نماز کی رکعات فرض و سنن کا بیان نہیں ہے۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- جھنگوی ٹولہ قرآن سے ثابت کر سکتا ہے کہ پانچ نمازیں ہیں اور فلاں اذان کا فلاں وقت ہے اور اس نماز کی اس قدر رکعات ہیں اور ان رکعات میں اس قدر فرض اور باقی سنن ہیں؟ اگر نہیں یقیناً نہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا

ثانیاً:- بخاری ص 77 ج 1 باب تاخیر الظہر الی العصر و مسلم ص 246 ج 1) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ظہر 'عصر مغرب 'عشاء کی نماز کے فرائض کی تعداد' رکعت کا ذکر ہے اور صبح کی نماز کا بیان بخاری کتاب الاذان باب القراۃ فی الفجر (الحدیث 771) میں دو عدد رکعات فرض کا بیان ہے۔

اگر آپ کا تقلیدی دماغ ان احادیث کو سمجھنے سے قاصر ہو تو بخاری مترجم لے کر مطالعہ کرنا' اگر پھر بھی آپ کے دماغ کو یہ سادہ سی حدیث سمجھ نہ آئے تو کثرت سے لاحول کا وظیفہ کرنا' تصنیف کی بجائے پرائمری اسکول میں داخلہ لے کر اردو کی تعلیم حاصل کرنا اور اپنے مولیٰ حقیقی سے خشوع و خضوع اور رقت بھری آہوں سے زیادتی علم اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرنا۔ انشاءاللہ اس مجرب نسخہ سے شفا ہو گی۔

ثالثاً: سنت فجر دو رکعت۔ (بخاری ص154 ج1 و مسلم ص251 ج1)

سنت ظہر چھ رکعت۔ (مسلم ص252 ج1)

سنت مغرب دو رکعت۔ (مسلم ص252 ج1)

سنت عشاء دو رکعت (بخاری ص157 ج1 و مسلم ص252 ج1)

نماز کے فرائض و واجبات اور مکروہات

جھنگوی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ مذکورہ چیزوں کا بیان بخاری میں نہیں۔

الجواب:- اولاً:- کیا جھنگوی ٹولہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ قرآن میں نماز کا طریقہ مفصل اور بالترتیب بیان ہوا ہے اور قرآن نے کہا ہے کہ نماز میں یہ یہ رکن فرض اور یہ یہ واجب اور یہ یہ سنت اور یہ یہ مستحب اور ان افعال کا نماز میں کرنا مکروہ ہے۔ اگر ہے تو اس آیت کی نشان دہی کی جائے۔

ثانیاً:- جس طرح رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اسی طرح نماز کو ادا کرنا لازمی و ضروری ہے، اور سنت سے جس طرح نماز کا پڑھنا ثابت ہے اس کے خلاف کرنے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ جسکی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (صلو کما رائیتمونی اصلی"۔ (بخاری رقم الحدیث 631)

یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

ثالثاً:- فقہائے احناف کا نماز کے ارکان میں سے بعض کو فرض، بعض کو واجب، بعض کو سنت، بعض کو مستحب قرار دینا بدترین بدعت ہے۔

اگر جھنگوی میں ہمت ہے تو قرآن و سنت اور اقوال صحابہ سے یہ ثابت کرے کہ نماز میں بعض ارکان، فرض، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔ ورنہ تسلیم کرے کہ ہمارا مذہب کتاب و سنت سے زائد ہے۔

قارئین کرام جھنگوی ٹولہ کیا پوری دنیا کے منکرین سنت مل کر سر توڑ کوشش

کرنے کے باوجود ان کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ اللہ اکبر' بدعات یہ ایجاد کریں اور ان کا ثبوت ہم سے طلب کریں۔

اور اگر ثبوت موجود نہ ہوں تو الٹا ہمیں ہی مطعون کریں۔ اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

نماز جنازہ

جھنگوی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آپ حضرات جو جنازہ پڑھتے ہیں اس کی تفصیل بخاری میں نہیں۔ (ص 4)

اولاً:- کیا جھنگوی ٹولہ قرآن سے نماز جنازہ کا طریقہ ثابت کر سکتا ہے؟

ثانیاً:- تفصیل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ ہے کہ بخاری میں جنازہ کے مسائل نہیں تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جو صرف جھنگوی ہی بول سکتا ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے کتاب الجنائز کے تحت (98) ابواب کو مختلف عنوان باندھ کر تقریباً ڈیڑھ صد کے قریب مرفوع احادیث درج کی ہیں' اگر تفصیل سے آپ کی یہ مراد ہے کہ جنازہ کے بعض مسائل بخاری میں نہیں تو ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری نے تمام احادیث صحیحہ کو جمع کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں کیا آپ اپنی فقہ حنفی سے امام ابو حنیفہ سے جنازہ کے تمام مسائل ثابت کر سکتے ہیں؟ مزید رعایت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ صرف ایک ہی مسئلہ ثابت کر دو کہ نماز جنازہ پڑھتے وقت نگاہ کو کہاں رکھا جائے؟

قارئین کرام! امام ابو حنیفہ سے تو کجا پورے فقہاء احناف کے اقوال سے اس مسئلہ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

نماز عید کا طریقہ

عید پڑھنے کا طریقہ بخاری میں نہیں ہے۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- کیا آپ قرآن سے عید پڑھنے کا طریقہ ثابت کر سکتے ہیں؟

ثانیاً:- صحیح بخاری میں کتاب العیدین کے تحت حضرت امام بخاری نے تقریباً نصف صد

احادیث کو 26 مختلف عنوان کے تحت درج کر کے نماز عید کا طریقہ بیان کیا ہے۔
ثالثاً:- اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ نماز عید کے بعض مسائل بخاری میں نہیں تو کیا آپ امام ابو حنیفہ سے نماز عید کے تمام مسائل ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر ثابت کر سکتے ہیں تو امام کا قول پیش کیجیے کہ ایک شخص حرم میں سے نماز عید پڑھ کر کسی ایسے ملک میں چلا جاتا ہے جہاں لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو وہ شخص اگلے روز لوگوں کے ساتھ نماز عید پڑھے یا نہ پڑھے؟ جواب کسی معتبر حوالہ سے مدلل ہونا چاہئے۔

بیٹھ کر پیشاب کرنا

بیٹھ کر پیشاب کرنا بخاری میں نہیں۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- کیا آپ قرآن سے پیشاب بیٹھ کر کرنے کا حکم ثابت کر سکتے ہیں؟
ثانیاً:- مسند ابی حنیفہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی روایت ہے۔ (مسند امام اعظم ص 46 مترجم طبع حامد اینڈ کمپنی لاہور) مگر بیٹھ کر کرنے کی نہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا
ثالثاً:- آپ نے بخاری پڑھی بھی ہے یا صرف اوپر اوپر سے دیکھی ہی ہے۔ بخاری کتاب الوضوء باب من تبرز علی لبنتین' اور باب التبرز فی البیوت' میں بیٹھ کر قضاء حاجت کرنے کا واضح اور کھلا ثبوت موجود ہے۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے مقلد اعمی نہ ہونا شرط ہے۔ جھنگوی نے سات آٹھ سال تو فقہاء احناف کے اقوال کو پڑھا ہے جس سے انہیں ابواب الحیلہ تو ازبر ہو گئے مگر حدیث کو صرف ایک ہی سال پڑھا تھا تو آپ کو سمجھ خاک آنی تھی۔ ایک شاگرد جلدی جلدی حدیث پڑھتا ہو گا اور استاذ اور باقی طلبہ خاموش سنتے رہے۔ جہاں احادیث صحیحہ کا رد اور اہل الرائے کا دفاع کرنا مقصود ہوتا ہو گا وہاں آپ کے شیخ الحدیث کہتے ہونگے کہ ٹھہرو۔ یہ کہہ کر وہ پوری زندگی کی محنت شاقہ سے تیار کردہ رد احادیث کا رجسٹر نکالتے ہوئے کہتے ہونگے۔ لکھو! یہ شافعیہ کی دلیل ہے' یہ مالکیہ کی دلیل ہے' یہ حنابلہ کی ہے' جب کہ ہمارے مذہب کے خلاف ہونے کی وجہ سے منسوخ یا مؤول ہے! اس پر دلیل یہ ہے کہ اصول کرخی ص 11 میں لکھا ہے کہ جو آیات قرآن اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہمارے مذہب

کے خلاف ہیں وہ یا منسوخ ہیں یا مؤول۔

یوں آپ نے دورہ حدیث کا پورا سال حدیث فہمی کی بجائے سنت سے مذاق کرنا اور احادیث صحیحہ کو حنبلی شافعی اور مالکی گروہوں میں تقسیم کرنے کا گر سیکھا ہے اور اسی تربیت سیہ کا اثر ہے ورنہ بخاری میں بیٹھ کر قضاء حاجت کرنے کا بیان ہے۔

جہادی تنظیم کے جھنڈے پر علامات

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے جھنڈے پر تلوار بنائی ہے اور اس پر کلمہ لکھا ہے' یہ دونوں چیزیں بخاری تو کجا دنیا کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہیں کہ حضور علیہ السلام کے جھنڈے پر تلوار بھی ہو اور کلمہ بھی۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر دوسرے لوگ نماز کے بعد کلمہ بلند آواز سے پڑھیں تو بدعتی ہیں اور آپ ایک نیا جھنڈا ایجاد کر لیں تو بدعتی نہ ہوں' یہ کہاں کا انصاف ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 4)

الجواب:- اولاً:- حرکت الانصار نے جو جھنڈا بنا رکھا ہے وہ کس حدیث کی کتاب میں درج ہے' پھر اس جہادی تنظیم کے قاعدین ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھتے ہیں یہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ آپ قمیض کے اوپر جو واسکٹ پہنتے ہیں یہ حدیث کی کس کتاب میں مروی ہے؟

ثانیاً:- بھائی بدعت کی تعریف اور اس کے حکم میں دونوں فریق متفق ہیں۔ وہ یہ کہ کوئی ایسا کام دین میں ایجاد کیا جائے جس کا ثبوت شریعت میں نہ ہو تفصیل کے لئے "دین الحق"۔ حصہ دوم دیکھئے۔

جبکہ جھنڈا اشناختی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ یہ فلاں جماعت کی علامت اور شناخت ہے جس کا تعلق عبادت کے امور سے نہیں جیسے تنظیم میں امیر' نائب امیر' ناظم' نائب ناظم' ضلعی امیر وغیرہ عہدے ہیں یہ دین کے احکام و عبادات سے تعلق نہیں رکھتے 'صرف تنظیمی امور ہیں' جب کہ نماز کے بعد کلمہ کا ورد عبادت میں اضافہ و لاحقہ ہے اور

عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں جھنڈا ایک قسم کا نہیں تھا بلکہ مختلف قسم کے تھے۔

دوہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی دلیل

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری شریف ص926ج2 پر امام بخاری باب باندھتے ہیں۔ باب المصافحہ اس کے نیچے ہاتھ سے مصافحہ والی حدیث لاتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میرا ہاتھ تھا۔ كفى بين كفيه ۔

محمدی: بھائی آپ کی پیش کردہ حدیث میں ملاقات کے مصافحہ کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کے ہاتھ کو تشہد سکھاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیا تھا۔

مولانا عبدالحیٰ لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ :اور صحیح بخاری میں جو یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ " علمنی رسول الله ﷺ و كفى بين كفيه التشهد ...... مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا حالانکہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا۔

اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لے لینا ویسا ہے جیسا کہ بزرگ چھوٹوں کو کوئی چیز تعلیم دینے کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لے لیتے ہیں۔

(مجموعۃ الفتاوی ص119ج1)

اور اگر آپ اس کو ملاقات کے مصافحہ پر ہی محمول کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا۔ جیسا کہ کفی سے ثابت ہوتا ہے۔

حنفی: امام بخاری اس حدیث کو باب المصافحہ میں لائے ہیں اور کفی جنس ہے جو قلیل و کثیر پر بولا

جاتا ہے اور مراد اس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ ہیں۔

محمدی: امام بخاری کے باب المصافحہ سے لغوی مصافحہ مراد ہے کیونکہ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ مصافحہ کے معنی بطن کف کو بطن کف سے ملانا۔ (دیکھیے 'تاج العروس ص 181 ج 2 ولسان العرب ص 514 ج 2)

خود حضرت امام بخاری نے مذکورہ باب کے بعد باب الاخذ بالیدین کے عنوان سے اسے بیان کیا ہے اور آپ کے علامہ سہارنپوری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

((ولما كان الاخذ باليد يجوز ان يقع من غير مصافحة افرده بهذا الباب كذا فى الفتح والقسطلانى '(حاشی بخاری ص 926 ج 2)

یعنی فتح اور قسطلانی میں ہے کہ جب ہاتھ پکڑنا (مقصود) تھا تو ممکن ہے کہ یہ مصافحہ (ملاقات کے وقت جو کیا جاتا ہے) وہ نہ ہو اور اسی وجہ سے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

باقی رہا آپ کا اسے جنس ٹھہرا کر اپنا مقصد حاصل کرنا تو اس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ غیر مسلم ہے 'مزید عرض ہے کہ لفظ کف مفرد کا صیغہ ہے اس سے تثنیہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کفی سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ مراد ہیں تو کفی بین کفیہ کا معنی یہ بنے گا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے۔ تو اس طرح تو مصافحہ کی صورت بنتی نہیں کیونکہ ابن مسعود کی ہتھیلیوں نے تو رسول اللہ کی ہتھیلی کے ساتھ مس ہی نہیں کیا۔ اس طرح مصافحہ کرنے کے تو آپ حضرات بھی قائل نہیں ہیں۔

حنفی: پیارے! آپ ذرا میری طرف ہاتھ بڑھائیں۔ دونوں ہاتھ آگے کریں دیکھو مصافحہ ہو رہا ہے' آپ کے دونوں ہاتھ ہیں لیکن میرے دو ہاتھوں کے درمیان جو ہاتھ آ رہا ہے وہ صرف ایک ہی ہاتھ ہے دوسرا تو باہر ہے اسی طرح میرا بھی ایک ہی ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان ہے' اس سے یہ کیسے لازم آیا ہے کہ صحابی نے ایک ہاتھ دیا تھا۔

صحابہ کرام تو آپ ﷺ کے اشارہ ابرو پر مر مٹنے پر تیار ہو جاتے تھے ان سے یہ

توقع کرنا کہ حضور علیہ السلام دو ہاتھ دیں اور صحابی ایک ہاتھ بڑھائے ناممکنات میں سے ہے ۔بفرض محال ایک منٹ کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ صحابی نے ایک ہاتھ دیا تھا تو پھر بھی ہمارے لیے اسوۂ رسول ﷺ مقدم ہے بہت سارے مقامات پر جب اہل سنت اقوال صحابہ پیش کرتے ہیں تو تم فوراً یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہو کہ صحابی کی بات حجت نہیں ہم نہیں مانتے۔تراویح طلاق وغیرہ مسائل میں۔

محمدی: اس استدلال میں آپ نے کفی کو جنس قرار دے کر مذکورہ کیفیت مصافحہ کی بیان کی ہے مگر آپ نے اس میں ایک غلطی تو یہ کی ہے کہ مفرد کو تثنیہ بنایا ہے اور دوسری بین کفیہ کی صفت کو ترک کر دیا کیونکہ آپ اس سے مفرد مراد لیں یا تثنیہ دونوں صورتوں میں الفاظ حدیث کے موافق بین کفیہ (دونوں ہتھیلیوں کے درمیان) ہونا ضروری ہے مگر آپ الٹی گنگا بہاتے ہیں اور مفرد سے تثنیہ تو بنایا ہی تھا بین کفیہ کو نظر انداز کر دیا۔پھر اس استدلال میں آپ نے قرآن کی کوئی آیت یا حدیث سے کوئی تائید' آئمہ لغت کا کوئی قول پیش نہیں کیا ۔محض آپ نے جذباتی انداز میں یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت ﷺ تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کریں اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے۔

عزیز بھائی یہ مسلم ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا از حد ادب واحترام کرتے تھے' مگر کسی ادب واحترام کا ان سے ثابت ہونا بھی تو بیان کیا جائے اور یہ بھی شریعت کے واضح دلائل سے ثابت کیا جائے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ادب واحترام کے منافی ہے۔یہ آپ کا سارا ہوائی قلعہ ہے' جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور دلائل کے بالمقابل اس کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں۔یہ بھی خوب فرمایا کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا تو تب بھی اسوۂ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے مقدم ہے یہ محض آپ کا ڈھکوسلہ ہے۔کیونکہ اصول کی کتابوں میں واضح لکھا ہے کہ جس فعل پر رسول اللہ ﷺ خاموشی اختیار کریں وہ حکماً مرفوع ہوتا ہے۔مگر یہاں صحابی کا فعل خاص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اسے محض ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل قرار دے کر رد کرنا

آپ جیسے مقلدین کا ہی کام ہے' پھر آپ نے اس میں کفی کو مفرد تسلیم کر لیا ہے جس سے آپ کے تمام دعوے باطل ہو کر زمین بوس ہو گئے ہیں' باقی رہا یہ امر کہ رسول اللہ ﷺ نے تو دونوں ہاتھوں سے ہی مصافحہ کیا تھا' تو اس کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مصافحہ ملاقات کے وقت پر نہ تھا۔

حنفی: بھائی جان! فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں امام بخاری نے جو باب (بخاری ص 104ج 1) پر باندھا ہے جب مسئلہ فاتحہ کا آتا ہے تو اس وقت باب مانے جاتے ہیں یہاں باب کا انکار کیوں ہو گیا ہے؟ یہ تو منون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض "کا رویہ آخر کس کا تھا؟ دوسرا مسئلہ رفع یدین کے ترک میں جب اہل سنت والجماعت 'مست گھوڑوں والی روایت پیش کرتے ہیں اس وقت ہر غیر مقلد وہابی چیختا ہے کہ (مسلم ص 181ج 1) پر باب دیکھو وہاں باب نہ بخاری کا ہے نہ مسلم کا بلکہ امام نووی نے باندھا ہے وہ بھی باب الامر بالسکون فی الصلوۃ نماز میں سکون اختیار کرنے کا باب۔ بھائی صاحب اس وقت آپ کو بڑے باب یاد آتے ہیں اور جب اپنے خلاف پڑا امام بخاری کا باب تو فوراً کہہ دیا ہم باب نہیں مانتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 6)

محمدی: مسئلہ کی بات تو ہوتی ہی رہے گی' خیر خواہی کی نیت سے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے قرآن کی آیت کو غلط لکھا ہے درست الفاظ افتؤمنون کے ہیں ہمارے خلاف باتیں بنانے میں ہی مصروف نہ رہا کریں قرآن کی بھی تلاوت کیا کریں اللہ توفیق دے۔

جھنگوی صاحب یہ بتائیں کہ مذکورہ آیت میں الکتاب سے مراد کتاب اللہ ہے یا بخاری؟ اگر بخاری ہے تو فاتحہ خلف الامام کے باب کو تو آپ تسلیم نہیں کرتے (حالانکہ وہاں امام بخاری نے واضح مرفوع احادیث پیش کی ہیں اور یہاں باب کو ماننا تو کجا منوا بھی رہے ہو۔ آخر آپ میں یہ دورنگی کیوں ہے؟ باقی رہا ہمارا معاملہ تو یہاں ہم مصافحہ کے باب کو مانتے ہیں مگر اسے لغوی معنی پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ علامہ سہارنپوری کی عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مذکورہ ارشاد ربانی کسی امام کے اقوال کو ماننے کے

بارے میں نہیں بلکہ کتاب اللہ کے لیے ہیں۔ لہٰذا آپ کی یہ تفسیر بالرائے ہے' دوسرے لفظوں میں قرآن کریم پر آپ نے افتراء باندھا ہے آخر آپ کو اس قدر جھوٹ بولنے کی عادت کیوں ہے؟

اس بات کی خبر ہمیں پہلے سے ہے کہ مسلم پر ابواب علامہ نووی نے باندھے ہیں' مگر آپ کے رئیس المناظرین تو کہتے ہیں مسلم پر ابواب امام مسلم نے منعقد کیے تھے۔ مدار الحق ص38 'اسے آپ جہالت سے تعبیر کریں یا علم سے' یہ ہم آپ کی مرضی پر چھوڑتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ ہم آپ کے استدلال کی خامی بیان کرتے ہوئے صحیح مسلم کی تبویب سے تائیدی طور پر استدلال کرتے ہیں' مگر یہ بات مسلم نہیں کہ ہمارا استدلال فقط علامہ نووی کے تراجم ابواب سے ہوتا ہے کیونکہ ہم اس پر مفصل حدیث نقل کر کے آپ کے ڈھکوسلے کو رد کرتے ہیں۔ چنانچہ (صحیح مسلم ص 181 ج 1) میں ہی مفصل حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو اختتام نماز پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے بھی اشارہ کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں۔ تم میں سے جب کوئی نماز ختم کرے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کر کے صرف زبان سے السلام علیکم ورحمۃ للہ کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ انتھی

اس مفصل حدیث نے آپ کی پیش کردہ مختصر حدیث کی تفسیر کر دی ہے کہ اس میں سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے سے منع کیا گیا ہے نا کہ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کی ممانعت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ اس صحیح صریح حدیث کی وجہ سے ہی دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن خاں دیوبندی فرماتے ہیں کہ باقی اذناب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں' کیونکہ وہ سلام کے

بارہ میں ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم بوقت سلام نماز اشارہ بالید بھی کرتے تھے' آپ ﷺ نے اس کو منع فرمادیا۔(الورد الشذی ص63)

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم کراچی فرماتے ہیں کہ :لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے' حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے' اور رفع عندالسلام سے متعلق ہے' کیونکہ ابن القبطیہ (راوی حدیث) کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرت جابر کی یہ حدیث رفع عند السلام ہی سے متعلق ہے اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جب کہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے بعد سے خالی نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام سے متعلق ہے۔ابن القبطیہ کا طریق مفصل ہے اور دوسرا طریق مختصر اور مجمل۔لہٰذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہیے شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔(درس ترمذی ص36 تا37 جلد دوم طبع کراچی 1992ء)

ان دونوں عبارات سے جس طرح ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں' صاف واضح ہے کہ حنفیہ کی پیش کردہ روایت مختصر ہے' مفصل حدیث میں نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے ہوئے رفع الیدین کرنے کی ممانعت سے اس کا تعلق ہے اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرنے کی ممانعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس سے حنفیہ کا استدلال انصاف کے منافی ہے۔ مگر افسوس کہ حضرت جھنگوی صاحب جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں کرتے کہ حنفیہ کے استدلال کو اہل حدیث علامہ نووی کے تراجم ابواب سے ہی چیخ چیخ کر رد کرتے ہیں پھر مزید تکلیف دہ بات یہ ہے کہ غلط بیانی کرتے ہوئے مفصل حدیث کو چھپا رہے ہیں اور اپنے اکابر کی تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے اہل حدیث پر طعن کر رہے ہیں' اس پر انہیں شرم ہے نہ حیا۔

حنفی: بھائی ایک ہاتھ 'ید' کا معنی کرنا آپ کے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ تو آپ کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ دائیں ہاتھ سے کسی مسلمان کو تنگ نہ کرے' بائیں سے اس کی جیب کاٹ لے' چھری مار کے کسی کو ہلاک کردے یہ جائز ہوگا۔

محمدی: سبحان اللہ میرے بھائی ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ ید کا لفظ ہر مقام پر ہی ایک ہاتھ کے لئے مستعمل ہے۔ یہ فریقین کو مسلم ہے کہ قرینہ سے معنی بدل جاتا ہے اسی لفظ ید کو ہی لے لیجئے' یہ سورہ بقرہ آیت 237 میں قوت قبضہ اور ملکیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور سورہ المجادلہ آیت 12 میں بمعنی پہلے اور سورہ یٰسین آیت 9 میں بمعنی سامنے اور سورہ بقرہ آیت 66 میں بمعنی موجود کے استعمال ہوا ہے' تو کیا آپ ان تمام مقامات پر ید کا معنی دو ہاتھ کریں گے۔

سورہ مائدہ آیت 38 میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے تو کیا آپ یہاں ید کا یہ معنی کریں گے کہ چور کے دونوں ہاتھ کاٹ دو' کچھ اللہ کا خوف کیجئے۔ آخر مر کر مٹی میں دفن ہونا ہے' وہاں ان دھڑے بندیوں نے کام نہیں آنا۔

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی مشترک لفظ کے معنی میں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ ید مفرد کو تثنیہ کے معنی لینے کے لیے قرینہ کا ثبوت دیں ورنہ یہ اصلی اور وضعی معنی کے لئے قائم رہے گا۔ اور بلا قرینہ آپ کو مفرد سے تثنیہ کوئی بنانے نہیں دے گا۔ باقی آپ نے جو حدیث پیش کر کے اس کے معنی کے ساتھ مذاق کیا ہے وہ مردود ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو ابن حبان رقم الحدیث (510) اور مستدرک حاکم 11/1 و مسند احمد 154/3 میں صحیح سند سے مروی یہ الفاظ بھی ہیں:

((المومن من أمنه الناس)) یعنی مومن وہ ہے جس سے لوگ محفوظ ہوں۔

حاکم وذہبی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری 46/1 میں اس کو صحیح کہا ہے' اور منذری نے '

جید' الترغیب 354/3 علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد اور صحابہ کرام سے مروی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی کی بائیں ہاتھ سے جیب کاٹ لی جائے یا چھری ماری جائے تو وہ امن میں نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں لفظ ید بطور محاورہ بمعنی قوت استعمال ہوا ہے وہ خواہ سیاسی ہو یا اخلاقی یا کوئی اور بہر صورت تم سے دوسرا مسلمان محفوظ ہونا چاہیے یہ نہیں کہ تم زبان اور ہاتھ سے تو کچھ نہ کہو مگر اخبار میں خبر شائع کروادو کہ یہ بدکار ہے وغیرہ۔ یا پولیس سے رابطہ کر کے کسی پر جھوٹا چوری کا پرچہ درج کروا کر اس کی چمڑی اتروا دینا وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں اس حدیث کے زمرہ میں آتی ہیں۔ لیکن ان کی سمجھ کے لئے اندھا مقلد نہ ہونا شرط ہے۔

حنفی: بھائی انگریز کہتا ہے: گڈ مارننگ' اور پھر ایک ہاتھ ملاتا ہے۔

محمدی: بھائی انگریز سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیونکہ انگریزوں میں تو مسلمان بھی ہیں اور اگر عیسائی مراد ہیں تب بھی آپ کی یہ بات غلط ہے' کیونکہ آپ کی بات کا مقصد تو یہ ہوا کہ عیسائی جو بھی عمل کریں ہم اس کی نفی کریں۔ اگر وہ اللہ کو تسلیم کرے یا نبوت کا قائل ہو یا یہ کہے کہ جھوٹ نہ بولو' کسی کا حق نہ کھاؤ' تو ہم ان تمام چیزوں کی نفی کریں ویسے آپ عالم ہیں کبھی کلام الٰہی کو پڑھا بھی ہے کہ نہیں اس میں تو واضح ارشاد ہے کہ

﴿قل یا هل الکتب تعالو ا الی کلمة سواء بیننا وبینکم﴾ (سورہ ال عمران آیت 64)

یعنی اے نبی کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ!

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب سے بعض چیزیں مسلمانوں کی مشترک ہیں۔ لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو آپ خالص عیسائیوں کا طریقہ ثابت کریں اور قرآن یا حدیث سے ایک ہاتھ کی نفی ثابت کریں۔

فصل دوم

ننگے سر نماز

سنت کی تعریف: جھنگوی صاحب نے ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت پر دلیل دینے کی بجائے سب سے پہلے سنت کی تعریف پر گفتگو کی ہے' معلوم نہیں کہ زیرِ بحث مسئلہ سے سنت کی تعریف کا کیا تعلق ہے۔ بہر حال فرماتے ہیں کہ جو کام نبی پاک علیہ السلام نے ہمیشہ کیا ہو وہ سنت ہو اکرتی ہے جو کام کر کے چھوڑ دیا ہو یا کبھی کیا ہو بعد میں نہ کیا ہو سنت نہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص9)

الجواب:- اولاً:- بلا شبہ حنفیہ کا یہی مؤقف ہے کہ سنت وہی ہے جس پر ہمیشگی ثابت ہو۔ اور اس ہمیشگی میں بھی ان کا یہ مؤقف ہے کہ وہ فعل بطور عبادت ہو۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ ((لکن المواظبة لا تفید السنیة الا اذا کانت علی سبیل العبادة وأما اذا کانت علی سبیل العادة فتفید الاستحباب والندب لا السنیة کلبس الثوب والاکل بالیمین ومواظبة النبی ﷺ علی التیامن کانت من قبیل الثانی فلا تفید السنیة کذا فی شرح الوقایة))

یعنی ہیشگی بھی کسی فعل کے سنت ہونے کی دلیل نہیں' جب تک اس فعل کو علی سبیل العبادت نہ کیا گیا ہو۔ اگر کوئی فعل بطور عادت ہمیشہ حضور علیہ السلام نے کیا ہو تو وہ مستحب و مندوب تو ہے لیکن سنت نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ لباس پہنا' ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا اور وضو کو ہمیشہ دائیں طرف سے شروع کیا تو یہ تمام کام مستحب تو ہیں لیکن سنت نہیں ہیں۔ (اعلاء السنن ص118 ج1 باب استحباب التیامن فی الوضوء)

یہ عبارت 'شرح وقایہ ص64 ج1' میں موجود ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ جھنگوی ٹولہ کے نزدیک جو کام آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ

کیا ہے وہ بھی سنت نہیں' بلکہ ان کے نزدیک کسی فعل کے مسنون ہونے کے لئے پہلے فقہاء کے دستخط ہونے ضروری ہیں' وہ جسے سنت قرار دیں وہ سنت اور وہ جس کو سنت سے خارج قرار دیں وہ خارج 'انا للہ وانا الیہ راجعون' مثلاً فقہاء احناف کے نزدیک تراویح اور اذان دونوں ہی سنت ہیں۔ حالانکہ تراویح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نہیں پڑھا جبکہ اذان تو زندگی بھر ایک بار بھی نہیں کہی' اس کے برعکس تہجد اور چاشت کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھا ہے' حالانکہ احناف کے نزدیک اُمت کے لیے یہ سُنّت نہیں بلکہ نفل ہیں۔ دیکھئے تحفۃ الاخیار ص ۲۲ و ۲۳ مندرجہ مجموعہ رسائل اللکنوی ۴/۳۶۲۔

ثانیاً:- ہم پوچھتے ہیں کہ اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا' دائیں طرف سے وضو کی ابتدا کرنا' بطور عادت تھا' بطور عبادت نہ تھا' یہ سب جھوٹے بہانے اور سنت کو قبول نہ کرنے کے ڈھنگ ہیں'

ثالثاً:- علمائے دیوبند کے نزدیک نماز کی سنتیں (24) چوبیس ہیں' نماز مسنون ص310 اور علمائے بریلویہ کے نزدیک (26) چھبیس ہیں' نماز کی سب سے بڑی کتاب ص475 لہٰذا جھنگوی کے نزدیک جو مؤقف درست ہے اس کے ہر ایک عدد پر ایک صحیح مرفوع متصل حدیث ثابت کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں ہمیشہ آخری نماز تک کیا ہے کبھی بھی ترک نہیں کیا اور ان افعال کو بطور عبادت کرتے تھے نا کہ بطور عادت' اگر جھنگوی ان چوبیس نماز کی سنتوں پر ایسی حدیث ثابت کردے تو ہم مان جائیں گے کہ سنت وہی ہوتی ہے جیسا کہ جھنگوی نے اس کی تعریف کی ہے کہ جسے آنحضرت ﷺ ہمیشہ کرتے تھے' مگر قارئین کرام یاد رکھئے پوری دنیا کے مرجئ اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔

رابعاً:- جو فعل جس حالت و کیفیت میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے خواہ وہ زندگی میں ایک بار کیا یا زیادہ بار' وہ فعل سنت خیر الانام ہے' بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو ہم حسب ذیل سنن کی نشان دہی کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ہی بار کیا ہے مگر پوری امت مرحومہ کے نزدیک وہ افعال سنت ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت ایک بار ہی کی ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر صرف ایک بار کی ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کے لئے دور کا سفر صرف ایک بار طائف کا کیا ہے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر صرف ایک بار ہی نماز پڑھی ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار ہی تبلیغ کے لئے وفد بھیجا ہے' جس کے نتیجہ میں بئر معونہ کا المناک سانحہ پیش آیا تھا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار ہی معراج کی رات انبیاء کو امامت کرائی ہے' تو کیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور امام مہدی ان کی امامت کروائیں گے' (صحیح مسلم ص 87 ج 1) تو امام مھدی کا یہ فعل غیر مسنون ہو گا؟۔

(۷) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار خندق کھودی تھی' تو کیا اب جہاد میں مورچے بنانا غیر مسنون ہے۔

(۸) بقول مولانا عثمانی سورج گرہن کا واقعہ صرف ایک بار ہی پیش آیا اور نماز کسوف شمس بھی ایک بار ادا کی گئی' درس ترمذی ص 351 تا 352 ج 2۔

(۹) رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر صرف ایک بار گئے ہیں' تو کیا اب والدین کی قبروں پر جانا غیر مشروع ہے۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ نے حج صرف ایک بار ہی کیا ہے تو کیا حج کو اسی طریقہ سے ادا کرنا غیر مسنون ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ:-

ہم نے سرسری طور پر اس فہرست کو مرتب کیا ہے' اگر ہم ان مسائل پر تحقیق کریں اور ان کی بلاؤں اور مصیبتوں کو جمع کریں تو' تحفہ اہل حدیث' سے دوگنا زیادہ کتابچہ تحریر کر سکتے ہیں' الغرض جھنگوی مذکورہ مسائل کے بارے صراحت کرے کہ آیا یہ مسنون ہیں یا حرام و ناجائز اور بدعت ہیں' پھر اس کے ساتھ ساتھ جھنگوی اس چیز کو بھی ثابت کرے اور اس پر قرآن یا حدیث مرفوع متصل پیش کرے کہ جو کام اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بار کیا ہے اس کی پیروی غیر ضروری اور سبیل المومنین سے ہٹ کر ہے' اور یہ کہ اطاعت رسول ﷺ اور اسوہ حبیب کبریٰ علیہ السلام کی آیات میں تخصیص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

اتباع و پیروی صرف ان افعال میں ہے جن کو آپ علیہ السلام نے دوام والتزام اور ترک کے بغیر کیا ہے۔

قارئین کرام یاد رکھیے پوری دنیا کے مرجھیہ علامہ فہامہ اکھٹے ہو کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس پر کوئی واضح اور صریح دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

میرے عزیز بھائیو! اگر جھنگوی ٹولہ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو نبوت سے ایمان اُٹھ جائے گا۔ ہر خود غرض اور بدعتی اللہ کے رسول علیہ السلام کے اقوال و افعال کو یہ کہہ کر رد کر دے گا کہ یہ صرف ایک آدھ بار کا واقعہ ہے۔ لہذا سنت اور قابل عمل نہیں۔

جھنگوی کا اعتراض: پھر تو آپ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو سنت کہتے ہوں گے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا تھا۔

بخاری ص 35,36,336 اور بخاری میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث ایک جگہ بھی نہیں آتی مزے کی بات یہ ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث مسلم شریف میں بھی نہیں اور کھڑے ہو کر کرنے کی حدیث ہے۔ مسلم ص 113 ج 1 حضور علیہ السلام نے بچی اٹھا کر نماز پڑھی ہے۔ (بخاری ص 74 ج 1 و مسلم ص 205 ج 1)

آپ علیہ السلام نے نماز کے دوران کنڈی کھولی ہے (ابوداؤد) ان سب کاموں کو آپ سنت سمجھتے ہیں ان سنن پر آپ نے کتنی مرتبہ عمل کیا ہے؟ دیکھو بھائی یہ کام آپ نے کیے بھی ہیں پھر بھی سنت نہیں ہیں، یہی ہم کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ہر فعل سنت نہیں ہے مثلاً وضو میں کلی کی ہے، اور وضو کے بعد بیوی کا بوسہ بھی لیا ہے اسے سنت نہیں کہتے، فعل دونوں اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہیں ایک سنت، دوسرا نہیں۔ اسی طرح نماز میں ثناء پڑھنا سنت ہے لیکن بچی کو اٹھانا سنت نہیں ہے، جبکہ آپ نے دونوں کام کیے ہیں۔ اس بات کو آپ بھی مانتے ہیں اگر دونوں سنت ہیں جس طرح آپ پہلے کہہ رہے تھے تو جتنے اہل حدیث بغیر بچی اٹھائے مسجد میں آتے ہیں، سب تارکین سنت میں شامل ہیں اور جو بیوی کا بوسہ لے کر

نہیں آتے وہ بھی تارکین سنت میں سے ہوئے۔ (تحفہ اہل حدیث ص ۱۰)

محمدی: اولاً:- یا تو آپ کا حافظہ کمزور ہے یا جان بوجھ کر غلط بیانی کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے پہلے تو سنت کی یہ تعریف بیان کی کہ سنت وہ ہے جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو' ایک آدھ بار کیے ہوئے فعل کو سنت کا نام نہیں دے سکتے' مگر آپ کی پیش کردہ امثلہ میں سے دو پر تو رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر عمل رہا ایک تو بچی کو اٹھا کر نماز ادا کرنے کا کیونکہ اس میں کان کا لفظ ہے جو دوام کو چاہتا ہے دوسرا بیوی کا بوسہ لینا۔ کیا آپ کسی واضح اور صریح دلیل سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ہی بار بیوی کو بوسہ دیا تھا اگر نہیں یقیناً نہیں تو آپ کی بیان کی ہوئی تعریف کی رو سے بھی بیوی کا بوسہ لینا سنت ثابت ہوا۔ اگر آپ اس کی سنیت سے انکاری ہیں تو بتایئے اگر بیوی کا بوسہ لینا غیر مسنون ہے تو کیا رنڈی کا لینا کار ثواب ہے۔ کچھ عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو! باقی آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث آخر وضو کے بعد بیوی کا بوسہ کیوں نہیں لیتے ؟ میں پوچھتا ہوں کہ وضو کے بعد بیوی کا بوسہ آنحضرت ﷺ نے دوام کے ساتھ بغیر ترک کے لیا ہے یا کبھی اتفاقاً ایسا ہوا ہے؟

دوام سے تو آپ کو انکار ہے ہاں البتہ اتفاقی آپ کہہ رہے ہیں تو پھر آپ کو اس پر اعتراض آخر کیا ہے ؟ کیا آپ نے کبھی آج تک بیوی کا بوسہ وضو کی حالت میں نہیں لیا اگر آپ یہ کہیں کہ وضو سے فوراً بعد کبھی نہیں کیا تو راقم عرض کرتا ہے کہ حدیث میں کس لفظ کا یہ معنی ہے کہ وضو کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ نے بیوی کو بوسہ دیا تھا۔

ثانیاً:- بخاری وغیرہ میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث کا ہم تفصیل سے جواب عرض کر چکے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اس کا ثبوت بخاری سے ہی دے دیا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گو فعل نبوی ﷺ ہے مگر مسنون نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حنفیہ کے قول واقوال کا جب اہل حدیث کی طرف سے بے سند ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف کا انہوں نے سد باب یہ کیا ہے کہ سنت کو مذاق کر کے اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کر لیا جائے ان قبیح کاموں سے دل ماؤف کو تسکین دیتے ہیں۔

قارئین کرام یہ ہمارے ساتھ مذاق نہیں بلکہ فعل رسول ﷺ کے ساتھ مذاق ہے اور انشاءاللہ اس کے بارے ان سے قیامت کے روز سوال ہوگا۔

عزیز بھائیو! اس حدیث کی شرح میں محدثین کرام اور فقہائے احناف نے متعدد توجیہات کی ہیں۔ آپ بھی سن لیجئے۔ مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: لیکن یہ تمام توجیہات ضعیف اور بعید ہیں۔ صرف دو توجیہات بہتر ہیں' ایک یہ کہ آپ کے گھٹنے میں اس وقت تکلیف تھی' جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا اس کی تائید حاکم اور بیہقی کی ایک روایت سے ہوتی ہے...... یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لئے قائماً (کھڑے) پیشاب کیا ہو۔ (درس ترمذی ص 201 ج 1)

اس عبارت میں انہوں نے ان دو کو بہتر قرار دے کر دوسری توجیہات کو رد کر دیا ہے۔ پھر پہلی توجیہ کی روایت کو خود ضعیف قرار دے کر اسے معلول کہہ دیا ہے' باقی رہی دوسری تو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں لہذا راقم الحروف علی وجہ البصیرت کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر عذر کی وجہ سے پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت پر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف مولانا عثمانی نے درس ترمذی میں کیا ہے۔ اگر جھنگوی صاحب یہ عذر بدتر کریں کہ حدیث میں عذر کا لفظ دکھائیں تو ہم اس مقلد اعمٰی کو کہتے ہی ہیں کہ اسی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب روڑی پر کیا۔ (بخاری رقم الحدیث (244و225) الغرض عذر کے لئے روڑی ہونا قوی قرینہ ہے کیونکہ روڑی پر گندگی ہوتی ہے۔

ثالثاً:- بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کے بارے عرض ہے کہ صاحب درالمختار نے اس کو مکروہ کہا تھا اس پر تعاقب کرتے ہوئے ابن عابدین فرماتے ہیں کہ "یہ مکروہ کیسے ہوا جب بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کی حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اس کا جواب عجیب و غریب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور یہ دعویٰ مردود ہے کیونکہ جس حدیث سے نسخ کا دعویٰ کیا جا رہا ہے وہ تو ہجرت سے پہلے کی ہے اور بچی اٹھا کر نماز ادا کرنے کی حدیث ہجرت کے بعد کی ہے اور

البدائع میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ اس سلسلہ میں محتاج تھے۔
امامۃ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا یا یہ فعل آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کی تشریح کے لئے کیا تھا اور اسی طرح کا فعل ہمارے زمانے میں بھی مکروہ نہیں اگر کوئی ہم میں سے اس کا محتاج ہو' اور بغیر حاجت کے مکروہ ہے اور اس پر مفصل بحث ابن امیر الحاج نے حلیہ میں کی ہے پھر کہا ہے کہ یہ فعل نبوی بیان جواز کی تشریح کے لیے تھا اور یہی درست اور اعتدال پسندی (افراط و تفریط سے محفوظ) ہے جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔ (فتاوی شامی ص653ج1)

الغرض آنحضرت ﷺ کا یہ فعل ایک ضرورت کے تحت تھا اور ضرورت کے تحت آج بھی سنت ہے۔ آپ کے مقلد بھائی مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی شارح صحیح مسلم فرماتے ہی کہ: جن حالات میں نبی علیہ السلام سے یہ فعل منقول ہے انہیں حالات کی روشنی میں یہ فعل سنت ہے۔ (شرح صحیح مسلم ۲/۱۱۴)

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث بچوں کو مسجد میں ساتھ نہیں لاتے' بھائی ہم تو لاتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کو گود وغیرہ میں بھی لے لیتے ہیں مگر ذرا اپنے گھر کی خبر تو لیجئے آپ کی معتمد علیہ کتاب در مختار میں لکھا ہے کہ: ((لا یفسد ماء البئر ولا الثوب بانتفاضه ولا بعضه ما لم یر ریقه ولا صلاة حاملة ولو کبیرا))
(اگر کتا) کنوئیں میں گر گیا تو اس کا پانی نجس نہیں ہو گا اور نہ ہی کپڑے کی طہارت زائل ہو گی' اس کی چھینٹوں سے جب تک اس کا لعاب نہ لگے اور اس (کتے کو) اٹھا کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ (کتا) خواہ بڑا ہی ہو۔

(در مختار مع رد المحتار ص208ج1)

ابن ھمام ھدایہ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ: ((لو صلی حامل فارة حیة جازت)

(فتح القدیر ص74ج1)

یعنی اگر زندہ چوہے کو اٹھا کر نماز ادا کی جائے تو جائز ہے۔ہم تو مسجد میں آتے ہوئے اسوۂ رسول کی پیروی میں اپنے ساتھ بچوں کو لاتے ہیں تو کیا تم جب مسجد میں آتے ہو تو اپنے اس فقہی مسئلے کو اپنانے کیلئے انگریز کی سنت پر عمل کرتے ہوئے چوہوں اور کتوں کو ساتھ لاتے ہو؟

نظر اپنی اپنی' پسند اپنی اپنی

نصیب اپنا اپنا' پسند اپنی اپنی

رہا نماز کی حالت میں کنڈی کھولنے کا جواب تو عرض ہے کہ اسی حدیث میں ہی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ((ان الباب فی القبلة)) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرے کا دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ابو داود مع عون ص346ج1اور نسائی کی روایت میں صراحت ہے کہ ((یصلی تطوعا)) یعنی آپ نفل نماز ادا فرما رہے تھے۔نسائی ۱۴۱/ اباب المشی امام القبلة۔۔۔ان حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے دستک دی تو آنحضرت ﷺ نے کنڈی کھول دی واضح رہے کہ حضرت عائشہ کا حجرہ تنگ تھا۔مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ کا حجرہ بھی چھوٹا سا تھا اور اس میں پے در پے مشی (چلنا) بظاہر ممکن ہی نہ تھا۔اس لئے ظاہر یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ڈیڑھ قدم چل کر دروازہ کھول دیا ہوگا اور پھر اپنے مقام پر آگئے ہوں گے اور اتنی مشی (چلنا) منافی صلوۃ نہیں۔

(درس ترمذی ص388ج2)

حجرے کے تنگ ہونے کی دلیل بخاری کی اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد ادا فرماتے تو میں ان کے آگے بستر پر آرام کر رہی ہوتی جب وہ سجدہ کرتے تو میرے پاؤں کو دباتے تو میں انہیں سمیٹ لیتی۔

(بخاری الحدیث514)

ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت حجرے کے تنگ ہونے کی وجہ سے ہی پیش آتی تھی۔الغرض اگر آج بھی کوئی تنگ مکان میں نماز نفل ادا کر رہا ہو اور اس کی بیوی وغیرہ

دستک دے تو ایک آدھا قدم قبلہ کی جانب چل کر کنڈی کھول دینا مسنون ہے۔ مگر فقاہت کے ان ٹھیکے داروں کو یہ سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آرہی اور اسے ترچھی آنکھ سے دیکھتے ہوئے اہل حدیث پر معترض ہیں۔

ننگے سر نماز ادا کرنے کا ثبوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز وہ ایک کپڑے کو جسم پر لپیٹے نماز پڑھ رہے تھے۔ جبکہ دوسرا کپڑا قریب رکھا ہوا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے کہا آپ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کر رہے ہیں' جبکہ دوسرا کپڑا آپ کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے جیسے جاہل و احمق مجھے دیکھ لیں۔ ((رایت النبی ﷺ یصلی کذا)) میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث 370 کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ بغیر رداء)

حضرت عمر بن سلمۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((انہ رای النبی ﷺ یصلی فی ثوب و احد فی بیت ام سلمۃ قد القی طرفیہ علی عاتقیہ)) یعنی انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک کپڑے میں نماز ادا فرما رہے تھے اور کپڑے کے دونوں کناروں کو آپ نے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔

(بخاری باب الصلوۃ فی الثوب الواحد......)

صحیح مسلم ص 198 ج 1 میں متوشعا کے الفاظ بھی ہیں جن کا مقصود یہ ہے کہ کندھوں پر چادر کے مخالف کنارے ڈال رکھے تھے۔

حنفی: بھائی! اس حدیث سے سر ننگا ثابت کرنا سینہ زوری ہے' ننگے سر کا لفظ دکھاؤ ضروری نہیں ایک کپڑا ہو تو سر ضرور ننگا ہو جائے۔ ایک بڑی چادر کے اندر آدمی اچھی طرح لپٹ جائے تو سر بھی ڈھک جاتا ہے اور بدن بھی۔ (ص 39)

محمدی: میں نہ مانوں کا تو علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔ بھائی! اس حدیث سے سر کا ننگا ہونا تو

واضح ہے مگر آپ انکاری ہیں پھر دلیل یہ دیتے ہو کہ بڑی چادر ...... الخ۔ حدیث میں جس طرح ایک چادر کا ذکر ہے اسی طرح اس کو لپیٹنے کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اس کے کناروں کو مخالف سمت سے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ پھر بخاری باب عقد الازار علی القفاء ......میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔

((قد عقده من قبل قفاه وثيابه موضوعة على المشجب)) یعنی تہ بند کو گدی پر باندھ رکھا تھا۔

اب اس کیفیت اور وضع سے کپڑے کو بدن پر ڈالیں پھر سر پر ڈال کر دکھائیں ؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ضمیر بھی مذکورہ تحریر لکھتے وقت ملامت کر رہا تھا جس کا واضح ثبوت آپ کے الفاظ 'ضروری نہیں' کے ہیں۔ ان الفاظ میں آپ کو سر ننگا ہونے کے احتمال کا اقرار ہے۔

حنفی: بھائی! اگر اور کپڑے نہ ہوں تو ایک کپڑے میں نماز ادا کر سکتے ہیں' یہ کام حضور علیہ السلام نے بیان جواز کے لیے کیا تھا۔

محمدی: پہلے تو آپ کو انکار تھا اب بیان جواز کا عذر کرتے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے جس عمل کو اللہ کے رسول ﷺ اپنے فعل سے جائز قرار دیں تم کون ہو ؟ اس کے رد میں کتاب لکھنے والے اور تمہارے فقہاء اس کو مکروہ کہنے والے؟ جیسا کہ مستملی ص 348 میں ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

حنفی: بھائی! پہلے آپ مان چکے ہیں کہ ایک آدھ دفعہ کیا ہوا کام سنت نہیں ہوتا۔ سنت دوامی ہوتی ہے نہ کہ ہنگامی اگر ایک کپڑے میں نماز سنت ہے تو آپ کی مساجد میں یہ سنت ذبح ہو رہی ہے۔ آج ہی آپ اعلان فرمائیے کہ چھ چھ کپڑے پہن کے نماز جو بھی پڑھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ کیونکہ آپ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے۔

محمدی: میرا حافظہ تو ماشاء اللہ ٹھیک ہے مگر آپ کو جھوٹ بولنے کی کثرت سے عادت ہے میں نے کب آپ سے کہا تھا کہ ایک بار کیا ہوا فعل سنت نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا اسے ہنگامی کہہ کر دل کے بوجھ کو ہلکا کرنا تو یہ بھی فضول ہے حدیث میں کس لفظ کا معنی ہنگامی ہے؟

رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہماری مساجد میں اس سنت کو ذبح کیا جارہا ہے' تو اس پر ہم لعنت اللہ علی الکاذبین کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس نادان دل میں کون یہ بات ڈالے کہ اس حدیث میں شرائط لباس میں سے سب سے کم کا بیان ہے ناکہ زیادہ کا' اس بات کو ملحوظ رکھیے اور ہماری بات کو بخوبی سن لیجئے کہ ایک کپڑے میں نماز کو ناجائز کہنے والا بدعتی ہے۔ بھائی! آپ کے فقہاء نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے اس مکروہ پر آپ کے پاس کوئی شرعی دلیل موجود ہے؟

حنفی: نبی کریم ﷺ تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے (مشکوۃ) جب مسح فرماتے ہیں تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اٹھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے مسح فرماتے ہیں۔ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو اتار کر نیچے رکھ دیں اور مسح فرمالیں اور امتی ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھے۔ اکثر گلیوں بازاروں میں ننگے سر پھریں اور کہلائیں اہل حدیث۔ اپنے علاوہ باقی سب کو مرتد فاسق کہیں (لعنت اللہ علی الکاذبین) اس کو حضور علیہ السلام کس طرح پسند فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ پر افتراء

محمدی: اولاً:۔ مشکوۃ کو ہم نے دیکھ لیا ہے اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے۔ جو آپ نے ذکر کی ہے دوسری حدیث جو آپ نے ذکر کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اس کا حوالہ دو کیونکہ ہمیں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ بھی آپ نے جھوٹ بولا ہے۔ الغرض آپ نے یہ کذبات بول کر اکاذیب آل دیوبند میں مزید دو افتراء علی الرسول ﷺ کا اضافہ کیا ہے توبہ کرلو قبر میں آپ نے اکیلے ہی جانا ہے۔

ثانیاً: مشکوۃ کتاب اللباس میں ترمذی اور ابو داؤد کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ ((مر رجل وعلیہ ثوبان احمران فسلم علی النبی ﷺ فلم یرد علیہ)) یعنی ایک آدمی گزرا اور اس کے اوپر دو سرخ رنگ کے کپڑے تھے اس نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا تو آپ علیہ

السلام نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔

(مشکوۃ ص1247 ج 2الحدیث4353)

دیکھئے اس حدیث میں ترک سلام سرخ لباس پہننے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر مؤلف تحفۂ اہل حدیث کو جھوٹ کی اتنی کثرت سے عادت پڑ چکی ہے کہ اس نے اس روایت میں بھی تقلیدی آری چلا کر متن روایت میں ردوبدل کر دیا ہے۔ ہیں تو ماشاء اللہ عالم دین مگر دل گمراہی سے لبریز ہے' نام اسلام کا لیتا ہے مگر جھوٹ رسول اللہ ﷺ پر باندھتے ہوئے بھی اس کا ضمیر اسے ملامت نہیں کرتا۔ الغرض یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کذب منسوب کیا گیا ہے اللہ اس سے تجھے توبہ کی توفیق دے۔

ثالثاً: اس حدیث کو علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق مشکوۃ ص1247 ج2 میں ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی فتح الباری میں تضعیف کی ہے۔ (کذا فی تنقیح الرواۃ ص230 ج3)

وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو یحییٰ القتات راوی ہے۔ (ابوداؤد ص207 ج2)

اور یہ لین الحدیث ہے۔ (تقریب ص432)

کیا ننگے سر نماز نہیں ہوتی؟

فقہاء حنفیہ نے ننگے سر نماز کو مکروہ بھی لکھا ہے' مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص عاجزی سے ننگے سر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ علامہ حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں کہ (ولا باس به اذا فعله تذللا و خشوعا) اگر عاجزی اور خشوع کی وجہ سے ہو تو پھر (ہو جاتی ہے) مکروہ نہیں۔

(مستملی ص349 وشرح نقایہ ص95 ج1 و نماز مسنون ص504)

یہی بات صاحب در مختار نے کہی ہے اور اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں: وهو حسن یعنی یہ بات خوب اچھی ہے۔ (فتاوی شامی ص641 ج1)

اسی پر کنزالدقائق کے شارح علامہ ابن نجیم حنفی نے اعتماد کیا ہے۔ (البحر الرائق ص25ج2)

علمائے اہل حدیث کی تحقیق

اہل حدیث علماء کی تحقیق کے عنوان سے ہم نے الگ اور جدا مضمون اس لئے لکھنے کی ضرورت محسوس کی ہے کہ ہمارے معاصر نے 'فتاویٰ علمائے حدیث۔ ص286 تا 291ج4' سے مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ کو نقل کیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی یہی تحقیق تھی کہ ننگے سر نماز بطور عادت یا فیشن ادا نہ کرنی چاہئے' مگر انہوں نے اسی مفصل فتویٰ کی ابتدا میں ہی اعتراف کیا ہے کہ سر چونکہ بالاتفاق اعضاءِ ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہو گی۔

(فتاوی علماء حدیث ص486ج4)

کیا ہمارے دوست کو ان کی اس تحقیق سے اتفاق ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ حنفیہ اس کو مکروہ کہتے ہیں' جس کی اجازت فقط مجبوری کی وجہ سے دی جا سکتی ہے۔ جیساکہ خود مؤلف 'تحفہ اہل حدیث نے لکھا ہے کہ: آپ کے سوال کی شق اول کا جواب دیتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ عرض یہ ہے اگر کوئی آدمی بامر مجبوری ننگے سر نماز پڑھتا ہے یعنی اس کے پاس کپڑا نہ ہو یا سر میں کوئی تکلیف ہو تو نماز ہو جائے گی۔ (تحفہ اہل حدیث ص14)

اب دیکھیے مولانا سلفی مرحوم تو مطلق جواز کا فتویٰ دیتے ہیں' کسی مجبوری کی قید نہیں لگاتے جب کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث مجبوری کی قید لگاتے ہیں' حالانکہ مجبوری کی وجہ سے تو بیٹھ کر نماز بھی جائز ہے' بلکہ لیٹ کر پڑھنے کی بھی اجازت ہے' بلاوضو تیمم کر کے انسان نماز ادا کر سکتا ہے۔ الغرض عام حالات اور مجبوری کے فتویٰ میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن ہمارے مہربان مولانا سلفی مرحوم کا فتویٰ اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔ افسوس پندرھویں صدی میں ایسے فاضل بھی مصنف بن بیٹھے ہیں' جو مطلق اور مقید کے فرق کو

نہیں جانتے اور مقابلہ کے لیے للکار رہے ہیں اہل حدیث کو' واضح رہے کہ ہم متعدد اہل علم کے ننگے سر نماز کے جواز پر فتاویٰ پیش کر سکتے ہیں مگر یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اور نہ ہی فریق ثانی پہ حجت ہو سکتے ہیں۔ہاں جس فتویٰ کو انہوں نے نقل کیا ہے ان کا تصدیق شدہ ہونے کی وجہ سے ان پر حجت ضرور ہے۔امید ہے کہ مکروہ سے رجوع کر کے جواز کا فتویٰ دے دیں گے۔

ایک سوال اہل تقلید سے

فقہاء احناف نے ننگے سر نماز کو مکروہ لکھا ہے جیسا کہ تفصیل عرض کر دی گئی ہے ۔اصول فقہ میں مرقوم ہے کہ مکروہ وہ چیز ہوتی ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل سے اس کا ثبوت ہو مگر کتاب اللہ میں اس کی ممانعت نہ ہو۔

اس اصول کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت پر کوئی آیت قرآنی تو موجود نہیں البتہ حدیث موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ حدیث کس صحابی سے مروی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں اس کا وجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ننگے سر نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے؟یقین جانیے کہ پوری دنیا کے دیوبندی علماء مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود ہمیں کوئی ایسی صحیح مرفوع متصل حدیث نہیں دکھا سکتے اگر یہ دکھا دیں تو راقم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہے بغیر کسی حیل و حجت سے ہم اس کو اپنا لائحہ عمل بنائیں گے اور ننگے سر نماز ادا کرنے سے منع کریں گے ۔انشاء اللہ۔۔۔۔

آخر خاموشی کیوں ہے؟

کتنی سیدھی سی بات ہے کہ ننگے سر نماز ادا کرنے کو آپ حضرات مکروہ کہتے ہیں اور مجبوری کی صورت کے علاوہ اس کے جواز کے قائل ہی نہیں۔جیسا کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث بھی اس پر کوئی صحیح مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ

حضرات وہ حدیث کیوں پیش نہیں کرتے جس کا صاف مطلب یہ ہو کہ آپ کے پاس کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ ہاں مؤلف تحفہ اہل حدیث نے یہ کر دیا کہ اپنی طرف سے ایک حدیث بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی۔ آپ کا یہ بدترین فعل ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس پر کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ ورنہ تم کو حدیث گھڑنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کی قرآن میں معنوی تحریف

فرماتے ہیں کہ اگر سستی سے سر ننگا رکھتا ہے تو اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے۔ قرآن میں آتا ہے یہود کے بارے میں کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے سستی کے ساتھ کھڑے ہوئے ((اذا قاموا الی الصلوۃ قامو ا کسالی))(تحفہ اہل حدیث ص14)

الجواب:- اولاً:- بات کو آگے لے جانے سے قبل آیئے پہلے الفاظ قرآن اوران کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ارشاد ربانی ہے کہ ﴿**ان المنافقین یخدعون اللہ وھو خادعھم واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یرآ ء ون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا**﴾ (سورہ النساء آیت142)

مولانا محمود حسن دیو بندی ان الفاظ ربانی کا معنی کرتے ہیں۔

البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کو دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا

قارئین کرام آپ اس ترجمہ سے ہی بخوبی جان گئے ہونگے کہ یہاں پر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے مگر ہمارے جھنگوی صاحب قرآنی علوم سے اس قدر جاہل ہیں کہ وہ اسے یہود کے بارے میں باور کرا رہے ہیں۔ گویا منافقین کے لفظ کو یہود سے بدلنا ان کا اللہ تعالی پر افتراء اور قرآن کی معنوی تحریف ہے؟

ثانیاً:- امام راغب نے مفردات میں کسل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کاہلی اور

بو جھل ہونا ایسے معاملہ میں جس میں سستی مناسب نہیں۔(المفردات ص 431)

اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو الفاظ قرآنی کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ منافقین جو نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو ان کی غرض صرف دھوکہ دینا ہے تا کہ عوام الناس انہیں مسلمان خیال کریں کہ یہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں حالانکہ ان کی نماز بوجھ کے طور پر چند رکعات کا ادا کر لینا ہی ہے۔ جس میں بے رغبتی اور بے دلی کی وجہ سے وہ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں۔ بتایئے اس کیفیت کو ننگے سر نماز ادا کرنے سے کوئی تعلق ہے؟

کجا طبیعت کا بھاری پن کی وجہ سے ذکر کم کرنا جس کا تعلق قلب اور زبان سے ہے' کجا ننگے سر نماز ادا کرنا جس کا تعلق انسانی بدن سے ہے نہ کہ زبان سے مگر یہ سیدھی سی بات جھنگوی صاحب کے غیر فقہی دماغ میں کون اتارے۔

ثالثاً:- بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور یہ فعل یہود کا ہے تو بتایئے جن فقہائے احناف نے عاجزی سے ننگے سر نماز ادا کرنے کا فتویٰ دیا ہے ان کا یہود کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟

کیا ننگے سر عبادت کرنا عیسائیت کا شعار ہے؟

فرماتے ہیں عیسائیوں سے مشابہت لازم آتی ہے۔ عیسائیوں کو عبادت کرتے ہوئے آپ نے دیکھا ہو گا سارے ننگے سر عبادت کرتے ہیں۔(تحفہ اہل حدیث 13)

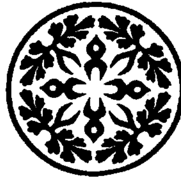
الجواب:- اولاً:- ہماری تو عیسائیت کے ساتھ کوئی یاری نہیں' یاری والوں کو معلوم ہو گا کہ وہ عبادت کس طرح کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں گرجا گھر ہے مگر کبھی ان کی عبادت دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا' ہاں کبھی بڑے دن پر وہ عبادت کرتے ہیں تو آواز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو موسیقی کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسے بعض بقلم خود مسلمان رقص و سرود کی محفل کے ساتھ عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ بر صغیر میں موسیقی کے ساتھ عبادت کرتے ہیں (قوالی وغیرہ) ان کا رشتہ حنفیت کے ساتھ ہے بلکہ وہ اپنے کو پکے بند حنفی کہتے ہیں اور آپ حضرات

کو حنفیت کے خلاف سازش سے تعبیر کرتے ہیں الغرض اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آرہا مگر غیر کی آنکھ میں تنکا بھی آپ کو کھٹکتا ہے۔

ثانیاً:- بعض جزوی مشابہت سے تشبہ بالکفار لازم نہیں آتا۔ جیسے لفظ عبادت کے اشتراک سے تشبہ کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ثالثاً:- فریق ثانی پر لازم ہے وہ دلائل و براہین سے ثابت کرے کہ ننگے سر عبادت کرنا کفار کا شعار ہے۔

رابعاً:- اس کی بھی وضاحت کر دیجئے کہ جن فقہاء نے ننگے سر نماز کو جائز کہا ہے وہ تشبہ بالکفار کے زمرہ میں آتے ہیں کہ نہیں؟



فصل سوم

پاؤں کو کشادہ رکھنے کا مسئلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((عن النبی ﷺ قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظھری و کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه)) یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ صفیں برابر کر لو میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ (صف) میں اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باالذاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم))

اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے 'اولاً' ارشاد نبی کی تعمیل میں صحابہ کا کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا۔

ثانیا: آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرام کے عمل کو دیکھنا۔

پہلی بات سے معلوم ہوا کہ اقامت صفوف کا معنی کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا ہے۔ دوسری بات سے ثابت ہوا کہ یہی معنی درست ہے کیونکہ اس معنی کی تصدیق آنحضرت ﷺ نے اپنی دید سے کی ہے جب کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملایا جائے تو قدموں کا درمیانی فاصلہ نکل آتا ہے کیونکہ اگر نمازی اپنے قدموں کو کشادہ کر کے نہ رکھے تو پاؤں مل ہی نہیں سکتے۔ پاؤں تب ہی مل سکتے ہیں جب نمازی کندھوں جتنا فاصلہ قدموں میں بھی رکھے یہ سیدھی سی بات ہمارے معاصر کے الٹے دماغ میں نہیں آتی۔

جس کی وجہ سے لکھتا ہے کہ: اگر آپ صحیح حدیث شریف میں دکھلا دیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ پاؤں کو اتنے چوڑے رکھو کہ اپنے کندھوں کے برابر ہو جائیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 21)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کیا آپ کے نزدیک کسی حدیث کا مفہوم قابل حجت نہیں اور کیا فقہ حنفی کے اصول میں اشارۃ النص کو مستقل دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا

گیا؟اگر کیا گیا ہے یقیناً کیا گیا ہے تو پھر آپ اس حدیث پر عمل کر کے دکھائیں کہ کندھے سے کندھااور قدم سے قدم تو مل جائے مگر کندھوں کے برابر پاؤں چوڑے نہ ہوں۔

یقین جانئے کہ پوری دنیا کے منکرین سنت کوشش کے باوجود ایسا کر کے دکھا نہیں سکتے، معلوم ہوا کہ جھنگوی صاحب نے مذکورہ بات سنت خیر الانام ﷺ کے بغض میں اور اہلحدیث سے تعصب کی وجہ سے لکھ دی ہے ورنہ اس پر حدیث موجود ہے۔ پھر بخاری شریف کے مذکورہ باب میں تعلیقاًامام بخاری حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا اثر لائے ہیں کہ:((رایت الرجل منا یلزق کعبه بکعب صاحبه))یعنی میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہم (صحابہ کرامؓ) میں سے دوسرے کے کندھے سے کندھاملاتا تھا۔

حنفی: پیارے!اس روایت کی سند نہیں ہے۔(تحفہ اہل حدیث ص23)

محمدی: گویا آپ بغیر سند کے کوئی بات قبول نہیں کرتے اس بات پر قائم رہنا تو تب بات ہے کیونکہ فقہ حنفی میں مروی اکثر اقوال بلاسند ہیں تو پھر آپ اس کو ترک کیوں نہیں کر دیتے۔

آپ پر واضح ہو کہ اس کی سند بھی موجود ہے۔چنانچہ یہ حدیث مسند احمد ص 276ج 4و ابو داود ص 97ج 1 ودار قطنی ص 283-282ج 1و بیہقی ص100-101ج3اور صحیح ابن حبان رقم الحدیث2173)میں باسند موجود ہے۔

حنفی: مگراس کی سند میں زکریابن ابی زائدہ راوی مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص30)

محمدی: پہلے تو آپ نے اس کی سند کے وجود سے انکار کیاجب دکھائی گئی تو پہلی بات سے مکر گئے اور سند پر اعتراض کر دیا۔ میرے عزیز بھائی!سنن دار قطنی میں تحدیث کی صراحت ہے جس کی وجہ سے تدلیس کااعتراض کرنا ہی فضول ہے حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

(فتح الباری ص167ج2)

اور خود حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ واسناده حسن، تغلیق التعلیق ص303ج2یعنی اس کی سند

حسن درجہ کی ہے'

حنفی=حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف و سد خلله یعنی اس حکم سے مقصود صفوں کی درستگی اور درمیانی جگہ کو پر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

محمدی: بالآخر آپ نے حقیقت کو قبول ہی کر لیا بھائی! مبالغہ کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ پاؤں کے درمیان میں بالشت بھر جگہ کو چھوڑ چھوڑ کر نمازی کھڑے ہوں کیونکہ کسی چیز میں تکلف کو مبالغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ فتنی حنفی مبالغہ کا معنی کرتے ہیں" اذا اجتھد فی الامر "یعنی جب کسی کام میں کوشش کی جائے تو اسے مبالغہ کہتے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص219ج1)

یہی معنی علامہ ابن منظور افریقی نے (لسان العرب ص420ج8) میں اور علامہ محمد مرتضی زبیدی حنفی نے (تاج العروس ص5ج6) میں کیے ہیں۔ آپ کی مسلمہ شرح کی رو سے حدیث کا معنی یہ ہوا کہ کندھے اور ٹخنوں کو خوب ملایا جائے۔ مگر افسوس آپ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کو غلط معنی دے کر اہل حدیث کو للکار رہے ہیں پھر اس غلط بیانی پر آپ کو شرم ہے نہ حیا۔

حنفی: چلو ان پر عمل کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ یہ چاروں چیزیں آدمی ملا بھی سکتا ہے یا نہیں۔ گردن سے گردن کندھے سے کندھا' گھٹنے سے گھٹنا' ٹخنے سے ٹخنہ' یہ چاروں تو مل نہیں سکتیں۔

محمدی: یہ بات مقلد اعمی نے ابوداؤد کی حدیث نعمان رضی اللہ عنہ کے جواب میں تحریر کی ہے حالانکہ حدیث نعمان بن بشیر میں گردن ملانے کا قطعاً ذکر نہیں۔

ہم قارئین کرام کی تسلی کے لئے اصل متن حدیث نقل کرتے ہیں۔

((اقبل رسول الله ﷺ علی الناس بوجهه فقال اقیموا صفوفكم ثلاثا والله لتقیمن صفوفكم او لیخالفن الله بین قلوبكم قال فرایت الرجل یلزق منكبه بمنكب صاحبه

و رکبتہ برکبتہ صاحبہ و کعبہ بکعبہ))

(سنن ابی داؤد ص97ج1 باب تسویۃ الصفوف)

(اس کا معنی مولوی انوار خورشید حنفی دیوبندی سے نقل کیا جاتا ہے) رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تین بار فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اللہ کی قسم تم لوگ ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کر لو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد) میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے کندھے سے کندھا' گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص511)

اب دیکھیے جناب ابو بلال جھنگوی صاحب نے متن حدیث کو بگاڑتے ہوئے اپنی طرف سے گردن ملانے کا اضافہ ولاحقہ بھی کر دیا ہے۔ پھر اس بددیانتی کو جان بوجھ کر کیا گیا ہے' مزید قابل افسوس بات یہ ہے کہ اس عیاری و مکاری اور بے ایمانی کو بنیاد بنا کر سنت کا مذاق اڑایا گیا ہے کہ آپ حضرات گردن نہیں ملاتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص25)

حنفی: ابو داؤد کا ص97ج1 ہے اس میں پورا باب ہے اس میں ایک حدیث تو ابن عمر سے مروی ہے کہ شیطان کے لئے درمیان میں فاصلہ نہ چھوڑو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام ہماری صفوں میں آ کر صفیں درست فرماتے' ہمارے کندھوں اور سینوں کو ہاتھ لگا کر برابر کرتے۔ تیسری حدیث میں آیا ہے (قاربوا بینھما وحاذوا بالاعناق) قریب قریب ہو جاؤ اور گردنوں کو برابر رکھو۔ چوتھی روایت میں (حاذوا بین المناکب) کندھوں کو برابر کرو ہے۔ ان روایات میں اعناق اور مناکب کے ساتھ لفظ حاذوا آیا ہے جس کا معنی ہے برابر رکھو محاذات کا معنی چمٹاؤ کوئی بھی نہیں کرتا اگر حاذوا بین المناکب کا ترجمہ کندھے سے کندھا ملانا کرو گے تو پھر یقیناً یہ روایت نمبر3 میں حاذوا بین الاعناق میں بھی یہی ترجمہ کرنا پڑے گا۔ کہ گردنیں ملاؤ پھر اس پر عمل غیر مقلدین بھی نہیں کرتے جہاں کندھے ملاتے

ہیں گردنیں بھی ملائیں ذرا میرے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور گردن کے ساتھ گردن ملا کر دکھائیں۔ (تحفہ اہلحدیث ص24)

محمدی: اولاً۔ بات کو سمجھنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے ابو داؤد کی احادیث کو ہم نقل کریں پھر آپ کی فضولیات پر تبصرہ کریں۔

(۱)عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب و سدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله))

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو قائم کرو کندھوں کو برابر کرو خالی جگہوں کو بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔ شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اسے ملائیں گے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اسے کاٹ دیں گے۔

(ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث 508)

(۲)عن البراء بن عازب قال کان رسول الله ﷺ یتخلل الصف من ناحیة الی ناحیة یمسح صدورنا و مناکبنا ویقول لا تختلفوا فتختلف قلوبکم و کان یقول ان الله عزو جل وملائکته یصلون علی الصفوف الاول))(سنن ابی داود 97)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صف کے اندر آتے تھے' ادھر ادھر سے اور ہمارے سینوں اور کندھوں کو برابر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور فرماتے تھے اللہ جل جلالہ اپنی رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ (ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث ص509)

(۳)عن انس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال رصوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان ید خل من خلل الصف کانها

الحذف))(سنن ابی داود ص97ج1)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی صفوں کو ملاؤ اور انہیں نزدیک رکھو اور گردنوں کو برابر رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہوں سے گھس آتا ہے گویا کہ وہ بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ ہے۔

(ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث ص510)

قارئین کرام! باقی باتیں تو بعد میں ہونگی پہلے ہم یہ عرض کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے آخری حدیث میں لفظ "بیدہ" کا معنی 'جس کے قبضہ قدرت میں کیا ہے' اور یہ الفاظ نبوی میں تحریف ہے کیونکہ ید کا معنی ہاتھ ہوتا ہے کسی لغت کی کتاب میں ید کا یہ معنی نہیں لکھا جو اس حنفی نے حنفیت کی وکالت میں کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث نے جو نمبر 1 اور نمبر 3 میں علیحدہ علیحدہ حدیث بیان کی ہے وہ دراصل ایک ہی حدیث ہے جس کو ہم نے اول نمبر پر درج کیا ہے لہذا جھنگوی صاحب کا اسے دو احادیث جدا جدا باور کرنا جہالت اور تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہی کہہ سکتے ہیں۔

ثانیاً:- اب ترتیب وار ان کا جواب سنئے کہ پہلی حدیث میں حاذوا بین المناکب (جسے مؤلف تحفہ اہل حدیث نے چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے) سے مراد یہ ہے کہ صف بناتے وقت آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ صف کو تیر کی طرح سیدھا رکھا جائے چنانچہ علامہ محمد طاہر الفتنی حنفی المتوفی 986ھ 'حذو' کا معنی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ((ای بجنبه سواء ای مسا ویا لا یتقدم ولا یتاخر))یعنی ایک طرف برابر پہ کھڑا ہونا یعنی مساوی ہونا نہ آگے ہونا اور نہ ہی پیچھے۔(مجمع بحار الانوار ص465ج1)

عرب لوگ بولتے ہیں (وداری حذوۃ دارك) یعنی میرا گھر تیرے گھر کے برابر واقع ہے۔

(لسان العرب ص171ج14)

الغرض اس حدیث کا مفہوم تو یہ ہے کہ مقتدی آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ برابر صف بنائیں۔

یہ حکم وارشاد ایک الگ اور جدا مسئلہ ہے اور پاؤں سے پاؤں کا ملانا اور کندھے سے کندھے کو ملانے کا الگ مسئلہ ہے اور آپ کی پیش کردہ تیسری حدیث جسے ہم نے نمبر3 میں پورا نقل کیا ہے' میں الفاظ 'حاذوا بالاعناق' سے بھی آپ کو غلطی لگی ہے۔یا پھر مغالطہ دیا ہے ۔کیونکہ آپ جو بات سمجھا رہے ہیں وہ غلط ہے آپ کی ساری تحریر کا ماحاصل یہ ہے جس طرح دو نمازیوں کی گردنیں ملنا ناممکن ہے اسی طرح حاذوا بالمناکب میں بھی فاصلہ ہونا چاہئے۔حالانکہ نہ وہاں ملانے کے متعلق ہے اور نہ ہی یہاں ملانے کا بیان۔وہاں بھی بمعنی برابر اور یہاں بھی بمعنی برابر مستعمل ہے' البتہ ان میں ایک جوہری فرق ہے جسے آپ علم حدیث میں نالائق ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں پائے وہ یہ کہ پہلی حدیث میں لمبائی اور اس میں اونچائی مراد ہے۔

ملا علی قاری الحنفی المتوفی 1014ھ اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ ((بان لا یترفع بعضکم علی بعض بان یقف فی مکان ارفع من مکان الاخر))(مرقاۃ ص71ج3)

یعنی اس حدیث میں حاذو بالاعناق کا معنی ہے کہ یعنی بعض تمہارے بعض سے بلند جگہ پر کھڑے نہ ہوں۔

الغرض ان الفاظ میں جس چیز کی تلقین کی گئی ہے وہ ہموار جگہ پر کھڑے ہونے کی ہے یعنی اس طرح صف میں قیام نہ ہو کہ زید کی دائیں طرف بکر ایک فٹ اونچا ہو اور بائیں طرف قاسم ایک فٹ نیچے کھڑا ہو اور یہ چیز محل نزاع سے خارج ہے۔

پھر اسی حدیث میں قاربوا بینھا کے مفہوم کو بھی آپ نے تحریف کی حد تک بگاڑ دیا ہے کہ قریب قریب ہونا مراد ہے نہ کہ مل کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔حالانکہ ان الفاظ

میں دو نمازیوں کو قریب کرنا مقصود نہیں بلکہ دو صفوں کو قریب قریب کرنا مراد ہے۔

ملا علی القاری اس حدیث کی شرح میں ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:((ای بین الصفوف بحیث لا یسع بین صفین صف آخر فیصیر تقارب اشباحکم سببا لتعاضد اروا حکم ولا یقدر الشیطان ان یمر بین اید یکم)) یعنی دو صفوں کے درمیان زیادہ کشادگی نہ ہو بلکہ ایک صف دوسری سے قریب تر ہو جس سے تمہارے قرب میں اختلاط ہو جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ تمہاری ارواح کی آپس میں معاونت ہو اور شیطان تمہارے آگے سے گزر نہ سکے۔(مرقاۃ ص71ج3)

یہی معنی شیخ عبد الحق محدث دھلوی حنفی نے(شرح مشکوۃ اشعۃ اللمعات ص506ج1) میں اور محدث مبارکپوری نے(مرعاۃ ص14ج4) میں علامہ سندھی نے (حاشیہ سنن نسائی) میں کیے ہیں۔ بحوالہ التعلیقات السّلفیہ93ج1)

اور اس معنی کا قرینہ بینہا کا لفظ ہے جسے آپ نے مؤلف حدیث اور اہل حدیث(ص509) کی اندھی تقلید میں بینھما بنا دیا ہے حالانکہ یہ روایت ابو داؤد کے علاوہ سنن نسائی ص93ج1 'بیھقی ص100ج3 ابن خزیمہ رقم الحدیث1545) میں آتی ہے ان سب میں بینھا کا لفظ ہے مگر آپ نے شرم وحیا کو خیر باد کہتے ہوئے کمال عیاری ومکاری سے بینھما بنا دیا ہے۔ اس پر ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں اللہ آپ کو راہ راست پر لائے اور ان عیاریوں سے توبہ کی توفیق عطا کرے۔ ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ توبہ کر لیں کیونکہ اگر قیامت کے روز ان چیزوں کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو آپ سے کچھ جواب نہیں بن پڑے گا۔ آخر حسرت ومایوسی سے "یلیتنی کنت ترابا" کہو گے۔

ثالثاً:- آپ کی نقل کردہ احادیث میں پہلی حدیث ابن عمر میں الفاظ و سدو ا الخلل (خالی جگہوں کو بند کرو) اور' ولا تزروا فرجات (صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو) کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے تھا جن کی طرف آپ نے خیرت اشارہ تک نہیں کیا اسے بے ایمانی کہیں یا آپ کے روائتی طریقۂ واردات سے تعبیر کریں۔ پھر آخری حدیث انس میں ((رصوا صفو

حکم) کا بھی قدرے زیر بحث مسئلہ سے واسطہ تھا اسے بھی آپ نے ترک کر دیا۔

ملا علی القاری ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں کہ ((سووها وضموا بعضکم الی بعض حتی لایکون بینکم فرجة)) یعنی ایسے برابر ہو جاؤ کہ تم ایک دوسرے میں ضم ہو جاؤ یہاں تک تمہارے درمیان کوئی خالی جگہ نہ رہے۔(مرقاۃ ص 71 ج 3)

علامہ فتنی حنفی 'رصوا' کا معنی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ((ای تلاصقوا حتی لا یکون بینکم فر ج مجمع بحا ر الانوار ص334ج2) یعنی ایسے مل کر کھڑے ہو کہ تمہارے درمیان کوئی خالی جگہ نہ رہے۔

اب ایمان سے کہنا (اگر ایمان باقی ہے) کیا ان احادیث میں آپ کے ہاں عمل ہوتا ہے۔ نہیں یقیناً نہیں کیونکہ آپ کی مساجد میں نمازی درمیان میں تقریباً بالشت بھر جگہ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حنفیہ کا مؤقف

آل دیوبند کے سر خیل مولانا رشید احمد گنگوھی فرماتے ہیں کہ :درمیان دونوں قدموں مصلی(نمازی) کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہیے۔(فتاوی رشیدیہ 291)

اس صورت میں دو نمازیوں کے درمیان ایک خاصہ فرجہ رہ جاتا ہے۔حالانکہ فرجہ ملانے کی آنحضرت ﷺ نے تلقین فرمائی ہے پھر اپنے قدموں کے درمیان میں چار انگلیوں کی مقدار کے برابر فاصلہ رکھنے پر کوئی دلیل قرآن وسنت سے موجود نہیں ورنہ مولانا گنگوھی اسے نقل کرتے اور ہمارے معاصر جناب ابو بلال صاحب اس پر نمک مرچ لگا کر خوب اس کی تشہیر کرتے۔ مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے مؤقف پر کوئی دلیل قائم نہیں کی اور ہمارا پوری دنیا کے منکرین سنت کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس پر کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔

حنفیہ کی تاویل یا تحریف

دیوبندیوں کے ایک سرگرم رکن مولانا انوار خورشید فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا اس سے آپ کا مقصد صف بندی اور درمیان سے خلاء کو پر کرنے میں انتہائی اہتمام بتلانا ہے نہ کہ حقیقتاً قدم سے قدم ملانا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص514)

اولاً:- راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مؤلف کا یہاں الذاق کو مجازی معنی پر محمول کرنا قرینہ قویہ کا محتاج ہے اور اس تفسیر پر کوئی معتبر دلیل ہونی چاہئے جو خیر سے ان کے پاس نہ عقلی اور نہ ہی نقلی دلیل موجود ہے اور نہ یہاں قدم سے قدم ملانے کو مجاز پر محمول کرنے پر کوئی ضعیف قرینہ ہے اس مقلد نے اپنی اختراع سے اس سنت کو بدعت میں بدل دیا ہے کیونکہ خالی جگہ رکھنا قدم سے قدم نہ ملانا بدعت ہے۔

ثانیاً:- ہمارے پاس صرف لفظ الزاق (قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملانے کا) ہی نہیں بلکہ سد الخلل' تراصوا' اور' ولا تذروا فرجات' کے الفاظ بھی ہیں جو الزاق کے معنی حقیقی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تراصوا پر عمل ممکن ہی نہیں جتنی دیر تک کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے۔

علمائے اہل حدیث کا فتویٰ

حدیث صحیح صریح کی موجودگی میں ہمیں کسی عالم کا فتویٰ پیش کرنے کی ضرورت تو نہیں لیکن ہمارے بھائی نے جس طرح اقوال رسول ﷺ کا حلیہ بگاڑا ہے اسی طرح علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے' جس کی وجہ سے ہم ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ شارح سنن ابی داود حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ((فهذه الاحاديث فيها دلالة واضحة على اهتمام تسوية الصفوف وانها من اتمام الصلاة وعلى انه لا يتا خر بعض

على بعض ولا يتقدم بعض على بعض وعلى انه يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه وركبته بركبته لكن اليوم تركت هذه السنة ولو فعلت اليوم لنفر الناس كالحمر الوحشية فانا لله وانا اليه راجعون)) یعنی ان احادیث میں صفوں کو برابر کرنے کا واضح بیان ہے اور یہ اتمام نماز سے ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے آگے یا پیچھے نمازی کھڑا نہ ہو اور کندھے سے کندھا' قدم سے قدم اور گھٹنے سے گھٹنا ملایا جائے۔ لیکن آج اس سنت کو ترک کر دیا گیا ہے اگر کوئی آج اس سنت پر عمل کرے تو لوگ اس سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھا بھاگتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (التعلیق المغنی ص284 ج1 وعون المعبود ص250 ج1)

شارح سنن ترمذی حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ((فظهر ان الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فى الصفوف سنة قد عمل بها الصحابة رضى الله عنهم خلف النبى ﷺ وهوالمراد باقامة الصف وتسويته على ما قال الحافظ لكن قال معمر احد رواة حديث انس فى روايته لو فعلت ذلك باحدهم اليوم لنفر كانه بغل شموس 'قلت هكذ احال اكثر الناس فى هذا الزمان فانه لو فعل بهم ذلك لنفروا كانهم حمر وحش وصارت هذه السنة عندهم كانها بدعة عياذ الله فهداهم الله تعالى واذاقهم حلاوة السنة))

یعنی ان احادیث سے ظاہر ہوا کہ صفوں میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا سنت ہے اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے نبی ﷺ کی اقتدا (نماز میں) عمل کیا ہے اور صفوں کو درست اور برابر کرنے سے یہی مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے لیکن حدیث کے راویوں میں سے امام معمر کہتے ہیں کہ اگر میں آج کسی کے ساتھ اس طرح کروں تو وہ اس سے بھاگتا ہے جیسے وحشی گھوڑا ہوتا ہے۔ (محدث مبارکپوری فرماتے ہیں) کہ میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں بھی اکثر لوگوں کا حال اسی طرح ہے کہ اگر ان کے ساتھ آج بھی

اسی طرح صف میں کیا جائے تو وہ اس سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھا بھاگتا ہے اور ان کے نزدیک یہ سنت ایسے ہو گئی ہے جیسے بدعت ہوتی ہے اللہ محفوظ رکھے اور ان لوگوں کو ھدایت دے اور سنت سے محبت کا ذائقہ انہیں چکھائے۔

(ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص245)

اکابر علماء اہلحدیث کی تحریرات کا استعیاب مقصود نہیں ورنہ ہم اس پر مقدمین اور متاخرین کی بیسیوں عبارات پیش کر سکتے ہیں ان دو بزرگ عالموں کا انتخاب ہم نے اس وجہ سے کیا ہے کہ بر صغیر میں ان کا شمار اہلحدیث کے اکابر علماء میں سے ہوتا ہے اور ان سے اختلاف کے باوجود فریق ثانی بھی ان کے علم و فضل کا لوہا مانتا ہے اور حضرات متقدمین سے عدم نقل کی وجہ یہ ہے کہ فریق ثانی ہمیشہ کی طرح یہاں بھی کہہ دیتا کہ یہ شافعی ہیں یا حنبلی۔

کیا اہل حدیث کی مساجد میں اس پر عمل نہیں ہوتا ہے؟

ہمارے معاصر نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ ۲۵ پر یہ مغالطہ دیا ہے کہ اہل حدیث کی مساجد میں بھی اس پر عمل نہیں ہوتا۔

بھائی اگر اس پر عمل ہی متروک ہو گیا ہے تو پھر آپ کو اس کے رد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آپ کے رد کرنے سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس سنت پر اہل حدیث کی مساجد میں عمل ہوتا ہے۔

ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کذب و افترا سے لبریز تصنیف کی بجائے پہلی فرصت میں کسی اہل حدیث معسکر میں طریقہ نماز کی تعلیم ضرور حاصل کریں اگر آپ سنت سے محبت کے جذبہ میں تیار ہوں تو اخراجات راقم برداشت کرے گا۔ انشاءاللہ



حصہ سوم، فصل اول

مسئلہ تقلید

تقلید کی لغوی تعریف: لغت میں تقلید کا معنی گلے میں کسی چیز کو لٹکانا ہے جیسا کہ علامہ زمخشری حنفی نے لکھا ہے۔(اساس البلاغۃ ص375)

لیکن جب اس کا استعمال دین کے مفہوم میں آئے تو اس وقت اس کا معنی کسی کی بات کو بغیر دلیل اور غور و فکر کے قبول کر لینا ہے۔ جیسا کہ (لسان العرب ص367ج3) وغیرہ معتبر کتب لغت میں ہے۔

مولانا سر فراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ :لغت کی جدید اور معروف کتاب(مصباح اللغات ص764)میں ہے قلدہ فی کذا اس نے اس کی فلاں بات میں بغیر غور و فکر کے پیروی کی۔(الکلام المفید ص30)

اصطلاحی تعریف: علماء اصول نے تقلید کی تعریف یوں کی ہے:

((التقليد العمل بقول الغير من غير حجة))(مسلم الثبوت ص350ج2)

یعنی تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی کی بات پر بغیر دلیل کے کیا جائے۔ یہی تعریف علامہ آمدی متوفی 613ھ نے(الاحکام ص167,168ج3طبع مصر1347ھ)میں بحر العلوم عبد العلی نے'فواتح الرحموت ص400ج2طبع مصر1324ھ میں علامہ نووی نے (تہذیب الاسماء واللغات ص101ج4طبع بیروت)میں ابن حاجب نے(مختصر 231)میں حضرمی نے(اصول فقہ ص457)میں مفتی احمد یار گجراتی نے (جاء الحق ص15ج1) میں اور مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی نے شرح صحیح مسلم ص329ج3)میں کی ہے۔

مولانا سر فراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ :اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔(الکلام المفید ص35)

اس تعریف سے ثابت ہوا کہ تقلید بلا دلیل اطاعت و اقتداء کا نام ہے جس میں، علم واستدلال نظر و فکر کی جگہ حسن ظن کو دی گئی ہے۔ یہ بات کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان میں علم و تحقیق اور جستجو کو ودیعت کیا گیا ہے بلا سوچے سمجھے کسی کے پیچھے محض حسن ظن سے لگنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ٹھیک اسی طرح غیر معلوم مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرنا کوئی بھی معیوب نہیں سمجھتا۔

ظاہر ہے کہ امت سے کسی انسان کو واجب الاتباع اور کامل ترین نمونہ قرار دینا اور اس کی بات کو حرف آخر کہنا عملاً اس کی بات کو من و عن قبول کرنا اس سے انحراف کو گمراہی ولادینی وغیرہ جیسے کلمات سے تعبیر کرنا بلکہ اس سے علمی اختلاف کرنے والے کو لامذھب سے مخاطب کرنا شرک ہے۔ کیونکہ واجب الاطاعت صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور انبیاء کی اتباع و پیروی در حقیقت اللہ ہی کی اطاعت و فرمان برداری ہے۔

جیسا کہ خالق ارض و سماء کہتا ہے:

﴿من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾ (سورۃ النساء:80)

یعنی جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔

ہماری اس تمہیدی بات سے ہمارے معاصر کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو گیا کہ تقلید شرک نہیں ہے۔ (مفہوم تحفہ اہل حدیث ص32)

کیا تقلید شرک نہیں؟

اس کی تفصیل تو ہم آخر میں درج کریں گے سرے دست مؤلف تحفہ اہل حدیث کے استاذ محترم کا حوالہ درج کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذھب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں۔ لا شک فیہ (اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں) (الکلام المفید ص 310) مزید صفحہ

298 میں دیکھئے۔

حنفی:۔اس حقیقت سے انحراف کے لیے ابو بلال نے ایک چور دروازہ بھی کھولا ہے۔ کہتا ہے یہ تعریف آپ نے کس حدیث شریف سے اخذ کی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 31)

محمدی:۔کتنے افسوس کی بات ہے کہ جرم تو آپ کریں اور دلیل ہم سے طلب کریں۔ عزیز بھائی یہ تعریف آپ کے مقلد علماء اصول نے کی ہے 'اگر تقلید کوئی حکم شرعی ہوتا اور ہم اس پر عمل بھی کرتے تو تب تو آپ کا سوال درست تھا' لیکن ہم تو اسے دین میں بدعت کہتے ہیں جو شرک فی الاطاعت ہے۔ مگر آپ بھولے پن سے اس تعریف پر ہم سے حدیث کا سوال کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین میں بدعات کی تعریف مبتدعین کی ہی مسلم ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر فعل میں قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔ مثلاً اگر کوئی جاٹ یہ کہہ دے کہ قرآن وحدیث سے یہ دکھایئے کہ دھان کی فصل کب کاشت کرنی چاہیے؟ یا آپ سے کوئی یہ کہہ دے کہ گندم کو کب کاشت کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل قول امام سے عنایت کیجئے تو یقیناً آپ بھی ایسے سوال کرنے والے کو جواب کی بجائے دماغی آپریشن کا مشورہ دیں گے۔ ہاں اگر ہم آپ سے یہ سوال کریں کہ آپ کے نزدیک تقلید حکم شرعی ہے اور آپ امام ابو حنیفہ کے مقلد بھی ہیں تو جو تقلید کی تعریف آپ نے بیان کی ہے، وہ امام صاحب کے قول سے دکھایئے؟ مگر آپ کوشش کے باوجود اس کا جواب قیامت تک نہیں دے سکتے۔

تقلید اور اتباع میں فرق

مذکورہ سطور میں آپ نے پڑھ لیا ہے کسی کی دلیل کے بغیر پیروی کرنے کو تقلید کہتے ہیں جبکہ اتباع بادلیل ہوتی ہے جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی پیروی کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دلیل کی پیروی ہے۔

امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس پر بڑا اچا تلا تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
والاتباع ما ثبت علیه حجة' ص137ج2' یعنی تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے اور اتباع بادلیل' مولانا غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی فرماتے ہیں کہ: تقلید کے معنی ہیں دلائل سے قطع نظر کر کے کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے یہ مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو کتاب وسنت کے موافق پا کر اور دلائل شرعیہ سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کرنا۔
(شرح صحیح مسلم ص63ج5)

مؤلف تحفہ اہل حدیث کے استاذ مکرم مولانا سرفراز خاں فرماتے ہیں کہ: یہ طے شدہ بات ہے کہ اقتداء واتباع اور چیز ہے اور تقلید اور ہے۔ (راہ سنت ص35)

اس سے واضح ہو گیا کہ عامی کا عالم کی طرف بوقت ضرورت رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ عالم اپنے فتویٰ میں قرآن وحدیث درج کرے گا۔ جس کو ماننا مستفتی پر پہلے سے ہی فرض تھا۔ پس عالم نے اسے قرآن وحدیث سے مسئلہ سمجھادیا ہے۔

فاضل قندھاری نے اور ملا حسن شرنبلالی نے عقد الفرید میں یہی کہا ہے کہ عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔ (بحوالہ معیار الحق ص66)

رد تقلید

قرآن کریم سے: قرآن کریم میں متعدد آیات سے تقلید کی نفی ہوتی ہے ہم اختصار سے قارئین کرام کو چند آیات کی نشان دہی کراتے ہیں۔ سورہ زخرف میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿فاستمسك بالذی اوحی الیك انك علی صراط مستقیم﴾ (زخرف:43پ25)
جو کلام تیری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہ اس میں شک نہیں کہ تو سیدھی راہ پر ہے (ثنائی)

سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فاحکم بینهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم﴾ (المائدہ48)

پس توان میں خدا کے اتارے ہوئے حکموں سے فیصلہ کیجیے۔اور جو تیرے پاس سچی تعلیم آئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے۔(ثنائی:5-48)

ان آیات میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ پیروی صرف اور صرف وحی کی کیجئے اور وحی کی موجودگی میں اھواء وخواہشات کی پیروی نہ کرنا۔

سورہ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال و هذا حرام لتفترو ا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون متاع قليل ولهم عذاب اليم﴾(سورہ النحل:116تا117)

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان سے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ تم اللہ پر جھوٹ کے بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا کرتے ہیں ہر گز نہ بامراد ہوں گے ان کے لئے تھوڑا سا گذارہ ہے اور ان کے لئے دکھ کا عذاب ہے۔(ثنائی)

آیت اپنے مقصد میں بالکل واضح ہے کہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہ کہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال و حرام کہنا مالک حقیقی پر بہتان باندھنا ہے اس بات کا رب رحمٰن نے سورہ یونس آیت ۵۹ میں بھی بیان کیا ہے۔الغرض کسی چیز کی حلت و حرمت کا تعلق اللہ کی ذات سے خاص ہے اب جو شخص امام ابو حنیفہ کی تقلید کو حلال قرار دے کر اسے فرض وواجب کہتا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے کیونکہ اللہ نے کسی جگہ بھی امام ابو حنیفہ کی تقلید کرنے کا حکم وارشاد نہیں فرمایا۔اس آیت سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو حلال و حرام کہتا ہے تو اس کی حلت و حرمت کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے دینا اس پر لازم ہے ورنہ وہ افترا علی اللہ ہو گا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ شخص نادان و جاہل اور اللہ کی صفت میں شریک ٹھہرانے والا ہو گا جو انسان اس حلت و حرمت کے فتویٰ کو بلا چون وچرا اں قبول کر لیتا ہے اور اسے تمام واجبات سے زیادہ اہمیت دیتا ہے بلکہ اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس سے انحراف اسلام سے بغاوت کے

مترادف قرار دیتا ہے اور اس بے دلیل فتویٰ کے منکرین کو گمراہ و ضال اور مبتدعین میں شمار کرتا ہے۔

ہمارے معاصر نے تحفہ اہلحدیث میں فقہ کی کتاب در مختار کی بڑی دھوم دھام سے تعریف کی ہے اور اسے مدینہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (صفحہ 79)

ہم نے خاص اسی کتاب سے حصہ سوم فصل ہشتم میں چند فقہ حنفیہ کے مسائل نقل کیے ہیں اور ان کا مفتی بہ ہونا بھی نقل کیا ہے اور دیگر کتب فقہ حنفیہ سے اس کی تائیدات بھی نقل کی ہیں اگر ان میں اخلاقی جرأت ہے تو ان تمام مسائل کو قرآن و سنت سے ثابت کریں ورنہ تسلیم کرلیں کہ در مختار کی طرف ہماری دعوت مذکورہ آیت میں بتائی گئی وعید شدید کے زمرہ میں آتی ہے۔

تقلید کی رسم اہل کتاب میں تھی؟

اصل میں تقلید اہل کتاب اور مشرکین عرب کی رسم بد ہے' اس کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله و المسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدوا الها واحدا لا اله الا هو سبحنه عما يشركون﴾ (التوبہ: 31)

انہوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے حالانکہ حکم صرف یہی تھا کہ اکیلے معبود کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبادت کریں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (ثنائی: ص 31 ج 9)

اس آیت کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے خود فرمائی ہے' جسے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ آیت رسول اللہ ﷺ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے ان کی کبھی بھی عبادت نہیں کی اور نہ ہم مولویوں اور درویشوں کو رب مانتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

((اما انهم لم یکونوا یعبدونهم ولکن هم اذا احلو الهم شیئا استحلوه واذا حرموا علیهم شیئا حرموه))

وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب ان کے علماء کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تو وہ اسے حلال کر لیتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ بھی اسے حرام تسلیم کر لیتے۔ (سنن ترمذی مع تحفہ الاحوذی ص117ج4)

اس آیت کی تفسیر میں علماء دیوبند کا بھی یہی مؤقف ہے کہ اہل کتاب کا معاملہ ایسے ہی تھا چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ :یہود و نصاریٰ نے خدا کی توحید فی الطاعۃ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو باعتبار اطاعت کے رب بنا رکھا ہے کہ ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعت خدا کے کرتے ہیں کہ نص پر ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے۔ (بیان القرآن ص107ج4 منزل نمبر2 طبع......)

اسی صفحہ کے حاشیہ میں مسائل السلوک کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب رسوم منکرہ سے منع کیا جائے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرتے ہیں۔

(حاشیہ بیان القرآن ص107ج4)

مولانا تھانوی نے اس اقتباس میں یہ بات تسلیم کی ہے کہ نصوص کے بالمقابل تقلید اصل میں علماء و مشائخ کی عبادت ہے اس میں مزید یہ بات بھی داخل کر لیں کہ مقلدین حضرات جب تقلید کرتے ہیں وہ امام کی بعض مسائل میں تقلید کرتے ہیں یا تمام مسائل میں اگر وہ تمام مسائل میں تقلید کرتے ہیں یقیناً کرتے ہیں تو کیا وہ نصوص اور اپنے امام کے تقلیدی مسائل کا تقابل کرتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ملے گا کیونکہ جب امام کے مسائل پر عدم اعتماد ہو گیا اور ان کے مسائل کی تحقیق کر لی جائے تو یہ تقلید نہیں رہے گی کیونکہ تقلید تو کہتے ہی کسی کی بات کو بغیر دلیل کے ماننا جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔ مزید سنئے کہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں علامہ آمدی سے تقلید کی تعریف نقل کرتے ہیں

کہ: ((بان المراد بالتقليداخذ قول الغير بغير حجة ومن قامت عليه حجة ......لم يكن مقلد لانه لم يا خذ بقول غيره بغير حجة))

یعنی تقلید سے مراد غیر کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کرنا ہے ۔ (فتح الباری ص299ج13)

اور جس پر دلیل قائم ہو گی وہ مقلد نہیں اس لیے کہ اس نے غیر کے قول کو دلیل کے بغیر قبول نہیں کیا۔باب ما جاء فی دعا النبی ﷺ امته الی توحيد الله تبارك و تعالی الغرض مذکورہ آیت میں علماء و مشائخ کے اقوال کو دلیل کے بغیر قبول کرنے کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کا ہی دوسرا نام تقلید ہے اور جب ان کے اقوال کو نصوص کے ساتھ تقابل کیا جائے تو اس کا نام ترک تقلید ہے۔

تھوڑا عرصہ قبل دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے 'دفاع امام ابو حنیفہ' کے نام سے مولانا عبد الحق حقانی نے کتاب تصنیف کر کے شائع کی ہے اس کے مقدمہ میں قاضی محمد زاہد الحسینی فرماتے ہیں: (حنفی) مسلمان فقہ حنفی سے اس قدر غافل ہو رہے ہیں کہ ان کو حنفیت کا احساس تک نہیں رہا اسی طرح اپنے وطن عزیز پاکستان میں بعض وہ ادارے اور طبقات جن کو حنفیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے محنت کرنی چاہیے تھی بالا رادہ یا بلا ارادہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ دینی مدارس میں فقہی نصاب کو مختصر سے مختصر کیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں مفتی حضرات کا فقدان ہے۔ استدلال کے بجائے فقہ حنفی کے لیے قرآن و حدیث کا مطالعہ زوروں پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بارہ سو سال سے مرتب شدہ مسائل میں موشگافیاں کی جارہی ہیں۔ کتب حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے اس کے نتیجہ میں علماء راسخین کی جگہ صرف اردو خوان اور اردو دان طبقہ لے کر مارقیت (خارجیت) کی اشاعت کر رہا ہے حالانکہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے اما المقلد فمستندہ قول المجتہد))یعنی مقلد کو صرف مجتہد کا قول کافی ہوتا ہے۔

(دفاع امام ابو حنیفہ ص26)

لیجئے قاضی صاحب نے تمام فیصلے کردیئے کہ مقلد کے لئے صرف اس کے امام کا قول ہی حجت ہے اور جو شخص قرآن وحدیث کو پڑھتا پڑھاتا اور اس کی نشر واشاعت کرتا ہے وہ ترک تقلید کا دروازہ کھولتا ہے جس کا نتیجہ خارجیوں کے مسلک کی نشر واشاعت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مزید یہ کہ اپنے امام کے قول کی دلیل دریافت کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث کو پڑھنا بھی ترک تقلید اور اپنے امام کے مسائل میں موشگافیاں ہیں جب کہ مقلد کے لیے مجتہد کا قول ہی کافی ہوتا ہے اور یہی کچھ اہل کتاب کرتے تھے ان کے لیے دلیل علماء و مشائخ کے اقوال ہی تھے اور اسی مؤقف و نظریہ کی تردید قرآن کریم نے کی ہے۔

مقلدین کا طرز عمل

اسی بات کا شکوہ کرتے ہوئے امام رازی نے تفسیر کبیر میں سورہ توبہ کی آیت ۳۱ کے تحت لکھا ہے کہ:

((قال شيخنا ومولانا خاتمة المحققين و المجتهدين رضی الله عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرات عليهم ايات كثيرة من كتاب الله تعالى فى بعض مسائل وكانت ومذاهبم بخلاف تلك الايات ولم يقبلوا تلك الايات ولم يلتفتوا اليها وبقوا ينظرون الى كالمتعجب يعنى كيف يمكن العمل بظواهر هذه الايات مع ان روأية سلفنا وردت على خلافها ولوتاملت حق لاتامل وجدت هذا الداء ساريا فى عروق الاكثرين من اهل الدنيا))

یعنی ہمارے شیخ اور خاتم المحققین والمجتہدین فرماتے ہیں کہ میں نے فقہاء مقلدین کے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں نے انہیں کتاب اللہ کی متعدد ایسی آیات پڑھ کر سنائیں جو ان کے اسلاف کے خلاف تھیں تو انہوں نے صرف ان کے قبول کرنے سے منہ ہی موڑا بلکہ سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں دی اور مجھے تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگے کہ ان

آیات کے ظاہر پر عمل کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے اکابر ان کے خلاف کہہ گئے ہیں امام رازی فرماتے ہیں اے مخاطب !اگر تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور و فکر کرے تو یہ بیماری اکثر مقلدین میں گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں۔

(بحوالہ حاشیہ تفسیر جامع البیان ص166 طبع دھلی 1344ھ)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی فرماتے ہیں کہ:

(فان شئت ان تدی اموذج الیھود فانظرالی علماء السوء من الذین یطلبون الدنیا وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الکتاب والسنة)

((وتمسکوا بتعمق عالم و تشدده واستحسانه فاعرضوا عن کلام الشارع المعصوم وتمسکو باحادیث موضوعة وتاویلات فاسدة کانت سبب هلاکهم))

یعنی اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا طلبی میں مشغول ہیں جن میں تقلید کی بیماری گھر کر گئی ہے جنہوں نے کتاب وسنت سے منہ موڑ لیا ہے اور ایک ہی امام کے پیچھے لگ گئے ہیں اور معصوم شارع علیہ السلام کے کلام (حدیث کو ترک کر رکھا ہے (اور اقوال امام کو) من گھڑت روایات اور فضول تاویلوں سے خوب مضبوط بنا کر اسی سے تمسک کیے بیٹھے ہیں۔ بس یہی روش (یہود و نصاریٰ) کی ہلاکت کا سبب بنی۔ (الفوز الکبیر علی حامش جامع البیان ص54) اس سے ملتے جلتے الفاظ میں انہوں نے تفہیمات میں کہا ہے جس کی ضروری تفصیل صراط مستقیم ص49 میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے خوب کی ہے اس سلسلہ میں قاضی ابن ابی العز شارح عقیدہ طحاویہ' علامہ محمد حیات سندھی' امام عبد الرحمٰن بن اسماعیل' علامہ شعرانی علامہ صالح القلانی اور علامہ لکھنوی رحمھم اللہ وغیرہ حضرات نے بھی بعض مقلدین کے اسی طرز عمل کی نشان دہی کی ہے کہ وہ تقلید میں نصوص کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے اور امام کے اقوال کی ایسی پابندی کرتے ہیں جیسے نبی ﷺ کے فرمودات کی پابندی ہوتی ہے مولانا اشرف علی تھانوی حنفی دیوبندی اپنے ایک مکتوب میں

فرماتے ہیں کہ اکثر مقلد عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث بھی کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب پیدا ہوتا ہے' پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے' خواہ کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو' خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجزء قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب (حنفیہ) کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں' دل یہ نہیں مانتا کہ قولِ مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں۔

(تذکرۃ الرشید ص130,131ج1)

مزید فرماتے ہیں کہ

بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاو مصیب وجوبا مفروض الاطاعۃ تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی' حدیث صحیح' مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے' ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ' ﴿اتخذوا احبار ھم ......الخ﴾ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص88ج4 طبع قدیم وایضاً ص297ج5 طبع جدید کراچی)

مولانا تھانوی کی اس وضاحت کے بعد ضرورت تو نہیں کہ مقلدین کے اس اندازِ فکر کی شہادتیں پیش کی جائیں' تاہم اس بات کی نشان دہی کرنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ مقلدین نے بطور اصول لکھا ہے کہ اگر صحیح حدیث کے مخالف بھی قول امام ہوگا تب بھی مقلد پر تقلیداً اس پر عمل کرنا جائز نہیں' چنانچہ دیوبندی مکتب فکر کے 'افضل الفضلاء' مولوی ارشاد الحسن رامپوری محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تالیف "معیار حق" کے جواب میں مجدد الف ثانی' سے نقل کرتے ہیں کہ

ہم مقلدوں کو چھوڑنا مذہب اپنے (امام) کا ظاہر احادیث کے جائز نہیں۔

(انتصار الحق ص255)

ان اقوال سے مؤلف ''تحفہ اہل حدیث'' کے اس وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ میرے بھائی! آپ نے ہم پر دوسرا الزام لگادیا کہ ہم حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر فقہ کو مانتے ہیں' آپ نے احناف کا مؤقف اور مقصد ہی نہیں سمجھا' اگر سمجھ لیتے تو ہر گز یہ اعتراض نہ کرتے۔(ص34)

بھائی اگر یہ الزام ہے تو لگانے والے ہم نہیں بلکہ اکابر احناف ہیں' جس میں خیر سے آپ کے حکیم الامت' بھی شامل ہیں۔ اگر حکیم صاحب بھی مقصد نہیں سمجھے تو آپ جیسے تقلیدی بیماروں نے خاک سمجھنا ہے' حقیقت وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں' آپ کا انکار فقط جھوٹ اور دفع الوقتی ہے۔

مقلد کے اصول

پیارے! ہمارے یعنی احناف کے ہاں سب سے پہلے قرآن کو دیکھا جاتا ہے' اگر مسئلہ قرآن شریف میں مل جائے تو الحمد للہ ورنہ حدیث رسول کو دیکھتے ہیں' اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ اجماع میں دیکھتے ہیں' اگر اجماع میں بھی نہ ملے تو پھر فقہ سے یعنی قیاس شرعی سے مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ فقہ کا تو چوتھا نمبر ہے۔ ہمارے ہاں تو حدیث ضعیف بھی ہو تب بھی اولیت اور فوقیت حدیث کو ہی ہو گی' قیاس کو نہیں ہو گی۔ (تحفہ اہل حدیث ص34)

الجواب: اولاً:- قارئین کرام! یہ اتنا بڑا جھوٹ مذہب کے نام پر بولا گیا ہے جس کی مثال تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی' اور بولنے والے بھی ماشاء اللہ دین کے واحد ٹھیکے دار اور ایمان کامل کا دعویٰ کرنے والے ہیں' سنیے فقہ حنفی کے اصول میں لکھا ہے' ادلہ اربعہ سے فقط مجتہد ہی فوائد حاصل کر سکتا ہے' مقلد کو تو صرف قول امام کی ضرورت ہوتی ہے۔

حنفیوں کے صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ

(فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لاالمقلد فاما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد فالمقلد يقول هذا الحكم واقع عندى لانه اوى اليه راى ابى

حنیفة وکل ماادی الیه رایه فهو واقع عندی)

(التوضیح مع التلویح ص44 طبع نول کشور 1292ھ)

یعنی ادلہ اربعہ (قرآن وحدیث' اجماع اور قیاس) سے صرف مجتہد ہی کچھ حاصل کر سکتا ہے' مقلد نہیں' کیونکہ مقلد کے نزدیک تو دلیل صرف اس کے امام مجتہد کا قول ہوتا ہے' مقلد تو فقط یہی کہے کہ میرے نزدیک اس مسئلہ کا یہی حکم ہے اس واسطے کہ میرے امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے اور جس حکم تک بھی مجھے ان کی رائے نے پہنچایا ہے بس میرے نزدیک وہی صحیح ہے' (انتھی)

یہ عبارت کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں' بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے کہ ادلہ اربعہ کی طرف رجوع مجتہد کا کام ہے اور مقلد کی دلیل قول امام ہے'

ثانیاً:- یہ بھی آپ کی غلط بیانی ہے کہ مقلدین کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے' ملا جیون اصولی حنفی لکھتا ہے کہ

(وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقة كانس وابی هريرة ان وافق حديثه القياس عمل به و هو ان خالفه لم يترك الابالضرورة وهی انه لوعمل بالحديث لانسد باب الرای)

یعنی اگر راوی عادل وضابط ہو لیکن فقیہ نہ ہو' جیسے انس بن مالکؓ اور ابوہریرہؓ تو اگر ان کی روایت کردہ حدیث قیاس کے مطابق ہے تو عمل کر لیا جائے گا اور اگر قیاس کے خلاف ہے تو بالضرورۃ چھوڑ دی جائے گی' اس لیے کہ اگر (خلافِ قیاس) حدیث پر عمل کر لیا جائے تو قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا'۔

(نورالانور ص179)

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ہر حال میں تقلید ہی واجب ہے اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں' خواہ اس کا کوئی قول ان کو بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہوتا ہو۔

(درس ترمذی ص122ج1)

کیوں جناب اب تو معاملہ صاف ہے کہ قیاس کے خلاف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ کہ اگر امام کا قول گو حدیث کے خلاف بھی ہو تب بھی قولِ امام پر ہی عمل کرنا واجب ہے۔

ثالثاً:- اگر واقعی آپ پہلے قرآن وسنت میں مسئلہ دیکھتے ہیں' تو آپ مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ آپ کے اس فعل میں برکت ڈالے۔ آمین

مگر میرے عزیز بھائی یہ تقلید نہیں بلکہ ترک تقلید ہے' جیسا کہ ہم مقدمہ دفاع امام ابو حنیفہ کے حوالے سے ایک معتبر حنفی دیوبندی عالم کا اعتراف نقل کر چکے ہیں مزید ملاحظہ کیجیے' دیوبندیوں کے مفتی اعظم اور فقیہ العصر مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص55ج3)

احناف کے معروف علامہ قاضی محب اللہ بہاری فرماتے ہیں کہ

(واما المقلد فمستنده قول مجتهده لاظنه ولاظنه) (مسلم الثبوت ص9)

یعنی مقلد کی دلیل صرف اس کے امام مجتہد کا قول ہوتا ہے' نہ تو وہ خود تحقیق کر سکتا ہے اور نہ اپنے امام کی تحقیق پر نظر ڈال سکتا ہے۔

منکرین حدیث کے نقشِ قدم پر کون ہے؟

ہمارے معاصر پہلے اہل حدیث کی طرف سے بن بنائے وکیل صفائی یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ اگر قرآن وحدیث فقہ کے بغیر مکمل ہیں تو فقہ کی ضرورت کیا ہے' پھر اس سوال کا جواب رقم کرتے ہیں کہ یہ سوال منکرین حدیث کا سوال ہے' جو انہوں نے حدیث پاک کے متعلق مسلمانوں پر کیا تھا کہ کیا قرآن' حدیث شریف کے بغیر مکمل ہے یا نامکمل؟ اگر قرآن مکمل ہے تو حدیث مخلوق کا کلام ہے اور لاریب بھی نہیں اور حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا تو فرمان خدا کے ہوتے ہوئے فرمان مصطفیٰ کیونکر مانا جائے؟ خالق

کے کلام کے ہوتے ہوئے مخلوق کی بات کیوں مانی جائے؟ لاریب کتاب کے ہوتے ہوئے ظنی حدیث خبر واحد کیوں مانی جائے؟ محفوظ کلام کے ہوتے ہوئے غیر محفوظ حدیث جو آپ ﷺ سے صدیوں بعد لکھی گئی ہے' اسے کیوں مانا جائے؟

(تحفہ اہل حدیث ص35)

الجواب:- اولاً:- اچھا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو بھی یہ کہے کہ دین اسلام کامل واکمل ہے' اس کا یہ دعویٰ منکرین حدیث سے کشید کیا ہوا ہے' اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مکرمی خلط مبحث علماء کی شان نہیں' کاش آپ نے قرآن پڑھا ہوتا' تو آپ کو معلوم ہوتا کہ تکمیل دین کا دعویٰ تو قرآن میں خالقِ کائنات نے کیا ہے' ارشاد ہوتا ہے

(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا)(سورہ المائدہ:3)

یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا' اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کیا۔(5-3)

امام راغب' مفردات میں فرماتے ہیں کہ

(تمام الشئ انتهاؤه الى حد لايحتاج الى شيء خارج عنه والناقص ما يحتاج الى شئ خارج عنه)

یعنی کسی چیز کا تمام اس کا اس حد تک پہنچ جانا ہے کہ وہ اپنے سے خارج کسی چیز کی محتاج نہ رہے اور وہ چیز جو اپنے سے خارج کسی چیز کی محتاج ہو اسے ناقص کہا جاتا ہے۔(المفردات فی غریب القرآن ص75)

دین عبارت ہے قرآن وحدیث سے' اور اس کی تکمیل کا دعویٰ رب تعالیٰ نے کیا ہے' اب اگر آپ قرآن وحدیث کو خارج میں فقہ حنفی کا محتاج جانتے ہیں تو گویا آپ نے دوسرے لفظوں میں قرآن وحدیث کو ناقص قرار دے دیا ہے' اس سوال کا جواب دینا آپ کا اخلاقی فرض تھا' مگر آپ نے عوام کو خلط مبحث میں الجھا کر اپنا الو سیدھا کیا ہے' اور غالباً آپ

نے اسی میں ہی اپنی عافیت جانی ہے۔

ثانیاً:- منکرین حدیث دین کی تشریح کا حق عملاً عبداللہ چکڑالوی' غلام احمد پرویز وغیرہ کو دیتے ہیں' آپ فقہ حنفی کو' فرق کیا رہا؟ وہ سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں آپ مجتہد کے اقوال کی آڑ میں منکر ہیں' غور کیجیے آپ میں کتنا گہرا رشتہ ہے۔

مولانا محمود حسن خاں سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند' حدیث' البیعان بالخیار مالم یتفر قا(بخاری ص283ج1 و مسلم ص6ج2) یعنی بائع اور مشتری دونوں کو (بیع بحال رکھنے اور فسخ کر دینے کا) اختیار رہتا ہے جب تک وہ جدا نہیں ہوتے) کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی املائی تقریر میں فرماتے ہیں کہ

(فالحاصل ان مسئلة الخيار من مهمات المسائل وخالف ابوحنيفة فيه الجمهور وكثير من الناس من المتقدمين والمتاخرين صنفوا رسائل فى ترديد مذهبه فى هذه المسئلة ورجع مولانا الشاه ولى الله المحدث دهلوى قدس سره فى رسائل مذهب الشافعى من جهة الاحاديث والنصوص وكذلك قال شيخنا مدظله يترجع مذهبه وقال الحق والانصاف ان الترجيح للشافعى فى هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا ابى حنيفة)

(التقریر الترمذی ص650)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ بیع بالخیار اہم ترین مسائل میں سے ہے' اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ نے جمہور علماء کرام کی مخالفت کی ہے۔ اور اکثر متقدمین اور متاخرین علماء کرام نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تردید میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام شافعیؒ کے مذہب کو احادیث اور نصوص کی رو سے ترجیح دی ہے۔ اور ہمارے شیخ محمود حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ حق و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امام شافعی کے مذہب کو اس مسئلہ میں ترجیح حاصل ہے اور ہم چونکہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں

اس لیے ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے' (انتہی)

باقی جو آپ کے ہاں حدیث کا دورہ کروایا جاتا ہے تو اس کا مطلب سنت سے لگاؤ نہیں بلکہ تاویل و تحریفات کر کے فقہ کے لیے دلائل جمع کرنے ہوتے ہیں' جس کا اعتراف کھلے لفظوں میں مولانا محمد رسول خاں حنفی دیوبندی نے ایک بار' انجمن خدام الملت دیوبند کے سالانہ جلسہ میں تقلید کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کیا تھا' جو بعد میں رسالہ قاسم العلوم دیوبند میں شائع ہوا ان کے الفاظ ہیں کہ اہل حدیث اور ہم اتنے امر میں شریک ہیں کہ وہ بھی قرآن وحدیث پڑھتے ہیں اور ہم بھی' مگر فرق یہ ہے کہ ہم حدیث اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ امام کے جن اقوال کا منشاء ہمیں معلوم نہیں معلوم ہو جائے یعنی ہم فقہاء کے اقوال کی تائید کے لیے حدیث کا استعمال کرتے ہیں۔

(بحوالہ آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے ص 18)

ثالثاً:- چکڑالوی تو حدیث کا سرے سے انکار کرتے ہیں' اور ہمارے ہاں حدیث کا منکر کافر اور کم از کم گمراہ و بے دین ہے اور اس کا مذاق اڑانے والا پکا کافر ہے۔ کیونکہ حدیث کے بغیر دین ہی ادھورا رہ جاتا ہے۔ قرآن کی صحیح تفہیم ہی حدیث سے ہوتی ہے اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے خود حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا ہے۔ آپ مولانا عبدالرحمٰن مرحوم کیلانی کی ''آئینہ پرویزیت'' مولانا عبدالرؤف جھنڈ نگری کی ''صیانۃ الحدیث'' اور مولانا اسماعیل سلفی رحمھم اللہ اجمعین کی ''حجیت حدیث'' کا مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ الرحمٰن منکرین حدیث کے جو شبہات آپ کے دل میں گھر کر چکے ہیں وہ کافور ہو جائیں گے۔

ہمارا ''الدین نصیحۃ'' کے تحت مشورہ ہے کہ اپ پہلے اسلامی علوم میں دسترس حاصل کریں پھر مبتدعین کی کتب کا مطالعہ کریں تاکہ آپ بے راہ روی کا شکار نہ ہوں' یہاں آپ کے اوہام کے ازالہ کے لیے مختصر عرض ہے کہ آیت قرآنی (اناله لحافظون) بھی تو ہم کو انہی واسطوں سے پہنچی ہے جو بقول آپ کے غیر محفوظ ہیں' تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت کسی نے اپنی طرف سے بڑھا نہ دی ہو' پھر اس آیت میں قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا

ہے'اور قرآن بالاتفاق اصولیین نام ہے' نظم اور معنی دونوں کا'اس لیے یہ آیت الفاظ قرآن اور معانی فرقان کی حفاظت کا بھی ذمہ لیتی ہے۔ (دیکھیے تفسیر عثمانی ص347)

اور معانی قرآن کی حفاظت حدیث میں ہوئی ہے۔باقی جو آپ نے حدیث کو علی الاطلاق مخلوق کا کلام کہا ہے یہ بھی آپ کی بھول ہے کیونکہ احادیث میں کلام ربانی بھی ہے جسے اصطلاحاً حدیث قدسی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو آنحضرت ﷺ کا کلام ہے وہ گو الفاظ نبوی ہیں مگر ان کی تفہیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی﴾ (سورہ النجم:3,4)

یعنی وہ پیغمبر اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا' مگر وہی جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔(53-463)

مولانا عثمانی (جو کہ آپ کے معتمد مفسر قرآن ہیں (تحفہ اہل حدیث ص84) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آپ جو کچھ دین کے باب میں فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اس میں وحی متلو کو قرآن اور غیر متلو کو' حدیث کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص698)

رہا آپ کا حدیث کو ظنی کہنا یہ بھی آپ کے بھولے پن کی دلیل ہے۔ لفظ ظن عربی اور اردو میں مستعمل ہے۔ لیکن اردو میں اس کا استعمال شک' وہم کے مفہوم میں آتا ہے اور یہی استعمال ہمارے معاصر کے لیے لغزش کا سبب بنا ہے' ورنہ عربی زبان میں یہ لفظ بلا قرینہ اس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوا۔امام راغب فرماتے ہیں کہ

(الظن اسم لما یحمل عن امارة ومتى قويت ادت الى العلم ومتى ضعفت جداً لم يتجاوز حد التوهم)

یعنی کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے ظن کہتے ہیں۔جب یہ علامات قوی ہوں تو ان سے علم کا درجہ حاصل ہوتا ہے' مگر جب بہت کمزور ہوں تو وہ نتیجہ وہم کی حد سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔ (المفردات ص317)

یہی وجہ ہے کہ جب نتیجہ قوی ہو تو اس کا معنی علم و یقین ہوتا ہے۔
ارشاد ربانی ہے کہ
(اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ) (سورہ البقرہ:46)
یعنی جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔

امام راغب نے اس کے علاوہ تقریباً آٹھ دس آیات کو نقل کیا ہے جس میں "ظن" کا لفظ علم و یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے' مگر ہمارے مہربان اس کو لاریب کے بالمقابل لا کر شک و وہم کے معنی میں باور کرا کر حدیث کو اوہام کا دفتر قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر اس جہالت بھرے بیان کو تحفہ کے نام سے شائع کر کے اہل حدیث کو بطور گفٹ پیش کر کے دعوت فکر دی جارہی ہے۔ آخر میں منکرین حدیث کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

حدیث صدیوں بعد لکھی گئی' معلوم نہیں اس فقرہ سے مولانا کی کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں حدیث سرے سے لکھی ہی نہیں گئی تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ کسی دین دار سے اس کا صدور ممکن نہیں' کیونکہ عہد رسالت میں احادیث کو بھی قلم بند کیا جاتا تھا۔ (بخاری ص22ج1)
تفصیل کے لیے مولانا تقی عثمانی کی (درس ترمذی ص36ج1) کا مطالعہ کریں

اگر اس فقرہ سے آپ کا مقصد' مرتب و ترتیب ہے تو بھائی یہ تو آج بھی علماء دین کرتے ہیں۔ کیا ماضی قریب میں صرف دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے ہی "اعلاء السنن" اور "اثار السنن" کے نام سے احادیث کے دو جدید مجموعے شائع نہیں ہوئے؟ تو کیا کسی کو ان کے تاخرِ زمانی کی وجہ سے ہی بے کار و فضول کہنے کا حق مل گیا ہے' عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو' صحابہ کرام کے آثار' تابعین کے اقوال' امت مرحومہ کی فتوحات' دینی خدمات تمام کی تمام بعد میں مرتب ہوئیں۔ تو کیا ان سب سے انکار کر دیا جائے گا کہ یہ بعد کی پیداوار ہیں' خیر القرون کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر کے آپ کون سی دین و ملت کی خدمت کر سکتے

ہیں؟ آپ پہ واضح ہو کہ منکرین حدیث 'سرے سے حجیت حدیث کے ہی منکر ہیں۔اس مؤقف کے بعد سند اور تدوین حدیث کی مباحث کا نفس مسئلہ سے کوئی جوڑ ہی نہیں' یا زیادہ سے زیادہ یہ ایک ثانوی بحث ہے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم اسی چیز کا شکوہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ مخالفین حدیث کے پورے کیمپ سے ہمیں یہ شکوہ ہے کہ ان حضرات نے ہمیشہ خبط اور خلط مبحث کی کوشش کی' ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال' افعال' اجتہادات شرعاً حجت نہیں' وہ خدا کا پیغام (قرآن) تو دے سکتے ہیں لیکن اس کی وضاحت کا ان کو حق نہیں اور اگر وہ اس پر عمل کریں تو وہ عمل اُمت کے لیے حجت نہیں' ان کی صوابدید ان کی ذات تک محدود ہے' ہم ان کی تعمیل کے مکلّف نہیں' ظاہر ہے کہ اس میں سند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' جو لوگ آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ گفتگو فرماتے تھے ان پر بھی شرعاً اسے قبول کرنا ضروری نہ تھا' لہٰذا اگر یہ احادیث کے ذخائر تواتر نقل سے بھی ہم تک پہنچ جائیں تو بھی بلحاظ اقوال رسول یہ حجت شرعی نہیں ہیں۔ حجت شرعی صرف پیغام کے الفاظ یعنی قرآن ہے' اور اسی طرح اگر آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں احادیث کا مجموعہ لکھوادیتے اور وہ مجموعہ آج قرآن کی طرح ہمارے ہاتھوں میں ہوتا پھر جب تک وہ قرآن کے موافق نہ ہوتا ہم اسے قطعاً شرعی حجت نہ سمجھتے بلکہ اگر ہماری سمجھ اور ہمارے علم کی رو سے قرآن کے موافق اس کا مفہوم نہ ہوتا تو بھی ہم قرآن کو ترجیح دیتے اور وہ مفہوم جسے ہماری عقل قرآن تصور کرتی ہے اس کو حدیث کے اس مسلم الثبوت مجموعہ پر ترجیح ہوتی' اس عقیدہ کے بعد سند یا تدوین حدیث کے اوقات یا حفظ حدیث کے ظرف کی بحث بالکل بے فائدہ ہے۔ یا کم از کم یہ ایک ثانوی بحث ہے۔ جس پر ایک ضمنی دلیل کے طور پر تو بحث کی جاسکتی ہے لیکن انکار حدیث کے لیے اسے مستقل دلیل کا مرتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

(حجیت حدیث ص 187)

دین میں فقہ کا مقام

فرماتے ہیں جس طرح منکرین حدیث کا اعتراض حدیث کے خلاف غلط ہے' اسی طرح آپ کا سوال فقہ کے خلاف غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح حدیث قرآن مقدس کی تشریح ہے بعینہ اسی طرح فقہ قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح کا نام ہے' قرآن کی وضاحت جب پیغمبر ﷺ اپنے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں اسے حدیث کہا جاتا ہے اور جب امام فقیہ' مجتہد قرآن وحدیث کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں تو اسے فقہ کہتے ہیں' فقہ قرآن وحدیث سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص36)

الجواب:- اولاً:- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ دین کے معاملات میں جو کچھ بھی کہتے یا عمل کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے ہوتا تھا' جسے وحی غیر متلو کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مزید سنیئے ارشاد ربانی ہے کہ

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ☆ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ☆ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ☆ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ☆﴾ (سورہ القیمۃ:19-16)

تم اس کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کرو تاکہ اسے جلدی یاد کرو' اس کا جمع کردینا اور اس کو پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے' پس جب ہم پڑھیں تو اس کی قرأت کی پیروی کیا کرو پھر بیان کرادینا ہمارے ذمے ہے'

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو قرآن کے علوم ومعارف سکھانے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا تھا' مزید سنیئے

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

(سورہ النحل:44)

یعنی ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اسے کھول دیں جو ان کی

طرف نازل کیا گیا ہے' تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن کی تشریح و توضیح کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کو حق دیا گیا اور نزول قرآن کے وقت امت مرحومہ کے لیے مشکل اور مجمل مقامات کا حل بھی رسول اللہ ﷺ بیان کرنے کے مکلّف تھے۔ جیسا کہ الفاظ "لتبین" کا مقصد ہے۔

اب آپ نے امام و مجتہد کی فقہ کو بعینہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی طرح قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ وحی کی تفسیر کریں تو حدیث ہوتی ہے' اور امام قرآن و حدیث کی تفسیر کرے تو فقہ ہوتی ہے' راقم عرض کرتا ہے کیا مجتہدین پر وحی نازل ہوتی تھی کہ آپ ان کی تفسیر کو بعینہ نبوی تفسیر کی طرح کہہ رہے ہیں' تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا قصور کیا ہے' جب آپ مجتہدین کی طرف ہی وحی کے قائل ہوگئے۔ ثانیاً نبی کی توضیح و تشریح بالفاظ دیگر اس کا قول و فعل اور فتویٰ غیر مشروط ہوتا ہے' غیر مشروط سے مراد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں نبویؐ تفسیر و توضیح حق ہی حق ہوتا ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا' جس کی وجہ سے نبیؐ کے تمام اقوال و افعال کو قبول کرنا لازم و ضروری اور تمام فرائض سے اہم فریضہ ہے' اس سے انحراف دین و ملت سے بغاوت اور کفر محض ہے۔ جبکہ مجتہدین کے اقوال و اجتہادات میں حنفیہ خود بھی صواب و خطاء دونوں احتمال کو تسلیم کرتے ہیں' جبکہ نبیؐ دین کی تبلیغ' اس کی نشر و اشاعت بلکہ تمام دینی امور میں معصوم ہوتا ہے' تو پھر نبویؐ تفسیر اور مجتہد کی تشریح ایک کیسے ہوئی؟

آپ کے استاذ محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق و صواب سمجھا جائے اور اس سے خطاء اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے'...... ایسی تقلید مفضی الی الشرک ہے۔ (الکلام المفید ص 310)

ثالثاً:- اگر مجتہد کی تفسیر بعینہ تفسیر نبویؐ کی طرح ہے' تو آپ حضرات عقائد اور اصول میں تقلید کیوں نہیں کرتے؟ جیسا کہ آپ کے استاذ محترم نے صراحت کی ہے کہ ہم اصول اور

عقائد میں تقلید کو جائز و درست نہیں سمجھتے۔

(الکلام المفید ص172' 235)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا آپ اقوالِ رسول اور اسوۂ حبیب ﷺ کو بھی اصول و عقائد میں غیر معتبر جانتے ہیں؟ اگر نہیں یقیناً نہیں' تو پھر یہ بعینہ ایک کس طرح ہوئے' معلوم ہوا کہ آپ بے راہ روی کا شکار ہوئے اور عوام کو گمراہ کرنے کا سبب بنے' اس سے توبہ کر لیں' ہمارا برادرانہ مشورہ ہے۔

تشریح کسے کہتے ہیں؟

فرماتے ہیں' جیسے ہر ہر حدیث قرآن کی آیت سے ثابت نہ ہو سکنے کے باوجود قرآن کی تفسیر بن سکتی ہے' اسی طرح فقہ کی ہر ہر جزئی بھی قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت نہ ہونے کے باوجود ان کی تشریح بن سکتی ہے۔ تشریح ہمیشہ اس سے زائد ہوتی ہے جس کی تشریح کی جائے ۔مثلاً کوئی پوچھے کہ قرآن کیا ہے؟ ذرا سوال پر غور فرمائیں کہ قرآن کیا ہے؟ تو سمجھانے والا اس طرح تشریح کرے گا کہ یہ ایک کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے' یہ کتاب لاشک ولاریب ہے' تو دیکھئے جس چیز کی تشریح کی گئی وہ لفظ قرآن ہے اور اس کی تشریح میں بہت سے الفاظ محض بات سمجھانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔ اور بسا اوقات مزید توضیح کے لیے مثال بھی دینا پڑتی ہے' اگر کوئی یہ کہے کہ تشریح کا ہر ہر لفظ مجھے وہاں دکھاؤ جس کی تشریح کی گئی ہے' تو یہ کم عقلی ہو گی' اس لیے جس طرح ہر ہر حدیث کا ثبوت قرآن سے مانگنا کم عقلی ہے' بعینہ اسی طرح ہر ہر فقہی جزئی کا ثبوت حدیث سے مانگنا عقل کا قحط عظیم ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص37)

الجواب :- اولاً :- تشریح کا مفہوم یہ ہے کہ بات کو کھول کر سمجھانا' دیکھیے علمی اردو لغت ص316' امام راغب فرماتے ہیں کہ

(شرح المشكل من الكلام بسطة واظهار مايخفى من معانيه)

یعنی تشریح کہتے ہیں کلام کے مشکل مقامات کی تفصیل اور مخفی معانی کے اظہار کو'۔

(المفردات القرآن ص258)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس چیز کا دین کے معاملہ میں حق اللہ نے محمد ﷺ کو دیا ہے' اگر آپ کے پاس کوئی ایسی آیت یا صحیح حدیث ہے جس میں اللہ نے دین کی تشریح و توضیح کا حق امام ابو حنیفہ کو دیا ہے تو وہ پیش کیجیے'

ثانیاً:- اوپر معلوم ہو گیا کہ تشریح زائد چیز کا نام نہیں بلکہ مخفی چیز کے اظہار کو شرح کہتے ہیں' پھر آپ نے اپنے مؤقف پر جو دلیل قائم کی ہے وہ نری جہالت ہے' بھائی ہم پہلے سورہ النحل کی آیت 44 نقل کر چکے ہیں اس میں محمد عربی ﷺ پر نزول قرآن کا ذکر ہے' اور اس کے لاریب ہونے کے لیے کلام الہٰی سے سورہ بقرہ کی آیت 1 کا مطالعہ کریں' الغرض یہ چیزیں تو قرآن سے ثابت ہیں مگر آپ ان کو زائد کہتے ہیں' واہ رے تیری قرآن دانی اور حدیث فہمی'

ثالثاً:- رہا آپ کا یہ کہنا کہ تمام احادیث قرآن سے ثابت نہیں' راقم عرض کرتا ہے آپ منکرین حدیث کی طرح پہلے وحی غیر متلو کا انکار کریں پھر یہ اعتراض کریں۔ اگر آپ محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے قائل ہیں یقیناً ہیں تو پھر آپ اہل حدیث سے بغض میں اس حد تک نہ جائیں کہ شریعت کے حقائق کا بھی انکار کرتے جائیں۔

آپ ہماری مخالفت ضرور کریں' یہ آپ کا حق ہے' جو آپ سے چھینا نہیں جاسکتا مگر خدارا ہمارے ساتھ بغض و تعصب میں آپ دین کا حلیہ مت بگاڑیئے' اس کے سبب سے عوام گمراہ ہوتے ہیں اور قیامت کے روز آپ کو ذلت اٹھانی پڑے گی' اللہ آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رابعاً:- جو چیزیں حدیث میں زیادۃ علی کتاب اللہ ہیں' ان کا تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا اطاعت رسول میں داخل ہے کہ نہیں! اگر داخل ہے یقیناً ہے' تو پھر یہ اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہوئی' ارشاد ربانی ہے

(مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ) (النساء:80)
یعنی جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی'
تو کیا آپ قرآن سے کوئی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ بیان ہو کہ امام ابو حنیفہ کی ایسے امور میں اطاعت کرنا لازمی و ضروری ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں' اور اس سے انحراف کفر ہے کیونکہ یہ اطاعت الٰہی سے بغاوت ہے؟ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں' یقیناً نہیں تو پھر آپ کی مذکورہ تمام تحریر باطل و مردود ہے۔

اہل حدیث کا فقہ سے ناراضگی کا سبب

پہلے اہل حدیث کی طرف سے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ فقہ میں چونکہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے یہ لائق عمل نہیں' پھر اس کا جواب رقم کرتے ہیں کہ میرے بھائی! آپ نے شاید چوری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے' یہ سوال منکرین حدیث کا ہے' انہوں نے کہا تھا کہ ہم حدیث کو اس لیے نہیں مانتے کہ حدیث میں اختلاف ہے' شیعہ کا کہنا ہے کہ ہم صحابہ کو نہیں مانتے کیونکہ صحابہ میں اختلاف ہے' پادری فانڈر کا کہنا تھا کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے کیونکہ قرآن کی قرأتوں میں اختلاف ہے' اور جناب! آپ کا فرمان ہے کہ فقہ کو اس واسطے نہیں مانتے کہ اس کے مسائل میں اختلاف ہے' تو یہ آپ کا کوئی نیا شگوفہ نہیں ہے' بلکہ یہی اعتراض پادریوں کا قرآن پر' پرویزیوں کا حدیث پر' شیعہ کا صحابہ کرام پر' اور منکرین فقہ کا فقہ پر ہے' بلکہ میں تو آپ سے ایک بات اور بھی کہوں گا کہ صحیح حدیث کی تعریف میں بھی اختلاف ہے' تو آپ صحیح کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے' اگر کسی چیز میں اختلاف اس کو چھوڑنے کی وجہ ہو سکتی ہے' تو پھر قرآن و حدیث اور صحابہ کو چھوڑنے والوں پر بھی کوئی ملامت نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص37,38)

الجواب: اولاً:- عیسائی آنحضرت ﷺ کو اپنے دعویٰ میں صادق نہیں جانتے' منکرین حدیث' اقوال الرسول کو حجت نہیں جانتے' اور شیعہ عام صحابہ کے ارتداد کے قائل ہیں' ان

چیزوں میں اختلاف کے سبب وہ منکر نہیں' جیسا کہ مؤلف باور کرانا چاہتا ہے' بلکہ اس کی ان مذاہب کے بارہ میں نادانی اور جہالت کا واضح ثبوت ہے۔

ثانیاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا حق تھا وہ پہلے اختلاف کی تعریف کرتا' پھر ان میں اختلاف ثابت کرتا' تو ہم ان کا جواب بھی ضرور تحریر کرتے مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث نے اسی میں ہی عافیت جانی کہ اصل بحث کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھا کر خلط مبحث کر کے اپنا مقصود حاصل کیا جائے۔ یقین جانئے کہ مؤلف نام تو پادریوں اور منکرین حدیث کا لیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے اپنے دلی خیالات ہی ان پراگندہ افکار و نظریات پر مبنی ہیں' آگے چل کر خود اپنی ذمہ داری سے لکھتا ہے کہ "احادیث مقدسہ میں کافی اختلاف ہے"۔ (تحفہ اہل حدیث ص 57)

ہمیں چوری کا طعنہ دینے والو! خود اپنی حالت پر غور کرو کہ تمہارا حسب و نسب کن لوگوں سے ملتا ہے' بہر حال آیئے تحقق اختلاف کی تحقیق سنیئے' کسی کلام میں تناقض کے لیے آٹھ باتوں میں اتحاد ضروری ہے۔

(۱) موضوع (۲) محمول (۳) مکان (۴) شرط (۵) زمانہ (۶) اضافت (۷) جزو کل (۸) بالقوہ و بالفعل کے لحاظ سے اگر دو قضیے متفق ہوں مگر ان میں ایجاب و سلب یعنی ہے اور نہیں حکم کے لحاظ سے نیز قضیہ موجہہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو تو وہ متناقض کہلائیں گے' اہل منطق کا معروف مقولہ ہے۔

در تناقض ہشت و حدت شرط داں
وحدت موضوع و محمول و مکاں
وحدت شرط و اضافت جزو کل
قوت و فعل است در آخر زماں

ان شرائط کو ملحوظ رکھیے اور پوری ذریت دیوبندیت کو ساتھ ملا لیجیے اور منکرین حدیث اور پادریوں کی خدمات بھی حاصل کر لیجیے اور رشیعت کی بھی قے خوری کر لیں' اور قرآن

وحدیث میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تناقض کی نشان دہی کیجیے یہ راقم اپنی بے بضاعتی اور قصور علم کے باوجود یہ ثابت کر دے گا کہ ان دونوں میں قطعاً اختلاف نہیں ہے۔ان شاءاللہ الرحمٰن

مختصر یہاں عرض ہے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ

(وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا) (النساء:82)

یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا۔

اب جو شخص قرآن وحدیث میں اختلاف کا قائل ہے' وہ یقیناً اس آیت فرقانی کا مکذب ہے یا دین اسلام کو غیر اللہ کی طرف سے جانتا ہے۔

ثالثاً:- آپ کا یہ کہنا کہ فقہاء و مجتہدین اور فقہ حنفیہ میں قطعاً اختلاف نہیں' یہ آپ کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے' اور کتب فقہ سے کم آگاہی کا نتیجہ ہے' اہل الرائے نے تو اپنے اختلافات پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک روایت بھی وضع کی ہے کہ (اختلاف امتی رحمة یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے' دیکھیے سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص30 و فتاویٰ شامی ص68ج1)

حالانکہ یہ روایت کذب وافتراء ہے' اس کی کوئی صحیح سند تو کجا ضعیف بلکہ من گھڑت بھی موجود نہیں۔

(تفصیل سلسلہ احادیث الضعیفہ نمبر 57 میں دیکھیے)

افسوس روایت گھڑنے والوں کو اتنا شعور بھی نہ تھا کہ اگر امت میں اختلاف رحمت الٰہی ہے تو کیا اتفاق غضب الٰہی کا سبب ہے' اناللہ وانا الیہ راجعون

الغرض فقہ اور مجتہدین حنفیہ میں زبردست اختلاف ہے' اختصار کے پیش نظر ہم مؤلف "تحفہ اہل حدیث" کے مستند عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

قول غیر مقلدین کا کہ فقہ میں بہت اختلاف ہے اور حدیث میں نہیں یہ بالکل غلط ہے' شاید ان لوگوں نے مشکوٰۃ بھی نہیں دیکھی محض نام حدیث کا سن لیا ہے' احادیث میں

اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے' یہ کلام محض دھوکہ دہی (نہیں) ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لیوے کہ احادیث بخاری کی خود باہم متعارض ہیں اور یہی سبب اختلاف فقہاء و مجتہدین کا ہوا ہے۔ اللہ اکبر کیا غلط قول ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنا اس کو ہی کہتے ہیں' پس معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف بسبب اختلاف احادیث کے ہوا ہے۔

(سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص 41 طبع گوجرانوالہ)

لیجیے جناب آپ کے امام ربانی فرماتے ہیں کہ احادیث میں زبردست اختلاف ہے' اسے پادریوں سے سرقہ کہیں یا منکرین حدیث کے ادھار سے تعبیر کریں' یا خالص شیعیت کا نام دیں۔ یہ آپ کی صواب دید پر ہے' ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی' بہر حال امام ربانی نے احادیث میں اختلاف کی نوعیت کو بتاتے ہوئے اس بات کا بھی کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ فقہاء احناف میں مسائل کا اختلاف ہے' پھر عذر لنگ پیش کیا ہے کہ چونکہ احادیث میں اختلاف ہے۔ اس لئے فقہاء میں بھی اختلاف ہے یعنی احادیث فقہاء کے اختلاف کا سبب بنی ہیں معنی یہ ہوا کہ کلام رسول میں تناقض ہے۔

حالانکہ فقہاء و مجتہدین کے اختلاف کا سبب نصوص کا اختلاف نہیں بلکہ صحیح حدیث کا نہ ملنا' منسوخ کا علم نہ ہونا وغیرہ اسباب ہیں' نہ کہ فی نفسہ نصوص میں ہی اختلاف ہے۔

قارئین کرام آپ تقلید پر لکھی ہوئی کوئی بھی کتاب پڑھ لیجیے مقلدین حضرات جب تقلید کے فوائد بیان کرتے ہیں تو ان میں ایک فائدہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں بعض آیات محکم و متشابہ ہیں' بعض ناسخ و منسوخ ہیں اور اس طرح احادیث میں زبردست اختلاف ہے' لہٰذا کسی امام و مجتہد کا دامن پکڑ لیجیے وہ آپ کو ان تمام چیزوں سے بے نیاز کر دے گا اس کے لئے ہمیں باہر سے دلیل لانے کی ضرورت ہی نہیں خود مؤلف "تحفہ اہل حدیث" اپنے پراگندہ دل سے چند احادیث میں بزعم خود تناقض ثابت کرنے کے بعد کہتا ہے کہ

"اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں' جن میں کافی تعارض و تخالف

موجود ہے۔ پھر آگے رفع تعارض کے لیے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی دعوت دی ہے"۔(تحفہ اہل حدیث ص57 تا59)

اب انصاف سے کہنا کہ احادیث میں تعارض بتانا منکرین حدیث کا فعل ہے؟ یا اس کی ابتداء اہل الرائے نے کی تھی، اور منکرین حدیث کے لیے سیڑھی تو آپ نے فراہم کی ہے ورنہ پرویزی حضرات تو علم حدیث سے اتنا ہی واقف ہیں جتنا ایک جاہل حروف ابجد سے شناسا ہوتا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ

"یہ تمام حضرات عموماً اسلامی علوم کو انسائیکلوپیڈیا سے حاصل کرنے کے عادی ہیں۔ یہ قرآن کی تاریخ اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرت کو مسٹر نکلس سے سیکھنا انتہائی تحقیقات تصور کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسی ہے جنھوں نے اسلامی علوم کو اسلامی ماخذ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اسلامی علوم کو یورپین مستشرقین اور انگریزی زبان کے توسط سے سیکھا ہے۔ ترجمہ قرآن عزیز میں جن حضرات کا مدار مسٹر ولیم میور پر ہے اگر وہ حدیث کا انکار کریں تو انہیں کون روکے اور کیونکر"۔(حجیت حدیث ص185)

الغرض مقلدین کے منتشر خیالات سے اس مؤقف نے جنم لیا اور اس کی وجہ اختلاف فقہ پر پردہ ڈالنا تھا، اور عوام کو تقلید کی دعوت دینا تھا، مگر افسوس کہ مؤلف یہاں انکاری ہیں۔ مگر چند صفحات آگے چل کر اس کی پر زور تائید و حمایت کرتے ہیں، اور عوام کو تقلید کی دعوت دیتے ہیں، لیکن یہاں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ہم پر برس رہے ہیں کہ یہ سوال، پادریوں، منکرین حدیث، اور شیعہ کا ہے، اس سے بڑھ کر دنیا میں اور جھوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ کتب فقہ حنفیہ دنیا سے غائب نہیں ہو گئیں، بلکہ موجود ہیں ان کی مراجعت کر لیجیے آپ مولانا گنگوہی کی حرف بحرف تائید پائیں گے۔ چند امثلہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ کریں،

(۱) ہدایہ ص22 ج1 باب الماء الخ میں ہے کہ (عن ابی حنیفة هوطاهر) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک وضو کا مستعمل پانی پاک ہے، پھر اسی صفحہ میں ہے کہ (وقال

ابو حنیفة ......ھو نجس) یعنی امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ وضو کا مستعمل پانی پلید ہے۔

(۲) ہدایہ ص22ج1باب الماء الخ میں ہے کہ (عن ابی حنیفة نجساسة غلیظة) یعنی وضو کا مستعمل پانی پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔اسی صفحہ میں ہے کہ (ھوقوله نجاسة خفیفة) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نجاست غلیظہ نہیں ہے۔

(۳) ہدایہ ص 23 ج 1باب الماء الخ میں ہے کہ (عندابی حنفیة کلاھما نجسان) یعنی اگر جنبی کنویں میں اترا تو اس کا غسل نہیں اترا' بلکہ کنواں اور جنبی دونوں ہی پلید ہیں' اسی صفحہ میں ہے کہ (ان الرجل طاھرٌ) یعنی جنبی پاک ہو جاتا' جنبی کا غسل اتر جاتا ہے۔

(۴) ہدایہ ص 24 ج 1باب المسح الخ' میں ہے کہ (لایجوز المسح علی الجوربین عندابی حنیفة) یعنی جرابوں پر مسح امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں' اسی صفحہ میں ہے (انه رجع الی قولھما) یعنی جرابوں پر مسح جائز ہے امام ابو حنیفہ کا یہی فتویٰ ہے۔

(۵) ہدایہ ص56ج1باب الانجاس الخ میں ہے کہ (فاذا جف علی الثوب اجزا فیه الفرك) یعنی جب منی کپڑے پر سوکھ جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔اسی صفحہ میں ہے کہ (وعن ابی حنیفة انه لایطھر) یعنی صورت مذکورہ میں کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

(۶) ہدایہ ص64ج1باب المواقیت میں ہے کہ (واخروقتھا عندابی حنیفة اذا صارظل کل شئ مثلیه) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے' اسی صفحہ میں ہے کہ (اذا صارالظل مثله وھوروایة عن ابی حنیفة) یعنی ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ برابر ہونے تک ہے۔

(۷) ہدایہ ص 64 باب المواقیت میں ہے کہ (واولِ وقت العصر الخ) یعنی جب سایہ دوگنا ہو جائے تب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (واول وقت العصر) یعنی ایک گنا سایہ جب ہو جائے تب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

(۸) ہدایہ ص 66 باب المواقیت میں ہے کہ (ثم الشفق هوالبياض الذى فى الافق بعد الحمرة عندابى حنيفة) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک شفق غائب نہ ہو' مغرب کا وقت ہے' اور شفق کہتے ہیں اس سفیدی کو جو آسمان کے کناروں پر سرخی غائب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (هوالحمرة وهورواية عن ابى حنيفة) یعنی شفق سرخی کو ہی کہتے ہیں۔

(۹) ہدایہ ص 74 ج 1 باب الاذان میں ہے کہ (يكره ان يقيم على غيروضوء) یعنی وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ ہے' اسی صفحہ میں ہے کہ (يروى انه لاتكره الاقامة ايضاً) یعنی وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ نہیں۔

(۱۰) ہدایہ ص 90 باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے کہ (فان اقتصر على احدهما جاز عند ابى حنيفة) یعنی اگر سجدہ میں صرف ناک زمین پر ٹکائے' پیشانی نہ لگائے تو بھی جائز ہے۔ اسی صفحہ میں ہے (لايجوز) ایسا کرنا جائز نہیں۔ تلك عشرة كاملة

یہ دس مسائل ہم نے فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ (جس کے بارے میں مقدمہ ہدایہ ازعلامہ لکھنوی میں لکھا ہے کہ یہ قرآن کی طرح ہے) نقل کیے ہیں اور ان تمام اقوال کو کہنے والے امام ابو حنیفہ ہیں' اب ایمان سے کہنا کہ ان میں تناقض ہے کہ نہیں۔

کیا فقہ کا اختلاف قرأت قرآن کی طرح ہے؟

فرماتے ہیں کہ

فقہ میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں' صرف آپ کو نظر آتا ہے' جیسے قرآن پاک کی قرأتیں دو قسم کی ہیں' شاذ اور متواتر' شاذ قرأتوں کو قرآن نہیں کہا جاتا بلکہ متواتر قرأتوں کا نام

قرآن ہے' پادری لوگ قرآن پاک کی شاذ قرأتوں پر ہمیشہ اعتراض کرتے ہیں' اور ہم یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ جو آپ پیش کرتے ہیں وہ شاذ قرأتیں ہیں قرآن نہیں۔ اسی طرح احادیث بھی دو قسم کی ہیں' صحیح اور غیر صحیح' دونوں قسم کی روایتیں کتابوں میں درج ہیں' منکرین حدیث غیر صحیح احادیث اٹھا کر مسلمانوں پر اعتراضات کرتے ہیں' تو ان کا جواب ہم یوں دیتے ہیں کہ صحیح حدیث پر اعتراض کرو۔ جس پر تم اعتراض کر رہے ہو وہ تو حضور ﷺ کا فرمان ہی نہیں ہے۔ غیر صحیح احادیث کو صحیح احادیث کے ساتھ ملا کر کہنا کہ نبی ﷺ کے فرمان میں تضاد و اختلاف ہے' یا ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے دو حدیثوں کا آپس میں تضاد بتانا غلط ہے۔

اسی طرح فقہ حنفی کے اقوال بھی دو قسم کے ہیں مفتی بہ اقوال اور غیر مفتی بہ اقوال' مفتی بہ اقوال کا نام فقہ حنفی ہے' ان کے اندر کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے' یہ تضاد اسی طرح ہے جس طرح پادری کو قران میں اور منکرین حدیث کو احادیث میں نظر آتا ہے' آپ کو فقہ میں نظر آتا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 38,39)

الجواب: اولاً:- بلاشبہ قرأت شاذ اور ضعیف حدیث حجیت شرعی نہیں ہے' کیونکہ شاذ قرأت نہ قرآن ہے اور ضعیف احادیث فرمان مصطفیٰ نہیں ہے اب اس بات پر قائم رہنا' کیونکہ آپ کو مکرنے کی عادت ہے۔

ثانیاً:- ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ پادری اور منکرین حدیث سرے سے قرآن وحدیث کے منکر ہیں' ورنہ پادری اسلام قبول کر لیں اور منکرین حدیث صحیح احادیث کو اپنا لائحہ عمل بنالیں' مگر ہم نہ تو فقہ کی افادیت کے منکر ہیں' نہ اس کو کلی طور پر باطل کہتے ہیں' ہاں البتہ ہمارے اور آپ کے نزدیک فقہ کے تعین میں اختلاف ہے' آپ حضرات کتب فقہ حنفیہ کے ابواب الحیل وغیرہ کو فقہ کہتے ہیں اور ہم قرآن وحدیث اور دین میں سمجھ کا نام فقہ رکھتے ہیں' محدثین کرام قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کرام سے مسائل استنباط کرتے تھے اور ہیں' جبکہ مقلدین کا گروہ اپنے امام کے قواعد وکلیہ سے تخریج مسائل کرتے تھے اور

ہیں' تفصیل (حجۃ اللہ کے باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائے) میں موجود ہے۔

ثالثاً:- آپ کا مفتی بہ اور غیر مفتی بہ کی تقسیم کر کے فقہ کے اختلاف کو مٹانے کا دعویٰ ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ جن اقوال کو آپ غیر مفتی بہ کہتے ہیں وہ بہر حال فقہائے احناف کے مجتہدین فی المذاہب یا ارباب ترجیح وغیرہ کے فتاویٰ ہیں جو بہر حال ان کے نزدیک مفتی بہ ہیں' اس سے انکار محض ضد ہے۔ علاوہ ازیں کسی مجتہد فی المذہب کے قول کو محض غیر مفتی بہ کہہ کر رد کر دینا عقل وشعور کا قحط ہے' کیا انہوں نے امام ابو حنیفہ کے قواعد واصول سے اس مسئلہ کو استنباط نہیں کیا تھا' تو پھر وہ مجتہد فی المذہب کیا ہوئے آپ کی طرح رطب ویابس کو جمع کرنے والے اور مقلد اعمیٰ ہوئے۔

فقہ حنفیہ میں کچی اور پکی باتیں

فرماتے ہیں کہ مفتی بہ کا لفظ فتی سے بنا ہے' جس کا معنی ہے مضبوط طاقتور نوجوان' تو مفتی بہ اقوال کا معنی ہوگا مضبوط باتیں' پکی باتیں' غیر مفتی بہ کچی باتیں ہونگی' میرے دوست! آپ جب بھی اعتراض کرتے ہیں' کچی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے کہ میرے کلام پاک میں دو قسم کی آیات ہیں' محکمات اور متشابہات' فرمایا محکمات کی اتباع کرو اور متشابہات کے پیچھے نہ پڑو' فرمایا جس کا دل ٹیڑھا ہوگا وہ ان کے پیچھے پڑے گا' میرے بھائی! آپ کو بھی اعتراض کے لیے صرف شاذ اقوال اور غیر مفتی بہ اقوال ملے ہیں' جن کو ہم فقہ حنفی ہی نہیں مانتے اعتراض کرنا ہے' تو فقہ حنفی پر کر کے دیکھو۔ (تحفہ اہل حدیث ص40)

الجواب:- اولاً:- آپ نے جو غیر مفتی بہ کی وضاحت کی ہے کچی باتیں' پھر قرآن کی متشابہات آیات سے مثال دے کر آپ نے کہا ہے کہ ہم غیر مفتی بہ اقوال کو فقہ حنفی تسلیم نہیں کرتے' تو کیا آپ متشابہ آیات قرآن کو کلام الٰہی اور قرآنی آیات بھی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ متشابہات آیات کو قرآن تسلیم نہیں کرتے' تو یہ اتنا بڑا کلمہ کفر ہے' اگر بغیر

توبہ مرگئے تو بغیر حساب وکتاب کے سیدھے جہنم میں جاؤ گے۔اگر آپ متشابہ آیات کو قرآن تسلیم کرتے ہیں؟ تومثال کے چہ معنی!

ثانیاً:- آپ نے جو مفتی بہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ غالباًماسٹر امین کی تقلید میں کی ہے' دیکھئے تجلیات صفدر ص102 ج1 حالانکہ یہ تعریف غلط ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ

(مشتقه من الفتى وهوالشاب القوىٰ وسميت به لان المفتى يقوىٰ السائل بحواب حادثته)

یعنی فتویٰ کا لفظ فتی سے مشتق ہے' اور وہ مضبوط جوان کو کہتے ہیں اور اس کا فتویٰ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مفتی سائل کے جواب میں اسے طاقت دیتا ہے جو اسے حادثہ پیش آگیا ہو۔(فتاویٰ شامی ص72 ج1)

اس تعریف کو ملحوظ رکھیے تو مفتی بہ کا معنی صاف ہو جاتا ہے کہ مفتی کے فتویٰ کو مفتی بہ کہتے ہیں' یہ الگ بات ہے کہ اس کا فتویٰ غلط ہے یا صحیح' ہمارے اس مؤقف کی تائید حنفیہ کے طبقات مسائل سے بھی ہوتی ہے' ان کا کہنا ہے کہ فتویٰ مطلق قول امام پر ہو گا' پھر قاضی ابویوسف' پھر امام محمد' پھر زفراور حسن کے قول پر فتویٰ ہو گا اگر امام ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور دوسری طرف قاضی ابویوسف اور امام محمد ہوں تو مجتہد فی المذہب کو اختیار ہے کہ جس پر چاہے فتویٰ دے دے۔(فتاویٰ شامی ص70 ج1)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ مطلق قول امام پر فتویٰ دیں گے تو باقی مجتہدین بالخصوص امام محمد اور قاضی ابویوسف کی باتیں کچی ہونگی اور جب امام محمد اور قاضی ابویوسف کے فتاویٰ پر مفتی فتویٰ دے گا تو امام ابو حنیفہ کی باتیں کچی قرار پائیں گی' جنہیں آپ نے غیر معتبر کہہ کر باطل قرار دے دیا ہے' جب آپ کے آئمہ ثلاثہ کے بعض اقوال ہی باطل قرار پائے تو آپ حضرات ان کے اقوال کی نشرواشاعت اور اس کی طرف دعوت کیوں دیتے ہیں جس میں باطل کی آمیزش ہو چکی ہے۔

ثالثاً:- آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث ہمیشہ غیر مفتی بہ اقوال پر ہی اعتراض کرتے ہیں' جو بقول

آپ کے وہ سرے سے فقہ حنفی ہی نہیں' بھائی غصہ تھوک دیجیے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ جب ہمارے اعتراضات ہی فقہ حنفی پر نہیں تو آپ جواب کس بات کا لکھ رہے ہیں' علاوہ ازیں حنفیہ کے لیے حقیقت الفقہ از حد تکلیف دہ کتاب ہے' اس پر آپ کو صرف یہ اعتراض ہے کہ اس میں فلاں فلاں حوالہ غلط ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص95)

(جن کی حقیقت آگے آرہی ہے) مگر آپ کو یہ کہنے کی جرأت وہمت نہیں ہوئی کہ اس میں فلاں فلاں قول مفتی بہ نہیں آپ کی یہ روش بتارہی ہے کہ آپ نے محض دفعہ الوقتی سے کام لے کر پلہ چھڑانے کی کوشش کی ہے ورنہ اہل حدیث کے اعتراضات اپنے اندر وزن رکھتے ہیں' جن کے جوابات آپ کے پاس بہر حال نہیں ہیں۔

رابعاً:- حنفیہ نے لکھا ہے کہ کتب فقہ حنفیہ میں سے حسب ذیل کتب غیر معتبر ہیں' جن میں رطب ویابس اور ضعیف اقوال ہیں۔ مثلاً (۱) جامع الرموز (۲) شرح مختصر الوقایا لابی المکارم (۳) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۴) کتب نجم الدین زاہدی (۵) السراج الوہاج شرح مختصر قدوری (٦) الاحکام لفخر الدین رومی (۷) فتاویٰ صوفیہ (۸) فتاویٰ ابن نجم الدین (۹) فتاویٰ طوری (۱۰) خلاصہ کیدانی) مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص 12' پوری کوشش اور ہمت سے جستجو کر کے ہمیں بتایئے کہ ان کتب سے کس اہل حدیث نے اقوال چن چن کر حنفیہ کا رد کیا ہے۔ راقم پورے جزم ویقین کے ساتھ کہتا ہے کہ آپ اس کی ایک مثال بھی نہیں دے سکتے' ہماری طرف سے جب بھی اعتراض ہوا آپ کی معتبر کتب فقہ اور ان کے مندرجہ اقوال پر ہوا' اگر ان معتبر کتب میں بھی غیر معتبر روایات ہیں تو بتایئے پھر آپ کی معتبر کتب میں مفتی بہ اقوال کے معتبر ہونے کی کیا دلیل ہے۔

مفتی بہ اور غیر مفتی بہ قول میں امتیاز کا کس کو حق ہے؟ کیا ان میں احناف ائمہ ثلاثہ نے تمیز کی ہے یا بعد والوں نے؟ اگر خود ائمہ ثلاثہ نے تمیز کی تھی تو ان مردود اقوال کو جمع کیوں کیا گیا؟ اور اگر یہ تمیز بعد والوں نے کی ہے تو وہ تمہارے ائمہ ثلاثہ سے بڑے مجتہد ہوئے جنہوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے اکابر ائمہ کے اقوال میں تمیز کی ہے کہ فلاں امام کا یہ قول

مفتی بہ ہے اور فلاں کا یہ قول غیر مفتی بہ ہے تو پھر تم اکابر کو چھوڑ کر ان متاخرین کی تقلید کیوں نہیں کر لیتے ہو۔

دراصل مفتی بہ اور غیر مفتی بہ متاخرین حضرات کی اصطلاح ہے جنہوں نے اپنے ائمہ کے فتووں میں من مرضی کرنے کے لئے یہ اصول وضع کیا۔

خامساً:- آپ کی اس بات کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے؟ تو تب بھی مضائقہ نہیں' کیونکہ آگے ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ فقہ حنفی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور ہر ہر قول وفتویٰ کے ساتھ اس کا مفتی بہ ہونا بھی نقل کیا ہے۔ کہیے ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

شریعت میں نسخ کس طرح ہوتا ہے

فرماتے ہیں جس طرح جو نوٹ منسوخ ہو جائے' اس پر ہرگز نہیں لکھا جاتا کہ یہ سو روپے کا نوٹ منسوخ ہو گیا ہے' اس کے منسوخ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بازار میں نہیں چلتا' حدیث منسوخ ہونے کی علامت بھی خلفاء راشدین کے دور سے معلوم ہو گی' اگر خیر القرون میں اس پر عمل ہوا ہے تو وہ حدیث صحیح اور قابل عمل ہو گی اور اگر خیر القرون میں اس پر عمل نہ ہوا تو وہ روایت منسوخ سمجھی جائے گی۔ (تحفہ اہل حدیث ص 41)

الجواب:- اولاً:- آپ کا کرنسی سے احکام شریعت کی مثال دینے سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کو اسلامی علوم میں دسترس نہیں ہے' کیونکہ جب حکومت کی طرف سے کرنسی تبدیل ہوتی ہے تو وہ ایک مدت تک مارکیٹ میں چلتی رہتی ہے' حتی کہ بتدریج وہ کرنسی اسٹیٹ بنک میں واپس چلی جاتی ہے' جہاں اسے جلا کر ضائع کر دیا جاتا ہے' جبکہ نسخ لغت میں کسی چیز کے ابطال کو کہتے ہیں' اور اصطلاح میں شریعت کے کسی حکم کا انتہا بتانا ہے۔

(مرقاۃ ص362 ج1 وکتاب التعریفات ص106 للجرجانی)

ارشاد ربانی ہے کہ

(فَيَنسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ) (الحج:52)

یعنی اللہ شیطان کے القا کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے۔

اس تعریف کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوئی کہ شریعت کا جب کوئی حکم منسوخ ہوتا ہے تو وہ فی الفور منسوخ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا حکم لے لیتا ہے' اس کی واضح مثال کتب حدیث میں تحویل قبلہ کا واقعہ ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نماز کی حالت میں تھے جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تو آپ علیہ السلام نے نماز کی حالت میں ہی منہ بیت اللہ کی طرف کر لیا' جس کی حکمت بھی اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں بیان کر دی کہ خاص نماز کی حالت میں اس حکم کا نزول اتباع رسول کی پرکھ تھی کہ کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا؟

ثانیاً:- کرنسی حکومت کی طرف سے جاری ہوتی ہے اسے منسوخ کرنے کا حق بھی حکومت کے پاس ہوتا ہے' اسے مارکیٹ منسوخ نہیں کرتی' جیسے آپ سمجھ بیٹھے ہیں' اسی طرح دین میں احکام بھی اللہ کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں (خواہ وہ قرآن سے یا نبی ﷺ کی مبارک زبان سے) اور انہیں منسوخ کرنے کا حق بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے کوئی مارکیٹ اسے منسوخ نہیں کر سکتی۔

ثالثاً:- اگر آپ کا دورِ خلافت راشدہ سے یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی منسوخ حکم پر عمل نہ کرتا ہو' تو یہ پہلے سے بھی بڑھ کر آپ کی لاعلمی ہے' کیونکہ متعدد صحابہ کرام بعض منسوخ حکم پر مدت تک عمل کرتے رہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رکوع میں تطبیق کے نسخ کا علم نہ تھا' ابن عباسؓ ایک مدت تک متعہ کے قائل رہے۔

(بخاری و مسلم)

اگر آپ کی اس سے یہ مراد ہے کہ کسی حکم شرعی کے بارے میں خلفاءِ راشدین کے دور میں اس وجہ سے عمل نہ ہوا کہ وہ منسوخ ہو چکا تھا' اس میں تفصیل ہے۔

(۱) وہ مسئلہ دور خلفاء میں پیش آیا ہو' اور انہوں نے منسوخ ہونے کی وجہ سے ناسخ پر عمل کیا ہو۔ اور وہ بلا نکیر نافذ ہو گیا ہو۔

(۲) اگر کسی مسئلہ کی دور خلفاء میں ضرورت ہی پیش نہیں آئی اور قرآن وحدیث سے وہ حکم منسوخ ثابت نہیں ہوتا' تو وہ منسوخ نہیں' بلکہ وہ دستور شریعت اور آئین اسلام ہے۔ اور اسے بعد کے فقہاء کے اقوال منسوخ نہیں کر سکتے۔ مگر آپ ایسی ایک مثال بھی ہمارے خلاف نہیں دے سکتے' یہی وجہ ہے کہ آپ نے ابتداءً نام تو دور خلفاء راشدین کا لیا مگر آخر میں اس میں' خیر القرون کو بھی شامل کر لیا' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود امام ابو حنیفہ ہوں کہ وہ جس کو چاہیں منسوخ کر دیں' مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں' میرے بھائی! ان عیاریوں سے مسائل کا حل آپ تلاش کر رہے ہیں' مسائل کا حل قرآن وحدیث' میں ہے' اس کی اتباع کیجیے اللہ توفیق عطا فرمائے۔

رابعاً:- کیا آپ دورِ خلافت راشدہ بلکہ پورے خیر القرون کے زمانہ میں ایک بھی مثال دے سکتے ہیں کہ محض کسی کے فتویٰ وقول کی بنا پر شریعت کے حکم کو امت مرحومہ نے بلا نکیر منسوخ تسلیم کر لیا ہو' حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کے نسخ کی کوئی بھی دلیل نہ تھی' ہماری طرف سے دنیا بھر کے مبتدعین دیابنہ کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ اس کی ایک ہی مثال پیش کر دیں' مگر یاد رکھو پوری دنیا سے کوئی اہل الرائے اس کی ایک مثال بھی نہیں دے سکتا۔ ان شاء اللہ

تقلید امام میں اتباع رسول اللہ ﷺ

فرماتے ہیں کہ امتی کی بات اگر نبی سے ٹکرا رہی ہو تو بات نبی ہی کی مانی جائے گی' اگر امتی کی بات پیغمبر سے ٹکرا نہ رہی ہو' بلکہ ٹکراؤ محض فرض کر لیا جائے تو اس کا علاج آپ خود ہی متعین کر لیں' اس کی وضاحت شاہ ولی اللہؒ نے فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

(ماقتدينا بامامنا الالعلمنا انه اعلم منا بكتاب الله وسنة رسوله) (حجۃ البالغۃ)

ہم تو اپنے امام کی اقتداء محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو جانتے ہیں۔

منکرین حدیث...... نے خالق اور مخلوق کا چکر دے کر حدیث رسول ﷺ چھوڑا دی' آپ

نے نبی وامتی کا چکر دے کر فقہاء کی فقہ چھوڑوادی' آپ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور منکر حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 23)

الجواب: اولاً:- منکرین حدیث کی مشابہت کا تفصیل سے ہم جواب عرض کر چکے ہیں کہ وہ تمہارے ہی اقوال کی روشنی میں معرض وجود میں آئے ہیں' علاوہ ازیں اگر فقہ چھڑوانے سے منکرین حدیث سے تشبیہ ہے تو اس میں ماشاء اللہ آپ بھی شریک ہیں۔ کیونکہ مخالفت احادیث کی صورت میں ترک فقہ حنفیہ کا آپ نے بھی اعتراف کر لیا ہے' یہی اہل حدیث کا مؤقف ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم حسن البیان کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اس قسم کی سینکڑوں جزئیات مروجہ فقہ کے دفاتر میں موجود ہیں' جو عقل و نقل و شعور کے دامن کو بڑے زور سے جھنجھوڑتی ہیں' بجز تقلید اور عصبیت کے ان کے قبول کے لیے ذہن آمادہ نہیں ہوتا"۔

ان گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ حنفیہ کے سارے مسائل سطحی اور عدم احتیاط پر مبنی ہیں بلکہ بعض مقامات میں انتہائی تفقہ اور گہرائی سے کام لیا ہے' اور بڑی محتاط روش اختیار فرمائی گئی ہے۔ اس لیے دور اندیش اور محقق علماء کی رائے ہے کہ ان مروجہ مسالک سے کسی مسلک کے ساتھ کلی وابستگی نہیں رکھنی چاہیے" **خذ ماصفاء دع ماکدر**" پر عمل ہونا چاہیے۔ (مقدمہ حسن البیان ص 17)

ثانیاً:- آپ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" سے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے' اسے ہم نے "حجۃ اللہ" کے متعلقہ مباحث' تقلید میں دیکھ لیا ہے' ہمیں نہیں ملا' اسے کذب وافترا کہنا تو آپ کی شان میں گستاخی ہو گی غالباً آپ نے کسی رسالہ سے نقل کر دیا ہے اور مراجعت نہیں کی ورنہ یہ غلطی نہ ہوتی' بالفرض اگر اس عبارت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود امام ابو حنیفہ نے اپنے سے اعلم امام مالکؒ کی تقلید کیوں نہ کی' امام شافعیؒ کے ساتھ مناظرہ میں امام محمد نے تسلیم کر لیا تھا کہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کا علم امام مالکؒ کے پاس امام

ابو حنیفہ سے زیادہ تھا جس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے امام محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

(قال الشافعی فلم یبق الاالقیاس والقیاس لایکون الاعلی ھذه الاشیاء فعلی ای شی نقیس)

(تاریخ ابن خلکان ترجمہ امام مالک)

امام شافعیؒ نے کہا کہ اب رہ گیا قیاس 'اور قیاس توانہیں چیزوں پر ہوتا ہے تواب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کروگے'

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے امام شافعیؒ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ

(ما بقی بیننا وبینکم الاالقیاس ' ونحن نقول بالقیاس ولکن من کان بالاصول اعلم کان قیاسه اصح) (صحۃ مذہب اہل المدینہ ص36)

یعنی اب ہمارے اور تمہارے درمیان رہ گئی قیاس، جس کے ہم بھی قائل ہیں 'لیکن جو اصول (قرآن وحدیث آثار صحابہ) کو زیادہ جانتا ہوگا اسی کی قیاس بھی بہتر ہوگی۔

ثالثاً:- رہا آپ کا یہ کہنا کہ ٹکراؤ محض فرض کر لیا جائے الخ اس عبارت سے غالباً آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کے جس قدر قرآن وحدیث کے خلاف مسائل ہیں وہ صرف فرضی داستان ہے حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ قرآن وسنت کی مخالفت فقہ حنفی میں پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ

"ناقابل انکار دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ فقہ حنفی جس قدر اسرار شریعت کے خلاف ہے کوئی فقہ نہیں"۔ (حواشی ابوالکلام آزاد ص275)

یہ اس شخص کی گواہی ہے جس کو دیوبندی حنفی قرار دیتے ہیں۔

(قادیانی بٹالوی گٹھ جوڑ ص 81)

خود حضرت امام کے شاگردوں نے ایک ثلث مسائل میں ان سے اختلاف کیا ہے' جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ تو کیا یہ ساری فرضی داستانیں ہیں' علاوہ ازیں راقم الحروف

نے آگے ایک مستقل باب باندھا ہے' حنفی فقہ کے مفتی بہ اقوال نقل کیے ہیں' اگر آپ میں ہمت ہے تو ہر ہر مسئلہ کو قرآن و سنت سے ثابت کیجیے ورنہ ارباب عقل و خرد آپ کے اس دعویٰ کو محض دیوانہ بیکار خویش ہشیار تصور کریں گے۔

کیا تقلید پیش امام کی اقتداء کی طرح ہے؟

فرماتے ہیں ہم اتباع و اطاعت تو نبی علیہ ہی کی کرتے ہیں لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی راہنمائی میں' اس کی مثال اس طرح ہے کہ نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی' امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے مقتدی بھی کہتا ہے' لیکن امام کے بعد اور امام کی اتباع میں امام و مقتدی دونوں کی تحریمہ اللہ کے لیے ہوتی ہے' امام قیام کرتا ہے' مقتدی بھی قیام کرتا ہے' مگر دونوں کا قیام اللہ کے لیے ہوتا ہے' لیکن مقتدی کا قیام امام کی اتباع میں ہوتا ہے' امام رکوع کرتا ہے' مقتدی بھی رکوع کرتا ہے' دونوں کا رکوع اللہ کے لیے ہوتا ہے' لیکن مقتدی کا رکوع امام کی اتباع میں ہوتا ہے۔ امام سجدہ کرتا ہے' مقتدی بھی سجدہ کرتا ہے دونوں کا سجدہ اللہ کے لیے ہے لیکن مقتدی کا سجدہ امام کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے اور امام کی اتباع میں ہوتا ہے۔ امام رکوع و سجدہ سے سر اٹھاتا ہے' مقتدی بھی اٹھاتا ہے' لیکن امام کے بعد اور اتباع امام میں' اسی طرح تشہد بھی' الغرض نماز باجماعت میں امام ارکان نماز ادا کرتا ہے مقتدی بھی کرتا ہے لیکن مقتدی ہر محل میں امام کے پیچھے رہتا ہے' آگے نہیں بڑھتا' اگر آگے بڑھے گا تو حدیث کے مطابق گدھا ہوگا۔ اب اگر کوئی غیر مسلم کہے کہ

امام کی تحریمہ اللہ کے لیے...... مقتدی کی امام کے لیے' امام کا قیام اللہ کے لیے ...... مقتدی کا قیام امام کے لیے۔ امام کا رکوع اللہ کے لیے ...... مقتدی کا رکوع امام کے لیے ۔امام کا سجدہ اللہ کے لیے ...... مقتدی کا سجدہ امام کے لیے۔ امام کا قومہ جلسہ اللہ کے لیے...... مقتدی کا تشہد امام کے لیے۔ امام کا سلام اللہ کے لیے ...... اور مقتدی کا سلام امام کے لیے۔ (تحفہ اہل حدیث ص44,45)

الجواب :- اولاً:- ہمارے بھائی کو یہ وہم اس لیے ہوا ہے کہ وہ تقلید شخصی اور اقتداء امام کو مترادف الفاظ سمجھ بیٹھا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کے معانی میں بعد المشرقین ہے' تقلید کا معنی پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ (تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کیا جائے) جبکہ لفظ اقتداء بمعنی کسی کی پیروی میں اس جیسا کام کرنا آتا ہے۔ (المصباح المنیر ص494)

ارشاد ربانی ہے کہ

(أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ) (الانعام:90)

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔

آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ لفظ اقتداء بمعنی "اسوہ" استعمال ہوتا ہے۔

(تاج العروس ص289 ج10 ولسان العرب ص171 ج15)

اس معنی کو ملحوظ رکھیے تو آپ کی دلیل کا واضح مقصود یہ ہے کہ جیسے امام ابو حنیفہ نے اجتہاد کیا ویسے ہی تم بھی اجتہاد کرو' جیسے انہوں نے کسی کی تقلید نہیں کی ویسے ہی آپ کسی کی تقلید نہ کریں۔

ثانیاً:- تقلید شخصی میں آپ حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف ایک ہی امام کی لازم وضروری بلکہ واجب ہے۔ کبھی کسی کی اور کبھی کسی کی تقلید کی تو گمراہ ہو جائے گا اور دین ایک کھلونا بن جائے گا۔

(دیکھئے درس ترمذی ص120 ج1 للعثمانی')

مولانا محمد اسماعیل سنبھلی حنفی دیوبندی ذرا سنبھل کر فرماتے ہیں کہ

"اس بے دینی' کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے"

(تقلید آئمہ اور مقام ابو حنیفہ ص42)

قارئین کرام جب اس بات کو اچھی طرح آپ سمجھ گئے ہیں' تو اب سوال یہ ہے کہ کیا مقلدین پیش امام کے بارے میں بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی امام کے

پیچھے نماز ادا کرنی چاہیے اور اس کی اقتداء سے الگ ہو کر دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا بے دینی و گمراہی ہے' اگر دیوبندی یہی مؤقف رکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنی چاہیے تو پھر سن لیجیے کہ آپ حضرات سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ناخواندہ واُجڈ نہیں' اگر آپ پیش امام کی اقتداء کے متعلق ایسا نظریہ نہیں رکھتے یقیناً نہیں رکھتے' تو پھر یہ تقلید شخصی کی دلیل کیسے ہوئی الغرض یہ دلیل آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

ثالثاً:- حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ مسلم کتاب الصلاۃ باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم اذا تاخر الامام، الحدیث (۱۰۵/۴/۲۷)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ فاضل مفضول کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مجتہد ایک عامی کے پیچھے نماز ادا کر سکتا ہے۔ میرے بھائی جب آپ کے نزدیک اقتداء نماز اور تقلید ایک ہی چیز کا نام ہے تو کیا مجتہد ایک جاہل واجڈ کی بھی تقلید کر سکتا ہے؟

رابعاً:- پیش امام کی اقتداء کا حکم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

(انما جعل الامام ليؤتم به)

(صحیح مسلم ص 177 ج 1 عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

یعنی امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے'

مہربانی فرما کر ایسی ہی حدیث آپ بھی پڑھ دیجئے کہ جس کا یہ معنی ہو کہ امام ابو حنیفہ اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ تم ان کی تقلید کرتے رہو' اگر آپ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل دکھا دیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں' اگر نہیں دکھا سکتے تو اس بیمار قیاس کو اپنے پاس ہی رہنے دیں' اہل حدیث ایسے فضول تحفوں کو قبول نہیں کرتے۔

خامساً:- بعض ضعیف احادیث سے ہر فاسق و فاجر کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔
(ابوداؤد ص 343 ج 1 و دار قطنی ص 56 ج 2 و بیہقی ص 121 ج 3 نصب الرایہ ص 26 ج 2)

یہ روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے ہمارا مؤقف نہیں مگر حنفیہ اسی کے قائل ہیں' جس کی وضاحت حاشیہ ابوداؤد ص 343 ج 1 نمبر 6 میں مولانا فخر الحسن گنگوہی نے فرمائی ہے' ابن

ھمام فرماتے ہیں کہ گویہ روایت منقطع ہے مگر ہمارے نزدیک یہ مقبول اور درجہ حسن کی روایت ہے۔(فتح القدیر ص305ج1)

الغرض حنفیہ کے نزدیک فاسق وفاجر کی اقتداء جائز ہے۔

(ہدایہ مع فتح ص304ج1وفتاویٰ شامی ص561ج1والبحر الرائق ص349ج او فتاویٰ عالم گیری ص84ج1)

سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک فاسق وفاجر اور بدعتی کی تقلید بھی جائز ہے؟اگر جائز ہے تو مبارک ہو'شاید اسی دلیل کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانوی نے ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید کرتے ہوئے اس کی تالیف اسلامی اصول کی فلاسفی' سے احکام کا فلسفہ اخذ کیا' بلکہ مرزا قادیانی کی ایک درجن سے زائد کتب میں سے صفحات کے صفحات نقل کئے جس کی تفصیل ہمارے شیخ مولانا محمد یحیی گوندلوی حفظہ اللہ نے اپنی ایک نادر تالیف 'مطرۃ الحدید' میں درج کی ہے'اور آپ کے استاذ المکرّم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے تھانوی صاحب کی اندھی عقیدت (تقلید) میں تھانوی صاحب کے واسطہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات کو عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کے اثبات میں پیش کیا'ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے دونوں کی عبارات کو نقل کرتے ہیں۔

مولانا صفدر صاحب کی عبارت:

پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے'اس چشم سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے'جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے...... غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضروری ہوتا ہے'انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے'جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے'اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی

بقائے روح کرتا ہے۔ (تسکین الصدور ص98 طبع 1986ء)

مرزاغلام احمد قادیانی کی عبارت:

تو یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے' اسی چشم سے دیکھنا چاہیے اور کشفی آنکھ نے بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے روح کا ایک تعلق ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے' پس جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہو سکتا ہے ......(غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے' انسان میت سے کلام کر سکتا ہے' روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے' ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس فرقہ کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

(مرزائی اخبار الحکم جلد 3 شمارہ 3 مؤرخہ 23 جنوری 1899ء ص2,3 ملفوظات مرزا ص 191 ج1' طبع جدید)

ان دونوں عبارات کو پڑھیے یہ 'کا' 'کی' کے علاوہ من و عن ہیں۔ حضرت نے نقل بھی اسے عقیدہ کے اثبات میں کیا ہے' معلوم یوں ہوتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر میں' حیاۃ النبی ﷺ کا عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید سے آیا ہے' یہ تمام تقلیدی آفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا الہ العالمین

سادساً:- باقی رہا غیر مسلم کا جواب تو جب غیر مسلم اعتراض کرے گا تو ہم خود ہی اسے جواب دے لیں گے' آپ نے نہ کبھی پہلے اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر خدمت کی ہے اور نہ ہی اب آپ کو تکلیف دی جائے گی' یا پھر ان سے وکالت نامہ لے آیئے کہ اس کی ہار ہماری ہار' اور اس کی جیت ہماری جیت ہو گی۔ تو پھر دیکھیے کہ آپ کو کیسے لتاڑا جاتا ہے۔

تقلید اور راہنمائی کا فرق

فرماتے ہیں کہ ہم سنت حضور ﷺ کی مانتے ہیں' لیکن امام کی اتباع و راہنمائی میں'

ہم شریعت حضور ﷺ کی مانتے ہیں مگر امام کی راہنمائی میں' ہم طریقہ نماز حضور ﷺ کا لیتے ہیں لیکن امام کی اتباع و راہنمائی میں۔ (تحفہ اہل حدیث ص45)

الجواب:- اولاً:- عربی زبان میں راہنمائی کے لیے تحت' قیادة' بالارشاد' وغیرہ الفاظ آتے ہیں (قاموس الجدید ص522) مؤلفہ مولوی وحیدالزمان قاسمی کیرانوالی حنفی دیوبندی'. مؤلف کا حق تھا کہ وہ لغت عرب سے تقلید بمعنی تحت قیادة (راہنمائی) ثابت کرتا' پھر یہ دعویٰ کرتا' مگر یہ کام مشکل بلکہ ناممکن تھا' تو مؤلف نے بدون دلیل ہی دعویٰ کر دیا' اور اسی میں ہی ان کی عافیت تھی'

ثانیاً:- اگر آپ کا مقصود سنت' شریعت اور طریقہ نماز کو ہی معلوم کرنا تھا تو ان کے متعلق جن بھی معتبر ذرائع سے معلومات حاصل ہوتیں آپ انہیں تسلیم کرتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی کی تخصیص کر لی' خاص کرنے پر آپ کے پاس دلیل تو ہے نہیں۔

ثالثاً:- جب آپ نے ایک کو خاص کر لیا اور باقی معتبر ذرائع سے منہ پھیر لیا بلکہ انہیں عملاً غیر معتبر قرار دے کر شریعت کے بعض احکام کی تحریف کی حد تک تاویل کی' بعض سنن کا انکار کر دیا' ملت اسلامیہ میں گروہ بندی کر کے قرآن کے ارشاد کو عملاً ترک کر دیا کہ

(وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَاتَفَرَّقُوْ) (آل عمران:103)

یعنی اللہ کی رسی (قرآن و سنت) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں فرقہ فرقہ نہ بنو!

مگر آپ نے حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی وغیرہ گروہ بندی کر کے جس طرح اس فرمان الٰہی کا مذاق اڑایا ہے وہ ہر باشعور آدمی پر واضح ہے۔

رابعاً:- بالفرض اگر آپ کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ عقائد میں تقلید کو کیوں حرام کہتے ہیں؟ مثلاً مقلدین اللہ کو مانتے ہیں مگر امام کی رہنمائی میں۔ انبیاء کو مانتے ہیں مگر امام کی راہنمائی میں۔ مقلدین قرآن کو مانتے ہیں' مگر امام کی راہنمائی میں وغیرہ ایسی ہم بیسیوں مثالیں عرض کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصود صرف عوام کو سمجھانا ہے شمار کرانا نہیں۔

الغرض آپ حضرات عقائد میں تقلید جائز نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ حنفیہ عقائد میں ماتریدی ہیں، جس سے یہ بات ہمارے سامنے کھل کر آجاتی ہے کہ آپ سنت اسے مانتے ہیں جسے ابو حنیفہ سنت کہے، شریعت وہ مانتے ہیں، جسے امام ابو حنیفہ شریعت کہیں، طریقہ نماز آپ کو وہ قبول ہے جو ابو حنیفہ بتلائے، اس کے علاوہ آپ کسی کی بات کو قبول نہیں کرتے، خواہ اس کے خلاف قرآن ہو یا حدیث، اجماع امت ہو یا تعامل اہل مدینہ یا دور خلفاء راشدین کا دستور ہو، آپ قرآن کا ترجمہ کرنا اور کتب احادیث کے تراجم تک کو مارقیت سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہم دفاع امام ابو حنیفہ ص 26 کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں بلکہ امام کے قول پر نظر ثانی کرنے والے کو بے دینی قرار دیتے ہیں، اسی کا ہی دوسرے لفظوں میں نام تقلید ہے، ایمان سے کہنا کہ اس کا "راہنمائی" سے کیا تعلق، مثلاً ایک شخص نے کراچی جانا ہے، وہ کراچی جانے کے لیے اور وہاں کے معروف مقامات کے متعلق راہنمائی کا محتاج ہے، اسے تو معلومات درکار ہیں خواہ کوئی بھی جاننے والا بتادے، اس کا یہ سرے سے مطلب ہی نہیں کہ میں تو صرف ابو بلال سے ہی پوچھوں گا خواہ وہ صحیح بتائے یا غلط، اسی پر ہی عمل کرونگا اور اس کے خلاف کوئی بادلیل بات بھی قبول نہیں کرونگا۔ پہلا طریقہ راہنمائی ہے، دوسرا طریقہ تقلید ہے، جسے کوئی عقل مند قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

خامساً:- آپ کے استاذ المکرم فرماتے ہیں کہ

"تقلید تو ان پیش آمدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ قرآن کریم سے صراحۃً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرام سے"۔(الکلام المفید ص 235)

جبکہ آپ نے تقلید کا نام راہنمائی رکھ کر سنت، شریعت اور طریقہ نماز وغیرہ کی مثالیں دی ہیں، بتایئے یہ پیش آمدہ مسائل ہیں یا ان پر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ سے روشنی پڑتی ہے؟ اگر یہ پیش آمدہ نہیں یقیناً نہیں، تو بتایئے آپ کاذب ہیں یا آپ کے استاد؟

اسناد حدیث اور تقلید

فرماتے ہیں' محدثین بھی تو امتی تھے' محدثین کون سے نبی تھے' بات پھر پھرا کر پھر امت شمث پر آ گئی' لیکن بخاری شریف یا جتنی بھی حدیث کی کتب ہیں' ان میں ہر حدیث سے پہلے سند موجود ہے' یہ ناموں کی قطار اسے سند کہتے ہیں' اور سند میں سارے امتی ہوتے ہیں' امتی کو واسطہ بنانا پڑتا ہے' پھر پیغمبرؐ کی حدیث ملتی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 46)

الجواب :- اولاً:- سند گواہی کے زمرے میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب راوی ثقہ نہ ہو بلکہ ضعیف و متروک ہو' نیسان کا مریض ہو' لقمہ قبول کر لیتا ہو' سند اور متن میں گڑبڑ کرتا ہو' تو اس کی گواہی غیر معتبر ہو کر روایت ضعیف ہو جاتی ہے' معتبر کی گواہی کو قبول کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے' خود رسول اللہ ﷺ نے گواہی کی بنا پر فیصلے صادر فرمائے' جس سے ثابت ہوا کہ گواہ کی گواہی کو ہم نے قرآن و سنت کی اتباع میں قبول کیا' کہ یہ جو کچھ اپنا چشم دید واقعہ بیان کر رہا ہے یہ سچا ہے۔ جبکہ تقلید کہتے ہیں کہ مجتہد کے اجتہاد کو بغیر دلیل کے قبول کرنے کو جبکہ گواہی میں دلیل ہوتی ہے کہ وقوعہ اور کلام کو میں نے دیکھا ہے یا فلاں کی گفت و شنید کو سنا ہے۔

ثانیاً:- گواہ کی گواہی کے لیے مجتہد ہونا شرط نہیں' تو کیا تقلید غیر مجتہد کی بھی جائز ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے' تو پھر یہ تقلید کی دلیل کیسے بن گئی؟

ثالثاً:- مقلد صرف ایک ہی مجتہد کی تقلید کرتا ہے' تو کیا یہ بھی درست ہے کہ قاضی (جج) بھی صرف ایک ہی گواہی پر فیصلہ صادر کر دے' علاوہ ازیں اگر قاضی کہے کہ میں فقط فلاں شخص کی ہی گواہی قبول کرونگا' اس کے علاوہ تمام لوگوں کی گواہی غیر معتبر ہے' یا ایک شخص کہے کہ روایت مجھے وہی قبول ہے جو فلاں شخص سے مروی ہے تو کیا ایسا جج اور انسان قابل مذمت ہے' اگر قابل مذمت ہے تو پھر یہ تقلید کی دلیل کس طرح بن گئی؟

رابعاً:- تقلید میں مجتہد کے قول کو بطور دلیل قبول کیا جاتا ہے' جبکہ گواہی میں اور سند حدیث میں راوی کی خبر کو قبول کیا جاتا ہے' ظاہر ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ تقلید میں امام کے اجتہاد کو بغیر دلیل کے قبول کیا جاتا ہے۔ جبکہ حدیث کی سند میں راوی اپنا حس ظاہر کرتا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا۔

کیا اہل حدیث بھی تقلید کی دعوت دیتے ہیں؟

مقلدین حضرات کا مؤقف و نظریہ ہے کہ ابتداء میں صرف تقلید مطلق ہی تھی' جو کوئی جس کی چاہتا تقلید کر لیتا تھا' آخر اس میں قباحتوں نے جنم لینا شروع کیا یا اس کا خدشہ تھا کہ اگر مطلق تقلید کی اجازت بدستور رہی تو اس میں قباحتیں پیدا ہونگی' ان کے سدباب کے لیے بقول مولانا عثمانی علماء نے چوتھی صدی ہجری میں تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا۔ (درس ترمذی ص121ج1)

پھر مولانا عثمانی اس کو واجب قرار دینے پر دلائل بھی نقل کرتے ہیں' مگر یہ دلائل تمام کے تمام نفس مسئلہ سے سرے سے تعلق ہی نہیں رکھتے جس کی وجہ سے بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "تقلید شخصی کا وجوب کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے"۔ (درس ترمذی ص121ج1)

الغرض مولانا کی تحریر الجھی ہوئی ہے' اسے واجب بھی قرار دینے پر مصر ہیں' مگر خود ہی اسے انتظامی فتویٰ کہہ کر تردید بھی کر رہے ہیں' بہر حال اگر مولانا اور دیگر مقلدین کے ان پریشان خیالات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی تقلید شخصی ہوائے نفس کو روکنے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے' کیونکہ حنفیہ میں سے ہی' مسئلہ خلقِ قرآن نے جنم لیا' اعتزال نے بھی یہاں سے نشوونما پائی' حنفیہ سے ایک کثیر گروہ قبر پرستی اور بدعات کا دلدادہ ہو گیا' بلکہ فقہ حنفی کی تقلید کرنے والوں میں اکثریت بے دین اور نماز جیسے اہم رکن اسلامی تک کے تارک ہیں' اس خداداد مملکت اسلامیہ پاکستان میں' سینما وغیرہ کے مالک عموماً حنفی حضرات

ہیں' اگر تقلید ہی ہوا پرستی کا علاج تھا تو آج ہوا پرستوں کے یہ کام ہر جگہ کیوں موجود ہیں؟ پورا ملک ہوا پرستی کا شکار ہے' اگر تقلید شخصی ہی ان امراض کا علاج اور نسخہ شفا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مفید ثابت نہیں ہوا' اور خود ہی' انتظامی فتویٰ' انتظام میں غیر مؤثر ثابت ہونے کی وجہ سے بے کار ہو گیا۔ لیکن پوری حنفیت آج بھی ان فوائد کو گنواتی تھکتی نہیں' اور پورے زور و شور سے اس کا پرچار کرتی ہے۔ پھر تقلید شخصی میں بھی ان لوگوں نے آئمہ اربعہ کو مخصوص کر لیا کہ ان کے علاوہ اب کسی اور کی تقلید جائز نہیں "۔(دیکھیے الکلام المفید ص116)

پھر ان آئمہ اربعہ میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دیکر منتخب کرنا ہے' ظاہر ہے کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا اجتہاد ہے' تقلید نہیں' (اور اجتہاد قرآن و حدیث میں ہوتا ہے جس کے لیے ان کا علم ہونا ضروری ہے) اور بقول مقلدین اجتہاد فقط مجتہد کا کام ہے۔ اور مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں' تحفہ اہل حدیث ص63 اور اگر آئمہ اربعہ میں سے کسی کا انتخاب (تقلید آ گیا ہے) ہے تو ظاہر ہے کہ اصول میں تقلید ہے اور اصول میں تقلید خود مقلدین کے نزدیک جائز نہیں' جیسا کہ ہم الکلام المفید ص235 کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں۔

یہ بات مؤلف تحفہ اہل حدیث کے دل میں بھی اضطراب کا باعث بنی تو اہل حدیث کے مؤقف کو نہایت بھونڈے پن سے نقل کرتے ہیں کہ "آپ امام ابو حنیفہ کی بات کو کیوں لیتے ہیں' دوسرے ائمہ کی بات کو کیوں نہیں لیتے" پھر اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھا کر آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ "اگر امام ابو حنیفہ کی تقلید شرک ہے' تو چاروں کی تقلید تو بہت بڑا بلکہ چار گنا بڑا شرک بنے گا' مجھے شرک سے نکالتے نکالتے بڑے شرک میں پھنسا رہے ہو' اگر ایک بت کو سجدہ حرام ہے تو چار بتوں کو سجدہ کیسے توحید بن گئی' واہ آپ کی منطق صرف ایک امام کی تقلید تو شرک ہے' لیکن چاروں کی تقلید توحید ہو گئی ہے"۔(بلفظہ تحفہ اہل حدیث ص47)

ذرا سوال پر غور کیجیے پھر ہمارے بھائی کے جواب کو دیکھئے ان دونوں میں کونسی مناسبت ہے‘ سوال تو امام ابو حنیفہ کی تقلید کو اختیار کرنے میں وجہ ترجیح کے بارے ہے‘ جواب نفسِ تقلید کے بارے ہے۔ یہ جواب تو تب درست تھا کہ جب ہماری طرف سے صرف امام ابو حنیفہ کی تقلید کو شرک کہا جاتا اور باقی کو عین توحید قرار دیا جاتا‘ مگر ہمارا دامن اس سے پاک ہے‘ ہمارے نزدیک تمام مجتہدین کی تقلید کا حکم ایک ہی ہے‘ ہم امام ابو حنیفہ کی تقلید ترک کروا کر ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ‘ امام شافعیؒ‘ امام احمد بن حنبلؒ) میں سے کسی ایک کی تقلید کے نہ داعی و مبلغ ہیں اور نہ ہی ہمارا یہ مؤقف ہے‘ خلط مبحث علماء کی شان نہیں‘ لہٰذا آپ اصل سوال پر غور کریں پھر اس کا کوئی جواب عنایت کریں۔

امام ابو حنیفہ کی تقلید میں وجہ ترجیح

مولانا فرماتے ہیں کہ ”میرے بھائی اس واسطے کہ امام اعظم ابو حنیفہ بہ نسبت دوسرے ائمہ کے نبی ﷺ کے زیادہ قریب ہیں‘ زمانہ کے اعتبار سے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(خیرامتی قرنی ثم الذی یلونهم ثم الذین یلونهم)

بہترین میرا زمانہ ہے اس کے بعد تابعین کا اور اسکے بعد تبع تابعین کا‘

تو نبی علیہ السلام سے قریب ترین زمانے میں امام صاحب ہوئے ہیں‘ ہم ان کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 47)

الجواب:۔ اولاً:۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث اس دلیل کو تحریر کرتے ہوئے گھبراہٹ کا شکار تھا‘ اس کی بے قراری‘ اضطراب اور بدحواسی کی یہ دلیل ہے کہ لفظ قرنی کے بعد ثم الذی‘ نقل کیے ہیں‘ حالانکہ درست الفاظ ثم الذین کے ہیں۔

(بخاری ص 515 ج 1 و مسلم ص 309 ج 2)

ثانیاً:۔ اس فضیلت میں کیا امام ابو حنیفہ منفرد ہیں؟ یا خیر القرون کی پوری امت مرحومہ بھی اس میں داخل ہے؟ یقیناً داخل ہے۔ تو پھر یہ وجہ ترجیح کیسے ہو گئی؟ اگر کہو کہ آئمہ اربعہ میں

سے یہ عظمت صرف امام ابو حنیفہ کو ملی ہے' تو یہ بات دروغ گوئی پر مبنی ہے کیونکہ آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ تبع تابعین تک خیر القرون کا زمانہ ہے' اور تبع تابعین کا زمانہ 220ھ میں ختم ہوتا ہے' جیسا کہ شارحین حدیث نے صراحت کی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ص4ج7)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث خیر القرون میں تابعی اور تبع تابعین دونوں داخل ہیں اور تبع تابعین کا عہد دو سو سال کے بعد تک رہا"۔ (سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص30)

اس بات کو ملحوظ رکھیں تو آئمہ ثلاثہ اس فضیلت میں داخل ہیں۔ امام مالکؒ ولادت 85ھ وفات 179ھ'

امام شافعیؒ ولادت 150ھ وفات 204ھ' امام احمد بن حنبلؒ ولادت 164ھ وفات 241ھ' زمانہ کے اعتبار سے امام احمدؒ بن حنبل بھی اس میں داخل ہیں گو آپ کی کسی تابعی سے ملاقات ثابت نہیں' تو پھر بھی کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ امام مالک اور امام شافعیؒ کو بہرحال یہ عظمت و بزرگی حاصل ہے۔

تقلید کے فوائد اور ان کی حقیقت

مولانا فرماتے ہیں کہ آئمہ کرام نے کوئی الگ دین نہیں بنالیا' امام اعظم ابو حنیفہ جو خیر القرون کے امام ہیں' نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں خوشخبری سنائی تھی کہ ایک شخص فارس سے اٹھے گا اگر ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ چکا ہو گا وہاں سے بھی لا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دے گا۔

احادیث مقدسہ میں کافی اختلاف ہے' وجہ اختلاف یہ ہے کہ بعض جگہ حضور علیہ السلام ایک حکم صادر فرماتے تھے کچھ مدت کے بعد دوسرا حکم صادر فرماتے' اب حدیثیں دونوں ہوتی ہیں ایک کام کے کرنے والی اور دوسری نہ کرنے والی' پندرھویں صدی میں ان کے ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں' دیکھو صحابہ نے آپ کے سامنے گوہ کھائی

ہے'اور ابوداؤد میں حدیث آتی ہے کہ آپ نے منع فرمایا' آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔(حدیث) آپ کا عمل اس کے خلاف بھی ہے۔(حدیث) صحابہ کرام کا شراب پینا ایک وقت میں حدیث سے ثابت ہے۔ بعد میں منع فرمانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا' سر کا مسح تین مرتبہ کرنا' عصر کے بعد آپ نوافل پڑھتے تھے۔(حدیث) منع فرماتے تھے کہ عصر کے بعد نفل نہ پڑھو۔(حدیث) کلی کرنا ناک میں پانی کا ایک ایک مرتبہ کی حدیث ہے۔ تین تین مرتبہ والی حدیث بھی آتی ہے۔ صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا' اندھیرے میں پڑھنا دونوں حدیثیں آئی ہیں۔

دیکھیں یہ مختلف قسم کی احادیث آرہی ہیں اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں' جن میں کافی تعارض و تخالف موجود ہے۔ اب ان متعارض روایات میں سے کس حدیث پر عمل جاری رہا کس پر ختم ہو گیا' کونسا آپ ﷺ کا عمل آخری ہے' اور کونسا پہلے زمانے کا' اس تعارض کو وہی ختم کر سکتا ہے جو ماہر شریعت بھی ہو ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا ہم عصر بھی ہو' تو امام ابو حنیفہ تابعی ہیں اور اپنے دور کے امام مسلم ہیں' ہم ان سے مسائل لیتے ہیں' وہ ایسی روایات میں رفع تعارض کر کے ہمیں حضور علیہ السلام کے آخری عمل پر لگاتے ہیں۔ وہ حدیث کے خلاف اپنی بات منوانے پر بضد نہیں ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 59-57)

الجواب :- اولاً :- ان احادیث کا جن میں آپ کو تعارض نظر آرہا ہے ان کا جواب اپنے مقام پر تفصیل سے موجود ہے' اسے وہاں ہی ملاحظہ کریں' سرے دست آپ امام ابو حنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کریں کہ انہوں نے (جو بقول آپ کے متعارض ہیں) ان تخالف و تناقض کو دور کیا ہے' مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث اگر ساری زندگی بھی اپنے حواریوں کو ساتھ ملا کر کوشش کرے تب بھی اس کا ثبوت نہیں دے سکتا' ان تعارض کو دور کرنا تو کجا کسی صحیح و معتبر اسناد سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان روایات کا امام ابو حنیفہ کو علم بھی تھا اور واقعی ان کو یہ صحیح اسناد کے ساتھ مل بھی گئی تھیں۔

ثانیاً:- آپ کا ناسخ و منسوخ کو بھی متعارض قرار دینا' کوتاہِ علم کا نتیجہ ہے' آج تک کسی اصولی نے ان کو متعارض قرار نہیں دیا' یہ دعویٰ صرف اہل حدیث کی عداوت میں 'نصرۃ العلوم' کا تربیت یافتہ کر رہا ہے جسے عقل ہے نہ موت یہ عقل کا دشمن اگر شعور سے ''حجۃ اللہ البالغہ ص138 ج1'' کا ہی مطالعہ کر لیتا تو اہل علم کی محفل میں اس پر استہزاء نہ ہوتا مگر اسے محدثین کی عداوت نے اندھا کر دیا ہے۔

ثالثاً:- امام صاحب کے تابعی ہونے پر محترم نے کوئی دلیل نقل نہیں کی ورنہ ہم اس کا تفصیلی جائزہ لیتے۔ لیکن پھر بھی مختصر عرض ہے کہ امام صاحب کا تابعی ہونا آپ نے تقلیداً کہا ہے یا خود تحقیق کی ہے' اگر تقلیداً کہا ہے تو یہ دعویٰ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مخالف و معارض ہے کیونکہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ

(یقول ما رایت فیمن رایت افضل من عطاء ولالقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی)

(کتاب القرأۃ للبیہقی ص134)

یعنی امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ جنہیں میں نے دیکھا ہے ان میں سے عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں دیکھا اور جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔

امام صاحب کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ ان کی ملاقات کسی صحابی سے نہیں ہوئی ورنہ وہ اسے ذکر کرتے اور امام عطاء بن ابی رباح غیر صحابی (جو کہ تابعی ہیں) کو ملاقات والوں میں بہتر قرار نہ دیتے کیونکہ صحابی بہر حال تابعی سے افضل ہے' مگر مؤلف ''تحفہ اہل حدیث'' اپنے امام کے اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہا ہے جو کہ ترک تقلید ہے' جسے ہمارا مہربان گمراہی سے تعبیر کرتا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص88)

اب اس بات کا فیصلہ تو ہم ان پر چھوڑتے ہیں کہ یہاں انہوں نے تقلید کو ترک کر کے 'گمراہی' کو اختیار کیا ہے یا ترک تقلید کے باوجود راہ ہدایت پر ہیں؟ اگر آپ نے ترک تقلید میں امام صاحب کو تابعی قرار دے ہی لیا ہے تو اس کی کوئی دلیل تو وہ آپ کے پاس

نہیں' بھائی بغیر دلیل کے ہم لوگ "تحفہ" قبول نہیں کرتے یہ مقلدین کا شیوہ وشعار ہے کہ وہ ہر بے دلیل بات پر ڈٹ جاتے ہیں' اور اگر آپ کے باطن میں کوئی دلیل ہے بھی تو وہ بھی فضول وبے کار اور دلیل بننے کے قابل نہیں۔ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی مرحوم فرماتے ہیں:

(وكان فى ايامه اربعة صحابة 'انس' وعبدالله بن ابى اوفى' وسهل بن سعد' وابوالطفيل' ولم يلق احداً منهم ولاأخذمنه' واصحابه يقولون انه لقى جماعة من الصحابة وروى عنهم ولايثبت عنداهل النقل)

یعنی امام ابو حنیفہ کے دور میں حضرت انسؓ' حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی' حضرت سہلؓ' اور حضرت ابوالطفیلؓ چار صحابہ کرام (زندہ) موجود تھے' مگر آپ کی کسی سے ملاقات اور کسب علم ثابت نہیں' اور امام ابو حنیفہ کے مقلدین کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے حدیث روایت کی ہے مگر محققین کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص300-301ج5)

یہ ایک معتبر حنفی مقلد کی شہادت ہے' جس کے بعد ہم اس پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے' ہاں اگر ضرورت پیش آئی اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو اس پر تفصیل سے بھی عرض کر دیں گے۔

رابعاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث نے جس حدیث سے امام ابو حنیفہ کی منقبت ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی ہے اس کے متعلق مختصر عرض ہے کہ مؤلف کا حق تھا کہ پہلے امام ابو حنیفہ کو' فارسی' ثابت کرتے اس کے بعد امام کی عظمت ثابت کرتے تو ایک بات تھی۔ مگر ہمارے بھائی نے قسم کھا رکھی ہے کہ سارے کام فقط دعوے ہی دعوے سے چلاؤں گا کوئی ان پر دلیل قائم کرنے کی زحمت گوارہ نہ کرونگا' چونکہ یہ خود مقلد اعمیٰ ہے' جس کی وجہ یہ مخاطب کو بھی دلیل کا غیر محتاج اور بن دلیل فقط باتوں سے قائل اور راضی کرنے پہ ادھار کھائے بیٹھا' جیسے ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے ایسے ہی اسے اہل حدیث بھی اپنی طرح کے مقلد دکھائی دے رہے ہیں' جس کی وجہ سے یہ بے دلیل' تحفہ عنایت کر رہا ہے۔

(۱) بھائی اس حدیث میں ”رجال“ کا لفظ ہے‘ اور بخاری ص 727ج 2و مسلم ص312ج 2نے اس لفظ کی تخریج پر اتفاق کیا ہے۔اور الفاظ (اورجل من ھؤلاء) کہنے میں خود اس کے راوی‘ سلیمان کو شک ہے‘ اور عبد العزیز کی روایت میں تردد نہیں جس کی وجہ سے رجال کے الفاظ معتبر ہیں‘ دیکھئے (فتح الباری ص521ج8)

جب یہ بات متحقق ہوگئی تو واضح رہے کہ رجال جمع ہے رجل سے اور رجال کی پیشگوئی کا تعلق اہل فارس کے محدثین سے ہے نہ کہ کوفہ کے رہنے والے امام ابو حنیفہ کے بارے۔

(۲) یہ بات درست ہی نہیں کہ امام صاحب فارسی الاصل ہیں‘ جس کی تفصیل اللمحات‘ جلد دوم میں دیکھی جاسکتی ہے‘ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام ابو حنیفہ‘ فارسی الاصل تھے جیسا کہ مقلدین کا کہنا ہے‘ (مقام ابی حنیفہ ص83) تو تب بھی اس سے امام صاحب کی منقبت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث میں فارسی الاصل کا ذکر نہیں بلکہ‘ فارسی‘ کی بات ہے اور ان دونوں میں بعد المشرقین ہے‘ کیونکہ فارسی الاصل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ امام صاحب کے آباؤاجداد فارس سے ہجرت کر کے آئے تھے اور فارسی کا مفہوم یہ ہے کہ فارس میں جس کی رہائش ہو‘ جیسے پاکستانی‘ وغیرہ کا مفہوم ہے‘ اور فقہاء نے صراحت کی ہے جس جگہ پر انسان چار برس بودوباش اختیار کر لے‘ اس کا وہی وطن ہوتا ہے۔

(حدیث الغاشیہ ص134)

(۳) اگر بالفرض حنفیہ کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا شرف وبزرگی ثابت ہوتی ہے‘ تو تب بھی یہ تقلید شخصی کی دلیل نہیں‘ کیونکہ اس سے امام صاحب کا ایمان دار ہونا ثابت ہوتا ہے اور ہم ان کے مسلمان اور مؤمن کامل‘ عابد وزاہد ہونے کا کب انکار کرتے ہیں‘ انکار تو ان کی تقلید سے ہے جو اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی لہذا کوئی ایسی حدیث صحیح پیش کیجیے جس میں رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی تلقین کی ہو‘

مؤلف تحفہ اہل حدیث کی گپ

امام صاحب نے پچپن حج کیے ہیں' صحابہ کرام میں جاکر نمازیں پڑھی ہیں' جو کام صحابہ کرام کو کرتے دیکھا ہے' وہ آپ کا آخری عمل سمجھ کر امام صاحب محفوظ فرما لیتے اور جو روایات خیر القرون میں صحابہ نے ترک کردیں وہ امام صاحب نے بھی ترک کردیں اگر وہ روایات قابل عمل ہوتی تو آپ کے یار ضرور عمل کرتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص59)

الجواب :- اولاً :- ہمارا پوری دنیا کے منکرین سنت کو کھلا چیلنج ہے کہ جس بات کا دعویٰ ابوبلال نے کیا ہے اس کا ثبوت کسی صحیح روایت سے ثابت کریں' یاد رکھیے پوری دنیا کے مقلدین سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود کوئی ایسی روایت ثابت نہیں کر سکتے' انشاء الرحمٰن

پہلے حضرت امام ابو حنیفہ کا اقرار نقل کیا جا چکا ہے کہ جس میں ان کے تابعی ہونے کی نفی ہوتی ہے' اور علامہ فتنی کی عبارت بھی ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب تابعی نہیں گو ان کے مقلدین کا یہ دعویٰ ہے مگر ان کے دلائل محققین کے نزدیک غیر معتبر ہیں' لیکن مؤلف تحفہ اہل حدیث ان کی ملاقات ایک گروہ صحابہ سے باور کرا رہا ہے جو سرے سے قابل التفات ہی نہیں۔

ثانیاً:- خود حضرت امام ابو حنیفہ کا اقرار ہے کہ میرا علم فقہ تمام تر قیاس ورائے پر۔

(وقد روی ابویوسف والحسن بن زیاد کلاهما عن ابی حنیفة انه قال علمنا هذا رأی وهو احسن ما قدرنا علیه)

یعنی قاضی ابو یوسف اور حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ ہمارا پورے کا پورا علم فقہ و فتاویٰ سب رائے و قیاس ہی ہے۔ اپنی رائے و قیاس کے مطابق مقدور بھر ہم نے صحیح بات کہی ہے۔

(اعلام الموقعین ص75 ج1 و تاریخ بغداد ص352 ج13)

امام ابو حنیفہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ان کا مرتب و مدون کردہ یا بیان کردہ سارا علم فقہ و علم کلام وغیرہ محض رائے وقیاس ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اہل الرای اور اہل الحدیث کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

(لم یکن عندھم من الاحادیث والاثار ما یقدرون به علی استناد الفقه علی الاصول التی اختار ھا اھل الحدیث ......الخ)

یعنی اہل الرای کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا اتنا علم نہیں تھا جس سے یہ لوگ اہل حدیث کے اختیار کردہ اصول پر فقہی مسائل استنباط کر سکتے اور نہ ان لوگوں کے دلوں میں اتنی وسعت وہمت ہی تھی کہ وہ تمام علماء کے اقوال پر نظر کر سکتے اور نہ ان کے سینوں میں اتنی فراخی تھی کہ وہ اقوال اہل علم کو جمع کر کے ان پر بحث و نظر کرتے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص152ج1)

پھر اہل الرای کے طریقِ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(بل المراد من اھل الرای قوم توجھوا بعد المسائل المجمع علیھا بین المسلمین اوبین جمھور ھم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین وکان اکثر امرھم حمل النظیرعلی النظیر والرای اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار الخ) (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص27)

یعنی اہل الرای سے مراد وہ لوگ ہیں جو متقدمین میں سے کسی آدمی کے وضع کردہ اصول کے مطابق مسائل کا استنباط واستخراج کرتے تھے، انہیں احادیث و آثار کی تلاش و جستجو نہیں ہوتی۔ انتہی

پھر خاص امام ابو حنیفہ کے طریق کار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وکان ابوحنیفة الزمھم بمذھب ابراھیم واقرانه لایجاوزہ الاماشاء الله وکان عظیم الشان فی تخریج علی مذھبه دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلاً علی الفروع اتم اقبال)

(حجۃ اللہ البالغہ ص146 ج1)

یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے' اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے اور امام نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجوہ میں ... ے' فروع پر پوری توجہ اور انہاک تھا۔ انتہی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اہل الرای کسی شخص کے وضع کردہ اصول پر مسائل کا استنباط قیاس ورائے سے کرتے تھے اور انہیں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کرام سے سرے سے کوئی سروکار ہی نہ تھا اور یہ کہ امام ابو حنیفہ امام ابراہیم نخعی کے اصول پر مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

امام صاحب کی مجلسِ علمی پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(ماكان على ظهرالارض مجلس احب الى من مجلس سفيان الثورى كنت اذا شئت ان تراه مصليا رايته واذا شئت ان تراه فى ذكرالله عزوجل رايته وكنت اذا شئت ان تراه فى الغامض من الفقه رايته واما مجلس لااعلم انى شهدته صلى فيه على النبى ﷺ قط فمجلس ثم سكت ولم يذكر فقال يعنى مجلس ابى حنفية)

یعنی میرے نزدیک کرہ ارض کے اوپر امام سفیان ثوری کی مجلس سے زیادہ محبوب اور کوئی مجلس نہیں' میں نے جب چاہا کہ ان کو نماز کی حالت میں دیکھوں تو میں نے انہیں دیکھا' اور جب میں نے چاہا کہ انہیں اللہ کے ذکر میں مشغول پاؤں تو میں نے انہیں دیکھا' اور جب میں نے انہیں فقہی مسائل میں غور و خوض کرتے دیکھنا چاہا تو دیکھا لیکن میں جب بھی امام ابو حنیفہ کی مجلس میں گیا تو میں نے وہاں نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھتے نہیں سنا۔

(کتاب السنۃ ص214 ج1 لابن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور کہنے والے بھی امام عبداللہ بن مبارک ہیں جنہیں مقلدین

حضرات حنفی باور کراتے ہیں۔ (طائفہ منصورہ ص60)

مجلس امام ابوحنیفہ میں درود نہ پڑھا جانے کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہاں حدیث رسول کا کبھی ذکر ہی نہیں آیا' اگر وہاں سنت مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ ہوا کرتا پھر اس کے ناسخ و منسوخ سے بھی بحث ہوتی تو وہاں ذکر رسول اللہ ﷺ پر درود ضرور پڑھا جاتا' یہ ناممکن ہے کہ امام صاحب جیسا عابد و زاہد ذکر رسول اللہ ﷺ پر درود نہ پڑھتا ہو' الغرض امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے نہایت احسن انداز میں امام صاحب کی مجلس کا حال بیان کر دیا کہ وہاں زیادہ تر مسائل کا حل رائے اور قیاس سے ہوتا تھا۔

ثالثاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ امام صاحب نے خیر القرون میں جو کام صحابہ کرام کو کرتے دیکھا تھا اسے آنحضرت ﷺ کا آخری عمل سمجھ کر محفوظ فرمالیا' دعویٰ بلا دلیل ہے' اور بے دلیل دعویٰ سے آپ امام ابوحنیفہ کو پوری امت محمدیہ کا وارث اور متاع باور کرانا چاہتے ہیں' خاکسار راقم الحروف بآواز بلند یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آپ امام صاحب کی صرف ایک حدیث کسی بھی صحابی سے صحیح متصل سند کے ساتھ کتب حدیث سے ثابت کردیں تو راقم آپ کو اپنی جیب خاص سے دس روپے حق محنت دے گا' ان شاءاللہ

ہماری طرف سے آپ کو کھلی چھٹی ہے کہ دیوبند سے مدد حاصل کریں یا بریلی سے کمک منگالیں یا قادیان سے تحقیقات چوری کر کے 'المصالح العقلیہ کا نام دے لیں۔ مگر یاد رکھئے آپ پوری ذریت حنفیت کو بھی ساتھ ملالیں تو تب بھی آپ کو یقیناً ناکامی و نامرادی ہی ہو گی۔ ان شاءاللہ

کیا فقہ حنفی خلفاء الراشدین سے ماخوذ ہے

مذکورہ گپ کے بعد اہل حدیث کی طرف سے بن بنائے وکیل سوال نقل کرتے ہیں کہ یہ کس طرح پتہ چلا کہ صحابہ کرام کا عمل ناسخ و منسوخ کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے؟ پھر اس کا جواب رقم کرتے ہیں کہ

"نبی علیہ السلام کا فرمان ہے میرے بعد بہت سارے اختلاف ہونگے' تم نے میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے' جب آپ ﷺ نے خود فرمادیا کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو تھام لینا' اب جتنا علم ناسخ و منسوخ کا خلفاء راشدین کو ہے ظاہر ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتا' تو ان کا عمل ہمارے واسطے نبی علیہ السلام کا آخری عمل ہی شمار ہوگا اور یہی ضابطہ امام صاحب نے اپنایا ہے۔ اس واسطے ہم امام صاحب سے مسائل لیتے ہیں"۔ (تحفہ اہل حدیث ص60)

الجواب:- اولاً:- ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام ابو حنیفہ احادیث نبوی آثار صحابہ کرام سے مسائل استنباط نہیں کرتے تھے بلکہ ابراہیم نخعی کے اصول پر مسائل کا قیاس ورائے سے استخراج کرتے تھے' ان دلائل کی موجودگی میں آپ کی یہ بات کہ خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلے تھے' ایک دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے' لہٰذا آپ پہ لازم ہے کہ آپ کسی صحیح سند سے امام ابو حنیفہ سے یہ ثابت کریں کہ وہ سنت خلفاء راشدین سے مسائل کا استخراج کرتے تھے' مگر یاد رہے کہ اس پر آپ کوئی وزنی دلیل تو کجا کوئی لولی لنگڑی بھی پیش نہیں کرسکتے۔

ثانیاً:- امام ابو حنیفہ کی تقلید کر کے' سنت خلفاء راشدین کا نام کس منہ سے لیتے ہو' ان کا ہمیشہ طریق کار اسوہ رسول ﷺ کی پیروی تھا' حضرت میمون بن مہران راوی ہیں کہ

(كان ابوبكراذا ورد عليه الخصم نظر فى كتاب الله' فان وجد فيه ما يقضى بينهم قضى به ' وان لم يكن فى الكتاب وعلم من رسول الله ﷺ فى ذلك الامر سنة قضى به فان اعياه خرج فسأل المسلمين' وقال اتانى كذا وكذا فهل علمتم ان رسول الله ﷺ قضى فى ذلك بقضاء ؟ فربما اجتمع اليه النفر كلهم يذكر من رسول الله ﷺ فيه قضاً ' فيقول ابوبكر الحمدلله الذى جعل فينا من يحفظ على نبينا فان اعياه ان يجد فيه سنة من رسول الله ﷺ جمع رؤوس الناس وخيارهم فاستشار هم فاذا اجتمع رايهم على امرقضى به)

(سنن دارمی ص70 ج1 باب القفیا و مافیہ من الشدۃ)

یعنی جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس کوئی مقدمہ آتا تو آپ سب سے پہلے اس کا حل اللہ کی کتاب سے تلاش کرتے' اگر اس کا حل کتاب اللہ سے مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے' ورنہ سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے اگر اس کے متعلق خود کو علم نہ ہوتا تو گھر سے باہر آ کر مسلمانوں سے سوال کرتے کہ میرے پاس ایسا ایسا مقدمہ پیش ہوا ہے اگر آپ کے علم میں ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا آپ کے پاس ایک گروہ جمع ہو جاتا' اور وہ تمام اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا ذکر کرتے' جس پر ابو بکر صدیقؓ فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے کہ جو اس کے دین کے محافظ ہیں' اور اگر سنت کا علم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو جمع کرتے اور جس امر پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

(دارمی حدیث نمبر 161)

یہی طریق کار دیگر خلفاء راشدین کا تھا' جس کی تفصیل امام ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں درج کی ہے' اب بتائیے مقلد کا طریق کار ایسا ہی ہوتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا' پھر غور کیجیے اور عقل و شعور سے کام لے کر اپنے دل سے سوال کیجیے کہ امام ابو حنیفہ کا طریقہ کار یہی تھا' نہیں یقیناً نہیں وہ تو ابراہیم نخعی کے اصول پر بلا سبب مسائل کا استنباط کرتے تھے' جبکہ خلفاء راشدین غیر پیش آمدہ مسائل میں غور و خوض کو جرم جانتے تھے۔

امام زید المعقری فرماتے ہیں کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور سوال کیا! تو ابن عمر نے کہا جو مسئلہ ابھی پیش ہی نہیں آیا اس کے متعلق سوال نہ کر' میں نے اپنے والد سے سنا کہ

(یلعن من سال عما لم یکن) (سنن دارمی ص62 ج1)

آپ اس سائل پر لعنت کرتے تھے جو غیر پیش آمدہ مسئلہ کے بارے سوال کرے۔

الغرض خلفاء راشدین کا طریقہ' قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا تھا اور جب کوئی مسئلہ ان سے حل نہ ہوتا تو باہم مشورہ سے اسے طے کیا جاتا' مگر تقلید میں قرآن و سنت

کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور نہ ہی پیش آمدہ مسائل کا حل باہم مشورہ سے طے کیا جاتا ہے' زیادہ سے زیادہ اپنے امام کے اصول پر' نظائر کو نظائر پر محمول کر کے مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے' اسے طریق خلفاء سے کیا نسبت'۔

ثالثاً:- اگر خلفاء راشدین کا کوئی فتویٰ و عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو گا تو اسے بھی قبول نہیں کیا جائے گا' مثلاً حضرت عثمان غنیؓ نے سفر حج میں مکہ مکرمہ میں پوری نماز ادا کی ہے۔

(صحیح مسلم ص243ج1)

حضرت عثمانؓ کا یہ عمل چونکہ سنت خیر الانام ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے سرکردہ ابو بکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ کے مخالف ہے جس کی وجہ سے ان کا یہ فتویٰ و عمل قابل قبول نہیں ہے' یہی حنفیہ کا بھی مؤقف ہے' اسی دلیل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خلفاء کا عمل وہی سنت رسول میں داخل ہے' جو سنت مصطفیٰ ﷺ کے موافق ہے' خلفاء کا کوئی عمل سنت سے ہٹ کر سنت خیر الانام میں داخل نہیں' اس حدیث سے ایک اور بات بھی ثابت ہوئی کہ خلفاء راشدین کی سنت وہی ہے جس پر وہ متفق ہوں اور اس اتفاقی سنت سے آپ ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے کہ فلاں صحیح صریح مرفوع متصل حدیث کا حنفیہ نے اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ خلفاء اربعہ کے دستور کے مخالف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے۔

یہ ابوبلال کیا اگر پوری ذریتِ دیوبند بھی جمع ہو کر سر توڑ کوشش کرے تو بھی ایک ایسی مثال نہیں دے سکتے کہ فقہ حنفیہ کا فلاں مسئلہ حدیث کے مخالف اس لیے ہے کہ اس کی مخالفت خلفاء اربعہ سے بسند صحیح ثابت ہے۔ اگر یہ ثابت نہ کر سکے اور یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو پھر بھائیو! جان لو کہ ابوبلال نے خلفاء راشدینؓ کا صرف نام استعمال کیا ہے تاکہ عوام فقہ حنفی کے بے کار و فضول بلکہ بعض لچر قسم کے فتاویٰ پر اندھا اعتماد کر لیں۔

کیا مترجم پر اعتماد اس کی تقلید ہے؟

پہلے سوال نقل کرتے ہیں کہ' مجھے کافی ساری احادیث آتی ہیں' میں نے احادیث

کا بہت مطالعہ کیا ہے کیا میں بھی تقلید کروں؟

اس کا جواب عنایت کرتے ہیں کہ کیا آپ کو عربی آتی ہے؟ نہیں ترجمے والی کتابیں دیکھتا ہوں؟ وہ ترجمے بھی تو کسی امتی کے کیے ہوئے ہیں۔ان کے تراجم پر اعتماد کرنا یہ ان کی تقلید ہی تو ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 60)

الجواب:- اولاً:- حنفیہ میں سے دیوبندی مکتب فکر کے علماء و مولانا محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ نے قرآن کے تراجم کیے ہیں جن پر دیوبندی علماء اعتماد کرتے ہیں تو کیا سارے دیوبندی امام ابو حنیفہ کی تقلید کو ترک کر کے محمود الحسنؒ خاں اور اشرف علی تھانوی کے مقلد ہو گئے ہیں، جواب یقیناً نفی میں ہے، اسی طرح حدیث اور کتب فقہ کے تراجم بھی موجود ہیں، جن پر علماء دیوبند اعتماد کرتے ہیں، تو کیا وہ ان مترجمین کے مقلد ہو گئے ہیں، عقل کے ناخن لو، کیا کہہ رہے ہو،

ثانیاً:- معتبر مترجم پر اعتماد کرنا تقلید نہیں، آپ لغت سے تقلید اور اعتماد کے الفاظ کو مترادف ثابت کر دیں تو منہ مانگا انعام ورنہ ایسی کچی باتیں کر کے اپنے علم کا حدود اربعہ معلوم نہ کروائیں۔

خود رسول اللہ ﷺ نے ترجمان پر اعتماد کیا ہے صحیح بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کے وکیل نے شرائط نامہ کی تحریر میں لفظ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تھا کہ اسے کاٹ کر محمد بن عبداللہ (ﷺ) لکھا جائے، مگر حضرت علیؓ نے بوجہ نہ کاٹا آخر حضرت علیؓ نے نشاندہی کی تو ______ آپ علیہ السلام نے، رسول اللہ ﷺ، کا لفظ اپنے دست مبارک سے کاٹ دیا۔
(الحدیث بخاری ص ۴۵۲ ج ۱ و مسلم ص ۱۰۵ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۱۰۱ ج ۱، و مسلم ص ۶۹ ج ۲ کتاب الحدود میں اور کتب سیر میں معروف واقع منقول ہے کہ جب یہود نے شادی شدہ زانی کی حد میں رسول اللہ ﷺ کو منصف تسلیم کیا تو آپ علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ تورات لے آئیں، ان کا ایک عالم اس جگہ سے تورات کو تلاوت کرنے لگا،

جہاں رجم کی آیات درج تھیں مگران آیات پر اس نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تاکہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے اس حبر کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے صبر نہ کرسکے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے پرے پھینک دیا اور بولے:

(هذه يانبى الله اية الرجم يابى ان يتلوها عليك)

یعنی اے اللہ کے نبی ﷺ یہ ہے رجم کی آیت یہ شخص اس کو پڑھنے سے انکار کر رہا ہے'

(سیرۃ النبویہ لابن ہشام ص 215ج 2)

چنانچہ حکم تورات کے موافق آنحضرت ﷺ نے یہودی کو رجم کرنیکا حکم فرمایا' جسے مدینہ میں رجم کر دیا گیا۔ تورات تو سریانی زبان میں تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نہ جانتے تھے' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کر کے آیت رجم کی نشان دہی کی تھی۔ حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھنے کا اور فرمایا انی

والله ما امن يهود لى كتابى فتعلمته فلم يمر بى الا نصف شهر حتى حذقته فكنت اكتب له اذا كتب واقراء له اذا كتب اليه'

اللہ کی قسم مجھے یہودیوں پر بھروسہ نہیں کہ وہ میری طرف درست لکھتے ہوں (زید فرماتے کہ) نصف ماہ نہ گزرا تھا کہ میں نے ان کی تحریر و زبان خوب سیکھ لی پھر جب آپ کچھ لکھوانا چاہتے تو میں لکھ دیتا اور جب کسی مقام سے کوئی تحریر آتی تو اسے پڑھ دیتا' مسند احمد ص 186ج 5 و ابوداؤد 356/3(3645) وترمذی 392/3(2715) وبیہقی ص 127 ج 10 ومستدرک حاکم ص 75 ج 1 امام ترمذی حاکم اور علامہ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' اور یہ اپنے معنی ومفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ترجمانی کیلئے سیدنا زید کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کیلئے حکم فرمایا' جو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے آدھے ماہ میں سیکھ بھی لی۔ جس کے بعد سیدنا زید نبی کریم ﷺ کے لئے بطور ترجمان کام کرتے رہے' انہیں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر امام ترمذی نے اسے باب السریانیۃ' کے تحت لاکر یہ مسئلہ سمجھایا کہ ضرورت کے تحت کفار کی زبان سیکھنی بھی

جائز ہے۔ بلکہ امام حاکم نے بھی مستدرک کے کتاب الایمان باب جواز تعلم کتابۃ الیھود' میں درج کر کے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے زید کی ترجمانی پر اعتماد فرمایا ہے۔

اب نصرۃ العلوم کا تربیت یافتہ ابو بلال (اُجڈ) شاید اس کا نام "تقلید" رکھ کر رسول اللہ ﷺ کو بھی زید بن ثابت علیؓ مرتضیٰؓ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم کا مقلد کہے گا۔ مگر کوئی صاحبِ علم اسے تقلید نہیں کہتا کیونکہ ترجمان یا مترجم اپنی بات نہیں کہتا بلکہ دوسرے شخص کی بات کا لغوی معنیٰ کرتا ہے' لہٰذا جس کی ترجمانی کی جارہی ہے یا جس شخصیت کے اقوال کو اپنی زبان میں ڈھال رہا ہے' اس کی شخصیت اگر دین میں حجت ہے تو یہ دلیل کی پیروی ہوگی' اگر حجت نہیں تو تقلید ہوگی' اس فرق کو ملحوظ رکھیں تو قرآن وحدیث کے تراجم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ دلیل کی طرف رجوع ہونے کی وجہ سے اتباع رسول اللہ ﷺ میں داخل ہے' اور کتب فقہ کے تراجم کی طرف رجوع کرنا' چونکہ دلیل کی پیروی نہیں بلکہ فقہ مرتب کرنے والے پر حسن ظن کی بنا پر اسے قبول کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ تقلید ہے' کہیے کیا کہتے ہو۔

آنحضرت ﷺ خود دینی اور دنیاوی امور میں اعتماد فرماتے' جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے' اسے قبول کرتے' کاتب وحی صحابہ کرام سے قرآن کو ضبط تحریر میں کرواتے' بعض صحابہ کو حدیث وسنن لکھوا کر دیں' بادشاہوں کے نام خطوط تحریر کروائے' وغیرہ یہ تمام کام اعتماد کی بنا پر ہوتے تھے' مگر آج تک کسی نے اس کو تقلید کا نام نہیں دیا' اہل علم اس کو شہادت وگواہی کے زمرے میں لاتے ہیں کیونکہ معتبر پر اعتماد کر کے اس کی گواہی کو قبول کرنا دستور اسلام ہے۔ اسے تقلید کا نام صرف آپ نے دیا ہے' شاید آپ کو قرآن وحدیث کے علاوہ لغت پر بھی عبور نہیں اور اصول کی مبادی کتب بھی زیرِ مطالعہ نہیں' اور متقدمین پر بھی آپ کو اعتماد نہیں' ورنہ ایسے بے کار دلائل آپ تقلید پر نہ دیتے' آپ دعویٰ تو تقلید کا کرتے ہیں مگر اس کی دلیل تجدیدی دیتے ہیں۔

کیا مؤلفین صحاح ستہ مقلد تھے؟

فرماتے ہیں کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام شافعی کے مقلد تھے اور امام ابوداؤد امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔

(ملخصاً تحفہ اہل حدیث ص 61)

الجواب:- اولاً:- اگر آپ کے اس قول میں صداقت ہے تو ان آئمہ کرام سے ثابت کیجیے کہ ہم مقلد ہیں، ورنہ لعنۃ اللہ علی الکذبین کی وعید شدید سے ڈریئے اور خوفِ خدا کیجیے کہ آپ مذہب کے نام پر جھوٹ بولنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ثانیاً:- ہم التوضیح ص 44 کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں کہ اَدِلّہ اربعہ سے صرف مجتہد ہی کچھ حاصل کر سکتا ہے، مقلد نہیں کیونکہ مقلد کے نزدیک تو دلیل صرف قول مجتہد ہوتا ہے، اس کے برعکس آپ صحاح ستہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ تمام اپنی اپنی سنن اور صحاح میں باب باندھتے ہیں، پھر حدیث رسول نقل کرتے ہیں، آثار صحابہ کا تذکرہ کرتے ہیں، قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، فقہ الحدیث سمجھاتے ہیں، بعض مقام پر علماء امت کے اقوال کا تذکرہ بھی کرتے ہیں، بعض کی موافقت اور بعض کا رد تحریر کرتے ہیں، مثلاً امام بخاری کو ہی لیجیے انہوں نے بخاری ص 99 ج 1 و ص 194 ج 1 و ص 211 ج 1 و ص 248 ج 1 وغیرہ میں امام شافعی سے اختلاف کر کے حنفیہ کی موافقت کی ہے، امام ترمذی نے تو باب تاخیر الظہر فی شدۃ الحر میں امام شافعی کا نام لے کر تردید کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

(وکان صاحب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقته له کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی) (حجۃ اللہ ص 153 ج 1)

یعنی کبھی اہل حدیث کو کثرت موافقت کی وجہ سے کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کر لیا جاتا ہے جیسے نسائی اور بیہقی کو شافعیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ مقلد نہ تھے

محدث مبارکپوری نے 'مقدمہ تحفہ الاحوذی ص174 میں اس کی پرزور تردید کی ہے کہ مؤلفین صحاح مقلد تھے۔

آپ مقلدین حنفیہ کی احادیث پر لکھی ہوئی کتب کا طحاوی سے لے کر آثار السنن تک مطالعہ کریں پھر صحاح ستہ میں سے کوئی کتاب اٹھایئے اور ان کو گہری نظر سے بغض و تعصب اور خالی الذہن ہو کر مطالعہ کریں تو ان کے انداز فکر اور مقلدین کے طور طریقے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ امام محمد کی موطا' یا' طحاوی کی' شرح معانی الاثار' ہو ان میں آپ دیکھیں گے کہ صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے کیسے بودے اور کمزور بلکہ لایعنی قسم کے فضول بہانے تلاش کیے گئے ہیں' امام کے اقوال کی نصرت میں توجیہات پہ توجیہات کرتے ہوئے تھکتے نہیں' اس کے برعکس مؤلفین صحاح' باب باندھ کر حدیث درج کرتے ہیں' بعض مقامات پر صحت حدیث اور معانی حدیث پر بھی بحث کرتے ہیں' اور ترمذی مذاہب کو بھی بیان کرتے ہیں۔ بعض کی موافقت کرتے ہیں تو بعض کی تردید کرتے ہیں' مگر طحاوی کی طرح صحیح حدیث کے رد کے لیے ضعیف و کمزور روایات کا سہارا نہیں لیتے۔ آپ اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے۔

ثالثاً:- باعتراف مؤلف تحفہ اہل حدیث ص63 مجتہد مقلد نہیں ہوتا اور مؤلفین صحاح ستہ تمام کے تمام مجتہد تھے' تفصیل کے لیے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص174 کا مطالعہ کریں۔

ہم یہاں صرف امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔
شیخ ابراہیم بن عبداللطیف حنفی مرحوم سندھی فرماتے ہیں کہ

(البخاری امام مجتهد براسه کابی حنیفة والشافعی ومالك واحمد وسفیان الثوری ومحمد بن الحسن ')

(مقدمہ لامع الدراری ص68 ج1 وما تمس الیہ الحاجۃ ص26)

یعنی امام بخاری' امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک' امام احمد بن حنبل' سفیان ثوری اور محمد کی طرح چوٹی کے مجتہد تھے۔

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ

(اميرالمؤمنين فى الحديث وناصر الاحاديث النبوية وناشرالمواريث المحمدية قيل لم ير فى زمانه مثله من جهة حفظ الحديث واتقانه وفهم معانى كتاب الله وسنة رسوله ومن حيثية حدة ذهنه ودقة نظره و وفور فقهه وكمال زهده وغاية ورعه وكثرة اطلاعه على طرق الحديث وعلله وقوة اجتهاده واستنباطه) (مرقاۃ ص13ج1)

یعنی امام بخاری حدیث میں امیر المؤمنین ہیں' احادیث نبویہ کے ناصر' اور وراثت محمدیہ کے ناشر ہیں' زمانے نے ان جیسا حافظ الحدیث نہیں دیکھا اور نہ ہی اتقاء میں اور نہ ہی قرآن کے معانی اور سنت رسول کے فہم میں' اور اس حیثیت سے بھی کہ ان جیسا زمانے نے پختہ ذہن اور باریک بین اور فقہ کی مضبوطی میں' بلکہ زہد و تقویٰ کے کمال میں ان جیسا کوئی نہ تھا' طرق حدیث اور اس کی علل کی معرفت اور اجتہاد و استنباط مسائل میں (اپنی نظیر آپ تھے)

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

(كثر ثناء الائمة عليه حتى صح عن احمد بن حنبل انه قال ماأخرجت خراسان مثله وقال غيرواحد هوفقيه هذه الامة وقال اسحاق بن راهويه يا معشراصحاب الحديث انظروا الى هذا الشاب واكتبوا عنه فانه لوكان فى زمن الحسن البصرى لاحتاج اليه لمعرفته بالحديث وفقهه وقد فضله بعضهم فى الفقه والحديث على احمد واسحاق وقال ابن خزيمة ماتحت اديم السماء اعلم بالحديث منه) (مرقاۃ ص15ج1)

یعنی کثرت سے آئمہ کرام نے آپ (بخاریؒ) کی تعریف و توصیف کی ہے یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ خراسان میں ان جیسا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور متعدد آئمہ نے انہیں اس امت مرحومہ کا فقیہ کہا ہے' اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اے جماعت اہل حدیث کے لوگو! اس نوجوان کی طرف دھیان کرو اور اس

سے احادیث لکھو' کیونکہ یہ اگر حسن بصری کے زمانہ میں بھی ہوتا تو وہ بھی اس کے محتاج ہوتے۔ احادیث کی معرفت اور فقہ کی وجہ سے اور بعض نے تو امام بخاری کو امام احمدؒ بن حنبل اور اسحاقؒ پر بھی فقہ وحدیث میں ترجیح دی ہے' امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ان سے زیادہ کوئی حدیث کو جاننے والا نہیں (انتہی)

اگر ہم ان اقوال کا استیعاب کریں جنہوں نے امام بخاری کو مجتہد کہا ہے' تو ایک کتابچہ تیار ہو سکتا ہے' مگر ہمارا مقصود ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی کرنا ہے' اور آخری قول کو نقل کر کے ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں ماضی قریب میں دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے "انوار الباری" کے نام سے مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے افادات کو ان کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری نے شائع کیا ہے' اس میں فرماتے ہیں کہ

"امام بخاری چونکہ خود درجہ اجتہاد رکھتے تھے اس لیے انہوں نے جمع احادیث کا کام اپنے نقطہ نظر سے قائم کیے ہوئے تراجم وابواب کے مطابق کیا"۔

(مقدمہ انوار الباری ص31ج2)

غیر مقلد کی تعریف

فرماتے ہیں کہ 'غیر مقلد تو وہ ہوتا ہے جو خود بھی اجتہاد نہ کر سکے اور مجتہد کی تقلید بھی نہ کرے' بلکہ فقہاء کو گالیاں دے اور ان کے مقلدین کو مشرک کہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص63)

الجواب:- اولاً:- آپ کی بیان کی ہوئی تعریف کی رو سے مقلد کی یہ تعریف ہو گی کہ جو مجتہد ہو کر تقلید کرے' حالانکہ مجتہد عالم ہوتا ہے اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد کا شمار اہل علم میں نہیں ہوتا۔ (اعلام الموقعین ص7ج1)

مولانا اشرف علی تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ہم خود ایک غیر مقلد کے معتقد اور مقلد ہیں کیونکہ امام اعظم کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے' مجالس حکیم الامت ص345 مرتب

مفتی محمد شفیع صاحب مزید دیکھئے حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ص 51 ج 1 جھنگوی صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے صراحت کریں کہ امام ابو حنیفہ مجتہد تھے یا نہیں؟ اور آیا وہ ائمہ دین اور بزرگان ملت کو گالیاں دیا کرتے تھے کہ نہیں؟

ثانیاً:- آپ نے جو غیر مقلد کی تعریف کی ہے یہ فقہ اور اصول فقہ حنفیہ کی کس کتاب میں درج ہے' بمع حوالہ صراحت کریں' ورنہ کذب وافتراء سے باز آجایئے قیامت کے روز ان کے متعلق سوال ہوگا۔

ثالثاً:- راقم الحروف نے آج تک اپنے کسی استاد سے بحق آئمہ کرام گالی نہیں سنی' اگر آپ کے قول میں صداقت ہے تو ثبوت دیجیے ورنہ لعنۃ اللہ علی الکذبین کی وعید سے ڈر جایئے' یہ لعنت کا طوق آپ کے گلے میں پڑ کر آپ کو ڈبو دے گا۔

ہم اللہ کو گواہ بنا کر حلفیہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث تمام بزرگان دین' آئمہ کرام' فقہاء عظام کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ ہاں البتہ ان کے قول واقوال کو وحی آسمانی کی طرح نہیں جانتے کہ جس میں نظر ثانی کرنا کفر ہو' اور نہ ہی ان کو معصوم عن الخطا تصور کرتے ہیں' بلکہ ان کے قرآن وسنت کے خلاف اقوال کو ان کی بشری کمزوریاں اور بھول چوک سے تعبیر کرتے ہیں' اور ان کے درست اجتہادات کی قدر کرتے ہیں' پوری امت مرحومہ کے بزرگان سے ہماری خصوصی محبت ہے' ان سے عداوت کو سلب ایمان قرار دیتے ہیں اور گالیاں دینے والے کو بحکم رسول فاسق تصور کرتے ہیں۔

(سباب المسلم فسوق' الحدیث' بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص 411)

اس بات کا اظہار ہم نے صرف آج ہی نہیں کیا بلکہ آج سے کئی برس قبل ہم دین الحق ص 516 ج 1 میں کر چکے ہیں' مگر ابو بلال شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر جھوٹ وفریب کے ساتھ ساتھ ہماری غیبت بھی کر رہا ہے۔ جو بہر حال گالیاں دینے سے زیادہ گناہ ہے۔

رابعاً:- ادب واحترام کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرنے والو! حنفیہ سے بڑھ کر کوئی گستاخ وبے

ادب نہیں۔ آپ کے اکابر نے ہر مخالف کی وہ خبر لی ہے کہ اللہ کی پناہ' اصول شاشی اور نورالانور ص 179 میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کو غیر فقیہ لکھا ہے' اور اصول شاشی کے بین السطور میں حضرت عقبہ بن مالک رضی اللہ عنہ اور آس پاس کے دیہات کے تمام صحابہ کرام کو غیر فقیہ لکھا ہے' اردو زبان میں غیر فقیہ کا ٹھیک معنی بے وقوف کے ہوتے ہیں' آپ کے امام ابو حنیفہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اعرابی (جنگلی وبدو) مسند ابو حنیفہ مترجم ص 88' کہہ کر ٹھکرا دی تھی۔ نورالانوار ص ......اور التوضیح ص 411 میں امام شافعی کو جاہل اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدعتی لکھا ہے۔

شاید آپ ان کو ادب واحترام اور بڑے اچھے القاب قرار دیتے ہوں تو ذرا ہمت کر کے جب نصرۃ العلوم کی تقریب بخاری کا اشتہار شائع کریں تو انہیں القاب سے اشتہار میں اپنے استاذ کا نام لکھنا کہ فلاں شیخ الحدیث' جو غیر فقیہ' اعرابی جاہل وبدعتی ہیں ان کا بخاری کی آخری حدیث پر درس ہوگا' اٹھیئے اور ہمت کیجیے اور ان القاب سے ایک دیوبندی عالم کو مخاطب کیجیے پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ چاروں اطراف سے آپ کے حق میں دیوبندی وہ دعا خیر کریں گے کہ آپ کو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

افسوس آپ اپنے اکابر کے لیے تو جاہل' بدعتی' غیر فقیہ اور اعرابی کا لفظ پسند نہیں کرتے مگر صحابہ کرام اور حامی سنت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اسے بڑے شوق سے گوارہ کرتے ہیں بلکہ اسے معرفت کا نام دیتے ہیں' یہ ہیں ادب کے واحد ٹھیکے دار۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تحریک اہل حدیث کا اصل قصور

ہمارے مخالفین' ہمیں وہابی' غیر مقلد' لامذہب' خارجی' حشوی' شیعہ کے بینی بھائی وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں' تانیب الخطیب ص 21 وارشاد الشیعہ ص 149 وفتح المبین ص 442 وص 455 وص 453 وغیرہ

اس پروپیگنڈا کو اس قدر ہوا دی گئی ہے کہ آج غیر مقلد وہابی وغیرہ کا لفظ ایک گالی بن کر رہ گیا ہے آخر ہم لوگوں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ کسی جائداد پر قبضہ کیا ہے یا عزت نفس مجروح کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں' تو پھر ہمارے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں کیا جارہا ہے' حالانکہ تعلیم قرآن ہے کہ

(وَلَاتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ)(الانعام:108)

یعنی مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو گالیاں مت دو۔

قابل غور بات ہے کہ کیا ہمارا اتنا ہی ناقابل معافی جرم ہے کہ ہمیں چڑانے کے لیے برے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے' بعض فرقہ ضالہ کی طرف ہماری نسبت کی جاتی ہے' خشیت الٰہی کو بالائے طاق رکھ کر ہماری طرف وہ چیزیں منسوب کی جاتی ہیں' جن کو ہم بھی کفر و گمراہی سمجھتے ہیں' بزرگوں کے گستاخ' آئمہ دین کی توہین کرنے والے تو ہمیں عام کہا جاتا ہے' حالانکہ ہم برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم امتِ مرحومہ میں سے کسی بھی بزرگ کی شان میں گستاخی کرنے والے نہیں' جن ناموں سے آپ ہمیں مخاطب کرتے ہیں ان کے ساتھ ہمارا سرے سے کوئی مذہبی رشتہ و تعلق ہی نہیں' مگر ان لوگوں کو ہماری قسمیں جھوٹی دکھائی دیتی ہیں' نمازیں ریا معلوم ہوتی ہیں' اتباع سنت کا جذبہ ان کو نمائش معلوم ہوتا ہے' قرآن وسنت کی خدمت کو یہ لوگ ہوائے نفس کا نام دیتے ہیں۔

خاکسار راقم الحروف نے متعدد بار غور کیا کہ آخر ہمارا جرم کیا ہے؟ جس کی اتنی سنگین سزا ہمیں سنائی جارہی ہے۔ بھائیو جہاں تک میری عقل و فکر نے کام کیا تو مجھے یہ قصور نظر آیا کہ ہم نے تقلید کی بجائے اتباع رسول کو اوڑھنا بچھونا بنایا' ہدایہ کی بجائے قرآن کی طرف بلایا' کنز قدوری کی بجائے احادیث رسول پڑھنے کے لیے لوگوں کو تحفہ دیا' تراجم فقہ کی بجائے قرآن وحدیث کے تراجم کیے۔ انگریز کی غلامی کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کو فروغ دیا' ملک میں فتاویٰ عالم گیری کی بجائے قرآن وسنت کے نفاذ کا مطالبہ کیا' بدعات کی بجائے سنت کی آبیاری کی شرک کی بجائے توحید کا درس دیا۔ یہی قصور ان لوگوں کی نگاہ میں ناقابل معافی

جرم بن گیا' جیسے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو صابی کہا گیا' اسی طرح ہمیں لامذہب کا لقب دیا گیا۔ جیسے آپ علیہ السلام کو مذمم کہا گیا' ویسے ہی ہمیں ضال کا لقب دیا گیا' جیسے آنحضرت ﷺ کو توحید کے درس پر معبودان باطلہ کا گستاخ کہا گیا' ویسے ہی ہمیں درسِ توحید پر اولیاء کا گستاخ قرار دیا گیا۔ جیسے صحابہ کرام کو اتباع رسول کی وجہ سے سفہاء کہا گیا (سورہ البقرہ:13) اسی طرح ہمیں بھی غیر فقہی کہا گیا' جیسے صحابہ کرام کو اسوۂ رسول کی پیروی کی وجہ سے صابی (شتر بے مہار) کہا گیا اسی طرح اتباع رسول کی وجہ سے ہمیں آوارہ (غیر مقلد کا لفظ انہیں معنوں میں یہ لوگ استعمال کرتے ہیں) کہا گیا' افسوس صد افسوس کہ اگر عامی کو ہدایہ پڑھنے کے لیے دیا جائے تو وہ راہ ہدایت پر رہے گا اگر قرآن اور بخاری دی جائے تو ضال گمراہ اور آوارہ ہو جائے گا اس زیادتی کی کوئی انتہا ہے۔

مگر کان کھول کر سن لو ان فتاویٰ کی اللہ کے ہاں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں' دین تمہارے امام اور فقہاء کا نہیں' اللہ اور اس کے رسول کا ہے' ہمیں خوشی ہے کہ ہمیں ہمارے آقا کی طرح سب کچھ سننا پڑا اور ہم نے صبر کیا اللہ تعالیٰ ہمارے اسلاف اور ہمارے لئے ان چیزوں کو توشہ آخرت اور کفارہ سیات بنائے' اور اس عمل حسنہ کے وسیلہ سے ہمیں اپنے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت اور جنت میں رفاقت نصیب فرمائے' اور ان لوگوں کو ہدایت عطاء فرمائے۔ آمین یارب العلمین خیر ان لوگوں کی ایسی حرکات سے علماءِ حق بددل نہ ہوئے' اور اپنے مشن کو جاری رکھا' جس کے نتیجہ میں جلد ہی تقلید وغیرہ مسائل اہل علم کی محفل سے نکل کر عوامی بن گئے' اور فقہ حنفی کے بعض غلط اور قرآن و سنت کے خلاف فتاویٰ کا مذاق اڑایا جانے لگا' حنفیہ نے اپنے انداز فکر پر غور کیا اور اہل حدیث کو مطعون کرنے کے لیے نصوص پر حرف گیری اور تاویل و تحریف کا راستہ اختیار کیا' ان لوگوں میں سے بعض نام کے علامہ وفہامہ اور مناظرین نے سنت رسول پر مذاق کرنا اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا' ہمارے معاصر نے بھی' کھڑے ہو کر پیشاب کرنا' دوران نماز بچے کو اٹھانا' نماز میں کنڈی کھولنے کی احادیث کا مذاق اڑایا ہے۔ (دیکھیے تحفہ اہل حدیث ص 10)

اہل حدیث کی عداوت میں بخاری و مسلم کی روایات پر اعتراض ہوا' تو کبھی حجیت حدیث پر حرف گیری کی گئی' تو کبھی تدوین حدیث کے نام سے حدیث میں شکوک و شبہات پیش کیے' جب یہ اعتراضات مارکیٹ میں آئے جہلاء اور بابو ٹائپ لوگوں کو ان اعتراضات میں معقولیت نظر آئی' جس کا نتیجہ واضح تھا کہ انہوں نے سرے سے حجیت حدیث سے ہی انکار کر دیا' اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مؤقف کے برعکس اطاعت رسول کا ہی انکار کر دیا۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کو کھلا چیلنج

ہماری طرف سے ابو بلال کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ ہمارے اس مؤقف کی دلائل سے تردید کرے اور کم از کم منکرین حدیث کے دس ایسے اعتراضات کی نشان دہی کرے جس کے موجد فقط منکرین حدیث ہوں اور ان اعتراضات کو اہل حدیث کی عداوت میں علماء احناف نے ان سے پہلے ہم پر نہ کیے ہوں' مگر یاد رہے کہ دس تو کجا ان کا نصف بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا' راقم یہ بات پورے وثوق سے کہتا ہے کہ اگر کسی حنفی یا ابو بلال نے بزعم خود ایسے اعتراضات کی نشان دہی کی تو یہ خاکسار دلائل سے ثابت کر دے گا کہ ان کے موجد اور علمی مواد فراہم کرنے والے برصغیر کے حنفی مولوی ہیں' انشاء الرحمٰن

یہاں سے ان لوگوں کے زہد و تقویٰ اور پارسی کا بھی پتہ لگ گیا کہ ان میں خشیت الٰہی ہوتی تو مشترک چیز (قرآن و حدیث) پر اعتراض نہ کرتے بلکہ متنازع فیہ تقلید اور فقہ حنفی کا دفاع ہی کرتے' مگر ان لوگوں نے ہماری عداوت اور بغض میں حلال و حرام کا فرق ہی نہ رکھا سب کو ہی رگڑا دیا' انا للہ وانا الیہ راجعون

ائمہ اربعہ نے تقلید کیوں نہ کی؟

فرماتے ہیں' نہ معلوم آپ نے یہ جملہ کہاں سے سن رکھا ہے کہ ائمہ اربعہ غیر مقلد تھے' آپ کا سوال اسی طرح ہے جس طرح کوئی یوں کہے میں کسی امام کا مقتدی بن کر نماز نہیں پڑھوں گا' یہی رٹ لگاتا چلا جائے ہم اس سے پوچھیں گے کیوں نہیں مقتدی بنتا

؟وہ کہے پہلے دکھاؤ یہ امام کس کا مقتدی ہے؟ یا یوں کہے کہ میں کسی نبی کا امتی نہیں' اس لیے کہ ہمارے پیغمبر کسی کے امتی نہیں ہیں' پہلے حضور علیہ السلام کا امتی ہونا ثابت کرو میں بعد میں امتی بنوں گا۔ پہلے امام کا مقتدی ہونا دکھلاؤ میں بعد میں مقتدی بنوں گا' یا میں اس بادشاہ کی رعایا نہیں ہوں کیونکہ یہ بادشاہ کس کی رعایا ہے؟ میں مقلد نہیں ہوں کیونکہ ائمہ اربعہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ ہم بڑے پیار سے عرض کریں گے کہ امام امام ہی ہوتا ہے بادشاہ رعایا میں شمار نہیں ہوتا' رعایا بادشاہ نہیں ہوتی' پیغمبر امتی نہیں ہوتے' مجتہد تو مجتہد ہے وہ مقلد کیسے ہو' تقلید تو غیر مجتہد کرے گا جو درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 63)

الجواب :- اولاً:- بھائی اقتداء اور تقلید کا ہم فرق بیان کر چکے ہیں' اگر اس کا کوئی معقول جواب آپ کے پاس ہے تو وہ عنایت کیجیے۔

ثانیاً:- بھائی جان بادشاہ اور تقلید کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بادشاہ تو غیر مجتہد بھی ہو سکتا ہے' بلکہ دین سے بے بہرہ اور اجڈ بھی ہو سکتا ہے' غالباً آپ نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ایسی حرکت نہ کرتے' کسی ایف اے یا بی اے کے طالب علم سے پوچھنا کہ اکبر کا دین الٰہی کیا چیز تھی' اور اس کا موجد بادشاہ تھا کہ نہیں؟ یہ بھی خوب کہا کہ بادشاہ رعایا نہیں الخ شاید آپ کو قرآن کا مطالعہ نہیں ارشاد ربانی ہے کہ

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:26)

اے اللہ بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

لیجیے جناب اس آیت میں آپ کے دو مطالبے پورے ہوتے ہیں'

(۱) اللہ حکمرانی کو چھین بھی لیتا ہے' جب چھین لیتا ہے تو وہ بادشاہ نہیں رہتا اس کا شمار رعایا میں ہوتا ہے۔

(۲) بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے اور حقیقی شہنشاہ وہی ہے۔

ثالثاً:- آپ نے لفظ 'امۃ' پر غور نہیں کیا' جس کی وجہ سے آپ کو غلطی لگی ہے' یا جان بوجھ کر

مغالطہ دیا ہے' سنئے کہ امۃ بمعنی جماعت آتا ہے خواہ وہ انسانوں کی ہو یا جانوروں یا پرندوں کی' ارشاد ربانی ہے کہ

(وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ)(سورہ الانعام 38:)

یعنی زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والے جانور ہیں ان کی تمہاری ہی طرح جماعتیں ہیں۔

اور جب اس لفظ کا اطلاق انسانوں کے لیے ہو تو اس سے مراد ہم عقیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً)

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا۔ (2-213)

اور عرف عام میں امت ان ہم عقیدہ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں' جسے کوئی نبی یا رسول تشکیل دیتا ہے' ارشاد ربانی ہے

(کنتم خیر اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) (آل عمران:110)

(مومنو!) جتنی امتیں بھی لوگوں کے لیے پیدا ہوئیں تم ان میں سے بہتر ہو۔

(مترادفات القرآن ص390)

ان معانی کو ملحوظ رکھیے تو ایسا سوال کرنے والا (پہلے یہ بتایا جائے کہ نبی کس کا امتی ہے) جاہل و نادان ہی ہو سکتا ہے' کوئی ذی علم اور باشعور انسان نہیں ہو سکتا' جب کہ تقلید کا یہ معنی نہیں ہے' جس کی وجہ سے آپ کی توجیھ ہی غلط اور مثال اغلط ہے' آپ جیسے لوگوں کی نادانیوں کی وجہ سے ہی منکرین حدیث کا گروہ پیدا ہوا ہے۔ اب بالفرض اگر کوئی جاہل و نادان اور علم دین سے کورا اس کو پلے باندھ لے تو آپ کے لیے یہی ایصال گناہ کافی ہے' آپ ہمارے ساتھ اختلاف ضرور رکھیے بلکہ بغض و تعصب بھی ترک نہ کیجیے' مگر فرضی اعتراضات کو درمیان میں لا کر دین کا حلیہ مت بگاڑیئے اور جہلاء کو دین سے برگشتہ نہ کیجیے'

اگر ان کی حالت کو سنوار نہیں سکتے تو مزید خراب بھی نہ کریں' پھر آپ پہ واضح ہونا چاہیے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ ان کے موجد آپ ہی ہیں' ورنہ یہ الزامی جواب کہلانے کا سرے سے مستحق ہی نہیں' کیونکہ الزامی جواب میں فریق ثانی کا مسلم ہونا شرط ہوتا ہے۔ غیر مسلم کو آپ کے دل کی بھڑاس تو کہا جاسکتا ہے مگر اسے جواب کوئی دانا نہیں کہے گا' غور کیجیے کہ سوال تو آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے کسی کی تقلید ہی نہیں کی' یہ سوال آپ کے مسلمات سے ہے' اس کا جواب آپ ہمیں غیر مسلم عنایت کرتے ہیں' بھائی ان چیزوں کی جہلا میں تو شاید قدر ہو مگر اہل علم کے نزدیک آپ کا یہ جواب کم از کم خلط مبحث کی بدترین مثال ہے۔

رابعاً:- آپ کا یہ جواب کہ ائمہ اربعہ چونکہ مجتہد تھے' اور مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں' یہ بھی سوال کا جواب نہیں! اس جواب پر متعدد اعتراض ہیں' بتایا جائے کہ ائمہ اربعہ پیدائشی مجتہد تھے یا ایک زمانہ تک انہوں نے کسب کیا جس کے نتیجہ میں وہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ اگر آپ کہیں کہ وہ پیدائشی مجتہد تھے' تو اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے دیجیے۔ اگر آپ ثبوت نہ دے سکے تو ماننا پڑے گا کہ وہ ابتدائی زمانہ میں مجتہد نہ تھے' اور ایک مدت تک انہوں نے علم دین حاصل کیا' پھر درجہ اجتہاد پایا' لہٰذا آپ پہ لازم ہے کہ ثابت کریں کہ اجتہاد کا درجہ پانے سے پہلے انہوں نے کس کی تقلید کی؟ اگر آپ ان سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ ثابت کردیں کہ ہم پہلے تو فلاں فلاں کی تقلید کرتے تھے مگر اب چونکہ مجتہد ہوگئے ہیں لہٰذا ہم نے تقلید کو بھی ترک کردیا ہے۔ اگر آپ یہ ثابت کردیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دیں گے مگر یاد رکھیے پوری دنیا کے مقلدین سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس میں بری طرح ناکام رہیں گے۔ ان شاءاللہ

بالفرض اگر آپ علماء دیوبند کی تقلید میں یہ کہہ دیں کہ اجتہاد کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے جسے محنت سے حاصل کرلیا جائے بلکہ وہ ملکہ عطاءِ الٰہی ہے۔

(دفاع امام ابو حنیفہ ص340)

تو اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اجتہاد کیا پورا دین کا علم بلکہ انسان کی ہر چیز عطاءِ الٰہی ہے' مگر کوئی چیز موہبت نازل نہیں ہوتی جب تک انسان کی طرف سے اس کے حصول کی کوشش اور کسب نہ کیا جائے ارشاد ربانی ہے کہ

(يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ)(الشوریٰ:50)

یعنی ہم جسے چاہتے ہیں لڑکے عطا کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں لڑکیاں موہبت کرتے ہیں۔

اسی طرح سورہ مریم آیت 50 میں کہا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب موہبت کیے' جس سے معلوم ہوا کہ اولاد اللہ کی عطا ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ اولاد کے حصول کے لیے کسی انسانی عمل کی ضرورت نہیں۔

قرآن گواہ ہے کہ ساری دنیا کو رزق اللہ دیتا ہے۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ حصول رزق کے لیے محنت کی ضرورت نہیں' یا یہ حدیث کہ تمام لوگ اللہ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ...... و مسلم کتاب صفات المنافقین باب لن يدخل احد الجنة بعمله) تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لیے کسی عمل صالحہ کی ضرورت نہیں' الغرض اس ساری تقریر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک مدت تک ائمہ اربعہ غیر مجتہد تھے' لہٰذا اس دور میں ان سے تقلید ثابت کریں' ورنہ ہمارا یہ لاجواب اعتراض لاجواب ہی رہے گا۔ ان شاء اللہ

جب کوئی ثبوت ہی آپ کے پاس نہیں تو پھر اللہ کا خوف کیجیے خلط مبحث علماء کی شان نہیں' علاوہ ازیں اگر تقلید شخصی واجب یا مستحسن فعل ہوتا یا امت مرحومہ پر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہوتی تو یہ چاروں بزرگ اپنی تقلید سے منع نہ کرتے۔

(۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ

(لايحل لاحد ان ياخذ بقولي مالم يعلم من اين قلت ونهى من التقليد وندب الى معرفة الدليل)

اس شخص کو میرا قول لینا حلال نہیں جو یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس دلیل سے کہا ہے اور امام

صاحب نے تقلید سے منع کیااور دلیل معلوم کرنے کی ترغیب دلائی۔

(مقدمہ ہدایہ ص93ج1)

(۲)امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

(انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی رائی فکلما وافق الکتاب والسنة فخذوه وکلما لم یوافق فاترکوه)

یعنی میں تو ایک انسان ہوں درست اور غلطی (اجتہاد میں) دونوں کرتا ہوں' آپ میری رائے میں دیکھا کریں کہ جو بات قرآن وحدیث کے موافق ہو اس کو لے لو اور جو خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔

(جلب المنفعۃ ص68 واعلام الموقعین ص......ج2)

(۳)امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

(نهی عن التقلیده وتقلید غیره) (حجۃ اللہ البالغہ ص155ج1)

یعنی امام شافعی نے اپنی اور کسی اور کی تقلید سے منع کیا ہے۔

(۴)امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

(لاتقلدونی ولاتقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولاغیرهم وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة) (حجۃ اللہ البالغہ ص157ج1)

یعنی میری تقلید کرنا نہ ہی مالک واوزاعی ونخعی وغیرہ کی کرنا اور احکام کو وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے اخذ کیے ہیں یعنی قرآن وسنت سے۔

کیا اسلام میں فرقہ بندی جائز ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب قرآن سے نفی میں ملتا ہے۔ارشاد ربانی ہے کہ

(وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا) (آل عمران:103)

اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی (ہدایت) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو۔

(اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا) (الشوریٰ:13)
دین کو قائم رکھنااوراس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

ان ارشاد ربانی کے باوجود مسلمانوں میں تفرقے قائم ہوئے' مگران گروہوں اور دھڑے بندیوں نے تکمیل دین کے بعد جنم لیا' کیونکہ جب تک ائمہ اربعہ پیدا نہیں ہوئے تھے' تب تک ان کے مقلدین کا وجود نہ تھا' اور فرقہ پرستی کی ابتداء نصوص سے اعراض اور تاویل سے ہوتی ہے' جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

(وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ) (البینۃ:4)
اوراہل کتاب جو فرقوں میں تقسیم ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آجانے کے بعد ہوئے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ اہل کتاب میں دلائل کے نزول (وحی) کے زمانہ میں اختلاف نہ تھا' اختلاف اس کے بعد ہوا جب انہوں نے خواہش وہوائے نفس کی پیروی کی ارشاد ربانی ہے کہ

(فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَاتَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)(ص:26)
تو لوگوں کے درمیان انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکادے گی۔

خواہش کی پیروی نہ کرنا' کیا مراد؟ آیت کا مطلب واضح ہے کہ انسان اپنے دل میں پہلے سے ایک مؤقف باندھ لے پھر اس کی پیروی کرے اور قرآن وسنت سے دو، اذکار دلائل کی تلاش کرے جیسے حنفیہ ہمیشہ قرآن وحدیث میں تاویل بلکہ تحریف تو کرتے ہیں مگر فقہ حنفی میں تاویل نہیں کرتے' یہی خواہش کی پیروی ہے اور اسی چیز سے فرقہ جنم لیتا ہے' مگر ہمارے مہربان ان تمام چیزوں سے چشم پوشی اختیار کر کے کہتے ہیں کہ کیا یہ حنفی شافعی' اگر اسلام کی قسمیں نہیں تو کیا کفر کی اقسام ہیں؟ (تحفہ اہل حدیث ص64)
الجواب:- اولاً:- کیا آپ کے نزدیک ناجائز وممنوع صرف وہی اشیاء ہیں جو کفر کی اقسام میں سے ہیں' اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر اس سوال کی معقولیت پر مکرر غور کیجیے کہ آپ کیا ارشاد فرما

رہے ہیں۔

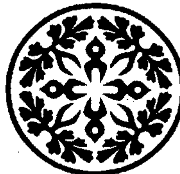
(۲) آپ نے جن مسائل پر گفتگو کی ہے یا جن مسائل میں آپ نے اہل حدیث میں اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو کیا یہ کفر کی قسمیں ہیں' اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر آپ کے پاس اس کے رد کا کیا جواز ہے؟

(۳) ہم صاف اور دوٹوک کہتے ہیں کہ تقلید دین اسلام میں ایک خطرناک بدعت ہے' اور یہ چاروں طریق بدعی ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا

(۴) رہا آپ کا یہ کہنا کہ تقلید کے رد میں سعودیہ میں بھی ایک اشتہار الخ

بھائی اس کی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ تقلید کے رد میں متعدد عربی کتب ہیں جو شائع ہو چکی ہیں' اور خصوصاً سعودیہ میں بھی تقلید کا رد کرنے والے موجود ہیں' علاوہ ازیں آپ پہ واضح ہو کہ حنبلی مکتب فکر صرف تقلید کا نام ہی لیتا ہے مگر حقیقت میں یہ لوگ قرآن وسنت کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے امام کے اقوال کو نصوص کے تابع رکھتے ہیں' اگر اعتبار نہ ہو تو مولوی حسین احمد مدنی کی تالیف۔ شہاب ثاقب ص62 کا مطالعہ کر لینا۔

الغرض مقلدین میں سے سب سے زیادہ سنت سے محبت حنبلی مکتب فکر کو ہے' وہ کسی نص میں نہ تاویل کرتے ہیں اور نہ ہی عقائد میں مؤول ہیں۔



فصل دوم

ہم اہل حدیث کیوں ہیں؟

اہل حدیث ایک وصفی نام ہے اور وصفی نام جو شریعت کی روح کے مطابق ہو رکھنا جائز ہے۔ جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہے' حفاظ قرآن کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

((یااھل القران اوتروافان اللہ وتر یحب الوتر))

"یعنی اے اہلِ قرآن وتر پڑھو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے"۔

(ابوداؤد مع عون ص533ج۔1وترمذی مع تحفہ ص336ج1ونسائی ص199ج1وابن ماجہ ص83(1170)وابن خزیمہ ص137ج2(1067)وبیہقی ص468ج2ومستدرک حاکم ص300ج1)

اس حدیث میں جن لوگوں کو اہل القرآن کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے وہ مسلمان ہی تھے۔ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ

﴿ھو سماکم المسلمین من قبل وفی ھذا﴾

(الحج: آیت78)

"یعنی اس نے تمہارا نام قرآن اور پہلی کتابوں میں مسلمان رکھا ہے"۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان مسلمان حفاظ کو اہل القرآن کے لقب سے مخاطب کیا' خود اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اہل الکتاب کے نام سے خطاب فرمایا' عیسائیوں کو

﴿اھل الانجیل﴾ (المائدہ:47)

کہا ہے' حالانکہ سورہ الحج کی مذکورہ آیت اور دیگر شرعی دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان لوگوں کا نام بھی مسلمان ہے۔ اہل کتاب' اہل انجیل' وغیرہ ان کے وصفی نام ہیں۔

جس سے ثابت ہوا کہ وصفی نام رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اہل حدیث کی وجہ تسمیہ :- خیر القرون سے اہل بدعت کے مقابلہ میں اہل حدیث اور اہل سنت کا نام معروف تھا۔ ملحوظ رہے کہ اہل سنت اور اہل حدیث مترادف الفاظ ہیں ' البتہ اہل حدیث کا نام رکھنے کی ایک معقول وجہ یہ تھی کہ حدیث کا لفظ قرآن و حدیث پر مشترکہ بولا جاتا ہے ' جیسا کہ متعدد مقامات پر اللہ نے قرآن کو حدیث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورہ الزمر آیت 23 ' سورۃ الطور آیت 33,34 ' سورۃ القلم آیت 44 ' سورۃ النجم آیت 59,60 ' سورۃ الاعراف آیت 185 ' سورۃ الکھف آیت 6 ' وغیرہ آیات بینات کے علاوہ خود رسالت مآب علیہ السلام نے کتاب اللہ پر ' حدیث کا لفظ بولا ہے۔

(صحیح مسلم ص 284 ج 1)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے قول کو بھی "حدیث" کے لفظ سے بیان فرمایا ہے ' ابن ماجہ ص 6 ' وابن حبان ص 236 ج 1 ' وابوداؤد ص 515 ج 2 " ان دلائل شرعی سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث کا معنی ہے ' قرآن اور فرمان نبویؐ پر عمل کرنے والا ' ہمارے بھائی کو اس جگہ پر زبردست ٹھوکر لگی ہے ' بھولے پن سے ارشاد فرماتے ہیں کہ

حدیث صحیح بھی ہوتی ہے ' ضعیف بھی ' حسن بھی ' مرسل بھی ' معضل بھی ' منقطع بھی ' مرفوع بھی ' موقوف بھی ' مقطوع بھی ' اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اقسام ہیں ' پتہ نہیں کس کو مانتے ہیں ' صحیح اہل حدیث یا ضعیف اہل حدیث ' مرسل اہل حدیث یا حسن اہل حدیث موقوف اہل حدیث ہیں یا مقطوع اہل حدیث۔

(تحفہ اہل حدیث ص 53 ')

بھائی غصہ تھوک دیجیے یہ انسان کو علم سے کورا کر کے خبطی کر دیتا ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ جس قدر آپ نے مذکورہ اقسام بیان کی ہیں یہ فرمان نبوی

علیہ التحیۃ والسلام کی قسمیں ہیں' یا اسناد کی ہیں؟

اگر اسناد کی ہیں' یقیناً اسناد کی ہیں' تو آپ کا اعتراض ہی فضول اور تعصب کی پیدائش ہے جس کی جہالت نے آبیاری کی ہے اور بغض نے کھودا ہے' نصرۃ العلوم نے کھاد کا کام دیا ہے اور حافظ ارشد نے بے علمی کی سپرے کر کے عوام الناس کو مغالطہ دیا ہے۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے' خصوصاً دیوبندیت کی وبا سے۔

شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ ضعیف و مرسل وغیرہ آپ ہیں۔ کیونکہ مرسل آپ کے نزدیک حجت ہے جو ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔ بلکہ اگر مؤلف "تحفہ اہل حدیث" یہ دعویٰ کر دے کہ اصل اہل حدیث میں ہوں کیونکہ میں نے دو احادیث وضع کی ہیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

سلفی واثری کی وجہ تسمیہ: -امام سمعانی نے اپنی معروف تصنیف "کتاب الانساب" میں مادہ' الاثری کے تحت لکھا ہے کہ

هذه النسبة الى الاثر يعنى الحديث واهله واتباعه وانتسب بهذه النسبة ابوبكر سعد بن عبدالله بن على الاثرى الطوفى المولودسنه 413ھ المتوفى 490ھ ـ

یعنی امام ابو بکر المتوفی 490ھ اپنے کو مذہب اہل حدیث کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اثری کہلاتے تھے' کیونکہ اثری کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کی پیروی واتباع کرنے والا۔ (الانساب سمعانی ص114ج1)

اس سے ثابت ہوا کہ اہل الاثر اور اہل الحدیث دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسی طرح علامہ سمعانی نے لفظ سلفی کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ مذہب سلف کی طرف منسوب ہے۔

(الانساب ص167ج2)

شخصی نسبت: - مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وصفی نام کتاب اللہ کی طرف

نسبت کر کے رکھنا جائز ہے مگر قرآن و سنت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی امتی کی طرف نسبت کر کے وصفی نام رکھا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کے سانحہ کے بعد جب امت مرحومہ میں فتنہ وفساد اور گروپ بندی نے جنم لیا تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ آپ علوی ہیں؟ یا عثمانی؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ

((لست علی ملة علی ولاملة عثمان بل اناعلی ملة رسول الله ﷺ))

یعنی میں نہ علیؓ کی ملت پر ہوں اور نہ ہی عثمانؓ کی ملت پر بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کی ملت پر ہوں۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص174ج4)

انہیں حقائق کی بنا پر اہل حدیث کسی شخصی نسبت کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ

(ومن المعلوم ان الله تعالیٰ ماکلف احداان یکون حنفیااومالکیا اوشافعیااوحنبلیا بل کلفهم ان یعملوابالسنة)

یعنی یہ ظاہر و باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ تکلیف نہیں دی کہ حنفی، شافعی، مالکی، یا حنبلی بنے بلکہ سب بندوں کو اس کا مکلّف بنایا ہے کہ وہ سنت نبویہ علیہ التحیۃ والسلام پر عمل کرے۔

(شرح عین العلم ص326 طبع عامرہ استنبول وانتصار الحق ص238)

اعتراض:۔ بعض صحابہ کرام علوی اور بعض صحابہ کرام عثمانی کہلواتے تھے۔ (بخاری ص 433ج1)۔

اگر حنفی شافعی نسبت غلط ہے اور غیر نبی کی طرف ہے تو حضرت علی اور حضرت عثمان، جن کی طرف صحابہ نے نسبت کی ہے وہ بھی تو امتی تھے وہ کونسے نبی تھے، تو وہ کیسے ٹھیک ہو گئی؟ (تحفہ اہل حدیث ص56)

الجواب:۔ اولاً:۔ بخاری میں یہ قطعاً نہیں کہ بعض صحابہ علوی اور بعض عثمانی کہلواتے

تھے۔ یہ مؤلف کا افترا ہے۔ اگر یہ بخاری سے دکھادیں تو انہیں ہم انعام میں بخاری کا ایک نسخہ دیں گے ان شاء اللہ۔

غالباً بخاری سمجھنے کی مؤلف میں لیاقت نہیں ورنہ ایسا دعویٰ نہ کرتے۔

ثانیاً: جھنگوی صاحب بار بار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام معیارِ حق ہیں' (تحفۂ اہل حدیث ص53) اگر بالفرض یہ بات تسلیم کرلی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ حضرات 'معیار حق' کو ترک کر کے حنفی پھر دیوبندی کیوں بنے ہیں؟ عثمانی یا علوی کیوں نہیں کہلاتے؟

ثالثاً: آیئے ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ بخاری میں کیا ہے اور مؤلف (تحفہ اہل حدیث) اس سے کیا مغالطہ دے رہا ہے۔ معروف تابعی سعد بن عبیدۃ سلمی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ

(عن ابی عبدالرحمن و کان عثمانیافقال لابن عطیة و کان علویا)

یعنی عبدالرحمٰن سلمیؒ جو عثمانی تھے انہوں نے ابن عطیہ علوی سے کہا (بخاری ص433ج1)

ان الفاظ کی شرح میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

(کان عثمانیا یقدم عثمان علی علی فی الفضل وکان علویااى یقدم علیافی الفضل علی عثمان)

یعنی عثمانی سے مراد یہ ہے کہ وہ عثمانؓ غنی کو علیؓ سے افضل جانتے تھے اور علوی سے مراد یہ ہے کہ وہ علیؓ کو عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔ (فتح الباری ص143ج6)

علوی و عثمانی کا یہی مفہوم مولانا احمد علی سہارنپوری نے بخاری کے حاشیہ بین السطور میں بیان کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے بعض لوگ انہیں علوی وعثمانی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ مگر ہمارے مہربان اس سے یہ کشید کررہے ہیں کہ وہ ازخود اپنے کو علوی و عثمانی کہتے تھے 'انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ غلط بیانی کی کہ ان کو صحابہ باور کرایا ہے۔

حالانکہ ابوعبدالرحمٰن سلمی (عبداللہ بن حبیب) صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ تقریب

170 اور ابن عطیہ کا نام حبان بن عطیہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کا بخاری میں ذکر تو آیا ہے مگر ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے اور نہ ہی کوئی جرح یا تعدیل مل سکی ہے۔

(تھذیب ص 151 ج2)

گویا موصوف مجھول الحال ہیں۔ مگر کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مؤلف "تحفہ اہل حدیث" ان مجھول اور تابعین کو صحابی کہتا ہے۔

غلط بیانی علماء کی شان نہیں۔ آپ اہل حدیث سے علمی اختلاف کا حق رکھتے ہیں یہ ہم آپ سے نہیں چھینتے، مگر اپنی تقلیدی نسبت پر دلائل دینے کے لیے ضروری تھا کہ یہ شائبہ جھوٹ سے مبرا اور صداقت و دیانت پر مبنی ہوتے، غالباً آپ اہل حدیث کی عداوت میں علمی حد سے گزر کر بغض و تعصب اور عداوت تک آ چکے ہیں۔ یہ ایسے لاعلاج امراض ہیں کہ انسان سے قوت حیا کے علاوہ امانت و دیانت اور سچائی جیسی نعمتوں کو سلب کر کے اندھا و بہرا بنا دیتا ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو ان سے بچائے۔ آمین یا الہ العلمین

رابعاً: ممکن ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث یہ جھوٹا بہانہ تلاش کر لے کہ چلو صحابہ نہ سہی تابعی ہی سہی، لیکن اس سے خیر القرون سے شخصی نسبت تو بہر حال ثابت ہوتی ہے۔ جواباً عرض ہے کہ خیر القرون کا تعامل بھی صرف وہی حجت ہے جو بلا نکیر ہو جس پر اعتراض ہو چکا ہو وہ بہر حال لائق دلیل نہیں۔

قدامت اہل حدیث

فرماتے ہیں کہ انگریز کے دور سے پہلے منکر فقہ اہل حدیث نام کا فرقہ پوری کائنات میں نظر نہیں آتا، چلو کسی حدیث میں دکھا دیں کہ منکر فقہ کو اہل حدیث کہا جاتا ہو۔

(تحفہ اہل حدیث ص 52)

الجواب: اولاً: بھائی فقہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر تو فقہ حنفی کے ابواب الحیل ہیں تو اس کے ہم یقیناً منکر ہیں۔ اگر فقہ سے مراد آپ کی 'دین کی سمجھ ہے' تو اس کے ہم قطعاً منکر نہیں۔

یہ آپ کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: کیا آپ قرآن کی کسی آیت یا حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اہل سنت امام ابو حنیفہ کے مقلدین کے گروہ حیاتی دیوبندیوں کو کہتے ہیں ؟اگر آپ ایسی حدیث دکھادیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دینے کے علاوہ یہ تسلیم کرلیں گے کہ حنفیوں کا حیاتی دیوبندی گروہ اہل سنت میں داخل ہے۔

اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکیں تو جناب اپنے ہی بنائے ہوئے اصول سے "اہل سنت" سے خارج ٹھہرتے ہیں۔

صحابہ کرام اہل حدیث تھے:۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مقلد نہ تھا۔ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی وغیرہ سب ان کے بعد کی ایجادیں ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس جب کوئی نوجوان طلب حدیث کے لیے جاتا تو فرماتے

(مرحبا بوصية رسول الله ﷺ امرنا رسول الله ﷺ ان نوسع لكم فى المجلس وان نفهمكم الحديث فانكم خلوفنا واهل الحديث بعدنا)

یعنی تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت مبارک ہو' ہمیں آنحضرت ﷺ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لیے اپنی مجالس میں کشادگی کریں اور تمہیں احادیث سمجھائیں۔ تم ہی ہمارے خلفاء ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔

(شرف اصحاب الحدیث ص 12 سند ضعیف ہے۔)

حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ

(أية ارض تقبلنى واى سماء تظلنى ان قلت فى كتاب الله برأيى)

اگر میں قرآن کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے وقیاس سے کروں تو مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ کرے گا۔

(اعلام الموقعین ص 44 ج 1 والاحکام ص 42 ج 6)

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ

(اتقوا الرأی فی دینکم)

یعنی دین حق میں رائے وقیاس کو دخل دینے سے بچو۔ (الاحکام ص42ج6)

(ایاکم واصحاب الرای فانهم اعداء السنن اعیتهم الاحادیث ان یحفظوها فقالوا بالرأی فضلوا وأضلوا)

یعنی تم لوگ اہل الرائے سے بچ کر رہا کرو کیونکہ یہ لوگ سنت نبویہ کے دشمن ہوتے ہیں۔اور اہل الرای حدیث نبویہ کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے رائے وقیاس سے فتوے دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے یہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص42ج6' واعلام الموقعین ص55ج1)

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

(لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاه وقد رایت رسول الله ﷺ یمسح علی ظاهر خفیه)

یعنی اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے اوپر مسح کرنے کی بجائے نیچے مسح کرنا بہتر ہوتا مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر ہی مسح کرتے تھے۔

(ابوداود مع عون ص63ج1)

تابعین بھی اہل حدیث تھے:- صحابہ کرام کے بعد امت مرحومہ کا امین گروہ تابعین کرام بھی اہل حدیث ہی تھا۔کوئی تابعی حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی نہ تھا' نہ ہی وہ کسی کی رائے وقیاس کو قرآن وسنت سے بالا اور فائق جان کر اس کی تقلید کرتے تھے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالمالک نے حضرت امام زہری سے پوچھا

(این انتم اصحاب الحدیث)

اہل حدیثو تم کہاں تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص 110 ج 1)

اما شعبی نے اپنے شاگرد عامر کو ایک موقع پر کہا تھا کہ

(امض بنا نفرمن اصحاب الحدیث)

اہل حدیث کا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہیے۔ (ایضاً ص 87 ج 1)

امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اعمش اور علاء بن عبدالرحمٰن اہل حدیث تھے۔

(المعارف ص 230,231)

ابن عمار فرماتے ہیں کہ عبدالمالک' عاصم الاحوال' عبیداللہ بن عمر اور یحییٰ بن سعید انصاریؒ کوفہ اور مدینہ کے اہل حدیث کے ترازو ہیں۔ (تاریخ بغداد ص 105 ج 14)

اتباع تابعین بھی اہل حدیث تھے:۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان کے اور اہل حدیث زمین کے چوکیدار ہیں۔ (شرف اصحاب الحدیث ص 65)

امام مسلم فرماتے ہیں کہ

ایوب سختیانی' ابن عون' مالک بن انس' شعبہ' یحییٰ بن سعید قطان' عبدالرحمٰن بن مہدی اور ان کے بعد آنے والے اہل حدیث تھے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص 23)

اتباع تبع تابعین

اتباع تابعین کے بعد کا دور تدوین حدیث کا اہم دور تھا۔ جس میں بڑے بڑے آئمہ حدیث موجود تھے۔ مثلاً امام شافعی' امام علی بن مدینی' امام احمد بن حنبل' امام ابن معین' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوزرعہ' امام ابوداود' امام داؤد ظاہری' امام ابوحاتم' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن خذیمہ' وغیرہ تمام کے تمام اہل حدیث تھے۔ اور اپنے اپنے دور میں اہل حدیث کے امام و سردار تھے۔ یہ بزرگ ہستیاں اپنے اندر ایک مستقل جماعت و انجمن تھے۔ خالص کتاب و سنت کے پیروکار اور داعی تھے۔ وہ بلاشرکت غیر ان پر عمل کرتے اور اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔

ان کی تدوین کردہ کتب آج بھی مارکیٹ سے مل سکتی ہیں۔ بعض عربی میں ہیں تو بعض کے تراجم بھی چھپ چکے ہیں' ان کا مطالعہ کیجیے اور ان لوگوں کی سنت سے محبت وعقیدت کا اندازہ لگائیے۔ یہ پہلے ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ اس کے نیچے فرمان نبوی نقل کرتے جاتے ہیں کہیں آپ کو اقوال الرجال اور رائے قیاس کی بو نہ آئے گی۔ کسی مقام پر یہ لوگ سنت سے الجھتے ہوئے دکھائی نہ دیں گے۔ ہاں وہ بشر تھے ممکن ہے کہ کسی جگہ وہ عنوان قائم کرنے میں غلطی کا شکار ہوئے ہوں مگر قاری کو پڑھنے اور عمل کے لیے جو نسخہ شفا دیتے ہیں وہ سنت سے دیتے ہیں۔

یہی اہل حدیث کا مذہب وموقف ہے۔

ایک مستقل مکتب فکر:۔ جھنگوی صاحب نے اس حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ آپ کو زبردست ٹھوکر لگی ہے' یا لگادی گئی ہے۔ کتابوں میں مؤرخین کے بارے میں اہل تاریخ کا لفظ استعمال ہوتا ہے' مفسرین کے لیے اہل تفسیر کا لفظ آتا ہے' اسی طرح محدثین کے لیے اہل حدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کے لیے نہیں۔ آپ کسی حدیث شریف میں یا شرح حدیث میں دکھادیں کہ

فقہ کے منکر کو اہل حدیث کہا گیا ہو۔ (تحفہ اہل حدیث ص 51)

پہلے تو آپ کا یہی جھوٹ ہے کہ کتب عقائد وفقہ میں جہاں شارحین حدیث اختلاف مذاہب بیان کرتے ہیں' وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ 'اہل تاریخ کا یہ عقیدہ ہے یا اس مسئلہ شرعی میں اہل تفسیر کا یہ مؤقف ہے۔ آپ کسی مستند کتاب سے اس پر صرف ایک ہی حوالہ نقل کردیں۔ مگر ایسا قطعاً ممکن نہیں۔ اس بات کی پرزور تردید تو آگے آرہی ہے ۔سردست ہم آپ پر اتمام حجت کے لیے ایک دیوبندی عالم مولانا مفتی رشید احمد صاحب کا قول عرض کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزوی مسائل کے

حل کرنے میں اختلاف انظار کے پیش نظر پانچ مکاتب فکر قائم ہو گئے۔ یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لے کر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔ (احسن الفتاویٰ ص316 ج1 و مودودی اور تخریب اسلام ص20)
دیکھیے مولانا کتنی وسعت اور روشن خیالی سے حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ انہیں اہل تاریخ اور اہل تفسیر کے ساتھ ملا رہے ہیں۔

بھائی اگر اہل حدیث کا معنی یہ ہے جو حدیث بیان کرے تو اہل فقہ کا معنی یہ ہو گا کہ جو فقہ بیان کرے اور حنفی کا معنی ہو گا جو حنفی آئمہ کے اقوال تحریر تو کرے مگر اس پر عمل نہ کرے۔ سبحان اللہ آپ جیسے عالم دنیا میں مزید پیدا ہو گئے تو پھر قیامت قریب ہے۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ کسی کتاب سے منکر فقہ کا نام اہل حدیث دکھادو۔ حالانکہ ہم متعدد بار صراحت کر چکے ہیں کہ ہم فقہ کے قطعاً منکر نہیں' یہ آپ کی زیادتی ہے۔ آپ کا مطالبہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کو کہا جائے کہ منکر حدیث کا نام اہل فقہ ثابت کرو۔
آپ کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ

ان لوگوں کا طرز عمل یہ ہوا کہ اول کتاب اللہ دیکھتے اگر اس میں حکم نہ ملتا تو حدیث دیکھتے' اگر اس سے بھی اطمینان نہ ہوتا تو فتویٰ صحابہ و تابعین کا دیکھتے۔ اگر کہیں سے حکم نہ ملتا تو بناچاری قیاس کرتے یہ ابتدا ہے اہل حدیث کی' ہر چند کہ اس وقت دو فریق ہو گئے تھے۔ اہل تخریج و اہل حدیث۔ لیکن ان میں کوئی معاندت یا مخاصمت نہ تھی بلکہ اکثر اہل حدیث سے اہل تخریج کو کوئی حدیث اپنے مذہب کے مخالف پہنچتی اپنا مذہب ترک کرتے ایسے ہی اہل حدیث کو اگر کوئی اپنی رائے کا مخالف ہونا صحابہ یا تابعین کے ساتھ معلوم ہوتا وہ اس کو ترک کرتے' اور ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرتا اور اپنے کام کو خدمت دین سمجھ کر انجام دیتے (امداد الفتاویٰ ص296 ج5) ملخصاً
دیکھیے مولانا تھانوی اہل حدیث کو ایک مستقل مکتب فکر تسلیم کرتے ہیں اور انہیں قائلین فقہ میں شمار کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی رائے و قیاس پر صحابہ و تابعین کی رائے کو مقدم رکھنے کا اہل

حدیث کا دستور بیان کرتے ہیں۔

شارحین حدیث کی گواہی:

متقدمین کی کوئی بھی شرح حدیث کی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجیے امت مرحومہ کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا مؤقف بھی بیان کرتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک شروح حدیث میں امام ابن عبدالبر کی' التمہیدلمافی الموطا من المعانی والاسانید 'قدیم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے وہ تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے اہل حدیث کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔

(۱) امام اگر نسیان وغیرہ سے بغیر طہارت کے نماز پڑھادے تو مقتدیوں کی نماز ہوجائے گی یا نہ ہوگی۔اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وبهذاقال جمهور فقها الامصار واهل الحديث)

یعنی جمہور فقہا اور اہل حدیث کا مؤقف ہے کہ مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(التمہید ص183ج1)

(۲) حنفیہ کا مؤقف ہے کہ خمر فقط وہی ہے جو انگور کے شیرہ سے تیار کی جائے جبکہ جمہور امت کے نزدیک خمر (شراب) کی تعریف یہ ہے کہ جو عقل کو خراب کردے اور یہ ہر مسکر شراب کا نام ہے خواہ انگور سے ہو یا کسی اور چیز سے' اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وقال اهل المدينة وسائراهل الحجاز وعامة اهل حديث وأئمتهم ان كل مسكرخمر حكمه حكم خمر العنب)

یعنی اہل مدینہ اور تمام حجازی علماء اور عام اہل حدیث اور ان کے آئمہ کے نزدیک ہر مسکر (شراب) خمر ہے اور اس کا حکم انگور کے شراب جیسا ہے۔(التمہید ص246ج1)

(۳) بلی کے جھوٹے پانی کی طہارت و نجاست پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام

مالک اور اہل مدینہ 'امام لیث بن سعد اور اہل مصر سے ان کے موافقین 'شام سے امام اوزاعی 'اہل عراق سے سفیان ثوری 'امام شافعی اور ان کے تلامذہ 'امام احمد بن حنبل 'امام اسحاق 'امام ابو ثور 'امام ابو عبید و جماعت اصحاب الحدیث اور اہل حدیث کے نزدیک بلی کا جھوٹا پانی پاک ہے۔ (التمہید ص325ج1)

(۴) مرسل کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اثر میں انقطاع کا ہونا اس پر وجوب عمل کی ممانعت پر علت ہے '

(وقال سائراهل الفقه وجماعة اصحاب الحديث فى كل الامصار فيما علمت)

یعنی تمام فقہا اور جماعت اہل حدیث کے تمام لوگوں کا یہی مؤقف ہے۔ (التمہید ص5ج1)

(۵) مجہول آدمی کی روایت کے عدم قبول کے مؤقف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(ومارايت احداً من اهل الحديث يخالف هذا المذهب)

یعنی میں نے مجہول آدمی کی روایت کو قبول نہ کرنے کے مخالف کسی ایک بھی اہل حدیث کو نہیں دیکھا۔ (التمہید ص39ج1)

ہم نے صرف ایک ہی پہلی جلد سے نشان دہی کروائی ہے۔ اگر امام ابن عبدالبر کے اس طرح کے اقوال کو جمع کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم صرف نیچے مختصر جلد و صفحات کی نشان دہی کرواتے ہیں جہاں اختلاف مذاہب بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا مؤقف بھی بیان کیا ہے۔

جلد دوم ص5'137'176'315'304'349'

جلد سوم ص40'53'104'188'237'275'64'75'163'264'154

جلد چہارم ص314'109'162'37'251'289'336

جلد پنجم ص115'239'210'11'42'268

جلد ششم ص69'96'18'206'261'438'445'449'339'416'472'488'

جلد ہفتم ص13‘33‘172‘51‘148‘83‘

جلد ہشتم ص176‘171‘412‘107‘411‘377‘

جلد نہم ص 161‘165‘79‘243‘252‘164‘170‘184‘238‘229‘

220‘110‘213‘216‘249

جلد دہم ص51‘121‘122‘225‘243‘254‘53‘72‘123‘

جلد نمبر یازدھم: ص137‘11‘24‘48‘200‘221‘

جلد نمبر دوازدھم: ص127‘72‘129‘251

جلد نمبر سیزازدھم: ص80‘188‘274‘321‘349‘284‘

جلد نمبر چہاردھم: ص58‘14‘301‘13‘

جلد نمبر پنج دھم: ص20‘43‘44‘

جلد نمبر شش دھم: ص341‘273‘293‘294‘

جلد نمبر ہفت دھم: ص426

جلد نمبر ہشت دھم: ص202‘283‘277‘

جلد نمبر نوزدھم: ص37

جلد نمبر بیست وسہ: ص338‘258

جلد نمبر بیست وچہار: ص242

مؤلف تحفۂ اہل حدیث کو کھلا چیلنج

جو شخص مذاہب پر لکھی ہوئی کتب کا مطالعہ کرتا ہے یا فقہ اور شروح احادیث کو براہ راست پڑھتا ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں کہ آئمہ دین اختلاف مذاہب بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا نقطہ نظر بھی بیان کرتے ہیں۔

ہم پوری ذمہ داری اور اپنے دین وایمان کی محکمی سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ

جھنگوی صاحب دنیا میں کسی مسلمان محقق کی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ جس نے اپنی تالیف میں اختلاف مذاہب کا التزام کیا ہو' وہ مسلک محدثین یعنی اہل حدیث کے مؤقف کو بیان نہ کرے۔ جھنگوی صاحب سر توڑ کوشش کر کے اور مبتدعین دیابنہ کی رد اہل حدیث میں سرگرم پوری ٹیم کو ساتھ ملا کر کسی کتاب کی نشان دہی کریں۔ یہ راقم اپنے قصور علم کے باوجود ثابت کر دے گا کہ فلاں فلاں مقام پر اس نے اہل حدیث کا مذہب بیان کیا ہے۔
اس کے باوجود اگر جھنگوی صاحب انکار پر ہی اصرار کریں تو ایسے ضدی کا کوئی علاج نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام عبداللہ بن مبارک کی گواہی

حضرت امام عبداللہ بن مبارک متوفی 181ھ فرماتے ہیں کہ

الدین لاهل الحدیث والکلام والحیل لاهل الرای والکذب للرافضة

یعنی دین (اسلام) اہل حدیث کے پاس ہے۔ باتیں بنانا اور حیلہ سازی کرنا اہل الرائے کی عادت ہے اور جھوٹ بولنا رافضیوں کا کام ہے۔

(المنتقی من منہاج الاعتدال ص480)

اکابر احناف کی شہادت:۔

فقہ حنفی کی کوئی بھی مبسوط کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے اس میں جگہ جگہ اس کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ اہل حدیث کا مذہب ہے' یہ دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ آیئے ہم آپ کو ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی بھی کرا دیتے ہیں۔

علامہ تفتازانی متوفی 758ھ بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ

(وعلیه عامة اهل الحدیث والشافعیة)

یعنی اس پر عام اہل حدیث اور شافعیہ بھی ہیں۔ (التلویح ص354 طبع نول کشور 1292ھ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

وعندبعض اهل الحدیث یوجب العلم لانه ولاعمل الاعن علم

یعنی عمل علم کی فرع ہے۔جب علم ہی نہ ہو تو عمل کیسے ہو گا۔اس لیے اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ خبر واحد سے علم اور یقین حاصل ہو گا۔(تلویح ص304)

فخر الاسلام حنفی متوفی.......... فرماتے ہیں کہ

قال بعض اهل الحديث يوجب علم اليقين لما ذكرنا انه وجب العمل ولاعمل من غير علم وقد وردالاحاد احكام الاخرة مثل عذاب القبر رؤية الله تعالىٰ بالابصار ولاحظ لذالك الاالعلم

یعنی بعض اہل حدیث نے کہا ہے کہ خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔کیونکہ جب عمل واجب ہے تو عمل علم کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔اور آحاد میں عذاب آخرت اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا مقصد علم اور اعتقاد ہی تو ہے۔ (اصول البزدوی ص154 بحث خبر آحاد،طبع نور محمد کراچی)

اس کے تحت علامہ عبدالعزیز بخاری متوفی.......... فرماتے ہیں کہ

ذهب اكثر اهل الحديث الى ان الاخبار التى حكم اهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين بطريق الضرورة وهومذهب احمدبن حنبل

یعنی اہل حدیث اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جن احادیث کو آئمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔ (کشف الاسرار ص291ج2)

حاجی خلیفہ کاتب چلپی حنفی متوفی 1067ھ نے اصول فقہ کے تذکرہ میں امام علاؤالدین حنفی کی کتاب'میزان الاصول سے نقل کیا ہے کہ

واكثر التصانيف فى اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفين لنافى الاصول ولاهل الحديث المخالفين لنافى الفروع ولااعتماد على تصانيفهم

اکثر و بیشتر اصول فقہ پر کتابیں اہل حدیث اور معتزلہ کی ہیں۔اہل حدیث فروع میں ہمارے مخالف ہیں اور معتزلہ اصول میں'لہٰذا ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(کشف الظنون ص110ج1'وابجد العلوم ص71ج2)

علامہ ابن ھمام شرح ھدایہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

حکمهم عندجمهور الفقهاء وجمهور اهل الحديث حكم البغاة وعند مالك يسفتابون فان تابوا والاقتلوا دفعا لفسادهم لا لكفر هم وذهب بعض اهل الحديث الى أنهم مرتدون لهم حكم المرتدين

یعنی جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک ان لوگوں سے توبہ کروائی جائے۔اگر توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ انہیں فساد ختم کرنے کی غرض سے قتل کردیا جائے اور یہ قتل ان کے کفر کے سبب نہ ہوگا۔ اور بعض اہل حدیث کاموقف ہے خوارج مرتد ہیں اور ان کے لیے مرتدین کا حکم ہے۔(فتح القدیر ص334ج5 کتاب السیر باب البغاۃ'یہی مؤقف علامہ ابن نجیم نے 'کنز' کی شرح البحر الرائق ص140 ج 5)میں اہل حدیث کا بتایا ہے۔اور علامہ شامی نے فتاویٰ شامی ص262ج4میں نقل کیا ہے۔

علامہ قرشی حنفی متوفی 775ھ فرماتے ہیں کہ

(وقال كثيرمن اصحاب الحديث انه يقع على من لقى الرسول وسمع منه شيئا ولومرة)

اور بہت سے اہل حدیث نے کہاہے کہ جسے ایک بار بھی لقاء وسماع نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہواہے وہ صحابی ہے۔ (الجواہر المضیہ ص411ج2)

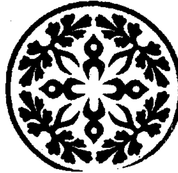
ملا علی القاری حنفی متوفی 1014ھ شرح فقہ اکبر میں ایمان کی بحث میں فرماتے ہیں کہ

قال ابوحنيفة وسفيان الثورى ومالك والاوزاعى والشافعى واحمدوعامة الفقهاء واهل الحديث

یعنی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ'امام سفیان ثوری'امام مالک'امام اوزاعی'امام شافعی'امام احمد اور عام فقہاء اور اہل حدیث کامسلک وفتویٰ یہی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص143)

<u>ڈھیر سے مٹھی بھر:-</u> کی نشان دہی ہم نے کردی ہے اگر اس سلسلہ کی اکابر احناف کی

عبارات کا استیعاب کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم نے مزید کئی چیزیں بھی بیان کرنی ہیں ۔اور کتاب ہمارے اندازے سے پہلے ہی چار گنازیادہ ہو چکی ہے ۔لہٰذا ان ہی چند عبارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ہاں اگر ہم مجبور کر دیے گئے اور ضرورت پڑی تو اس سلسلہ کو ہم تفصیل سے بھی عرض کر دیں گے۔ان شاءاللہ



فصل سوم

کیا اہل حدیث اہل سنت سے خارج ہیں؟

جھنگوی صاحب نے چند مسائل کی نشاندہی کر کے لکھا ہے کہ

ان کے علاوہ اور بہت سارے مسائل ہیں جن میں اہل سنت اور غیر مقلد اہل حدیث کا خاصا اختلاف ہے۔ اہل سنت اور اہل حدیث ایک چیز کا نام کیسے بن گیا جبکہ حدیث اور سنت ایک چیز نہیں ہے۔ جس طرح اشارتاً یا صراحتاً گزر چکا ہے تو اہل سنت اور اہل حدیث بھی ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب:۔ اولاً :- اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ جھنگوی صاحب حدیث اور سنت کو دو متضاد الفاظ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

آیئے پہلے ان الفاظ کا معنی و مفہوم معلوم کر لیں۔

سنت کا لغوی معنی 'طریقہ' راستہ' خواہ اچھا ہو یا برا' (حلبی کبیر ص 13)

اور شرعی اصطلاح میں سنت کا مطلب رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((من رغب عن سنتي فليس مني))

یعنی جس نے میرے طریقہ پر چلنے سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں۔ الحدیث:۔

(بخاری ص 757 ج 2' مسلم ص 449 ج 1)

اس حدیث میں لفظ 'سنت' کا معنی مولانا سہارنپوری نے حاشیہ بخاری ص 758 میں طریقہ کیا ہے۔

قارئین کرام جب آپ نے سنت کے معنی کو جان لیا تو آیئے لفظ حدیث کا مفہوم بھی جان لیں۔ حدیث کا لغوی معنی بات ہوتا ہے۔ اور اصطلاح شرع میں اس کا اطلاق قرآن و حدیث پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اصطلاح حدیث میں اس کا کیا معنی ہے

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبدالرشید حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال' اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ خود قرآن کریم سے مستنبط ہے۔ امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص128)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں سنت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گو حدیث کالفظ سنت کے لفظ سے زیادہ وسیع اور اپنے اندر پھیلاؤ رکھتا ہے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کو ہم حدیث اور سنت کے دونوں الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جبکہ عذاب قبر کی احادیث وغیرہ کو ہم سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے سراپا کو حدیث تو کہہ سکتے ہیں لیکن سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ روزہ افطار کرنے کی مسنون دعا کو ہم حدیث اور سنت تو کہہ سکتے جبکہ احوال قیامت کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ کو حدیث کہیں گے سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سنت سے حدیث کالفظ زیادہ وسیع ہے جو اپنے اندر سنت کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

سنت کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے صرف عمل کا نام ہے اور یہ احادیث ان میں شامل نہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ استعمال عام میں حدیث اور سنت میں کوئی فرق نہیں "ملخصاً درس ترمذی ص31ج1)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث کے لفظ میں سنت کا مفہوم پایا جاتا ہے تو خود بخود اہل حدیث کا اہل سنت ہونا ثابت ہو گیا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ

(قال القاضی عیاض انمااراداحمد اهل السنة والجماعة ومن يعتقد مذهب اهل الحديث)

یعنی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی مراد اہلسنت والجماعت سے وہ جماعت مراد ہے جو (عملی اور) اعتقادی طور پر مذہب اہل حدیث پر گامزن ہے۔

(شرح مسلم ص143ج2)

مولانا مفتی کفایت اللہ حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔

(کفایت المفتی ص325ج1)

غیر مقلدین جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں اصولاً تو اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ (کفایت المفتی ص324ج1)

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اہل حدیث اہل سنت میں داخل ہیں۔

مبتدعین دیابنہ کا اہل حدیث سے اختلاف

جھنگوی صاحب نے چند مسائل کی نشاندہی بھی کی ہے کہ اہل سنت ان کے قائل ہیں۔ جبکہ اہل حدیث ان کے منکر ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسئلہ تقلید (۲) ایک مجلس کی تین طلاقیں (۳) احترام اولیاء (۴) صحابہ معیار حق ہیں (۵) صحابہ کا فعل بھی سنت ہے (۶) جمعہ کی پہلی اذان (۷) نماز کے بعد اجتماعی دعا (۸) فقہ (۹) عذاب قبر (۱۰) حیاۃ النبی ﷺ (۱۱) بیس اور آٹھ تراویح (۱۲) روضہ رسول کی زیارت (۱۳) سماع عند القبر (۱۴) بھینس کی قربانی (۱۵) گھوڑے کی قربانی (۱۶) نماز میں مصحف سے دیکھ کر تلاوت کرنا (۱۷) جنبی کا تلاوت کرنا (۱۸) خوشدامن سے بدکاری پر بیوی پر طلاق کا واقعہ ہونا (۱۹) روضہ رسول کا محترم ہونا (۲۰) جنازہ کو آہستہ پڑھنا (۲۱) رکوع کی رکعت کو شمار کرنا (۲۲) قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا (۲۳) منسوخ احادیث پر عمل نہ کرنا (۲۴) مغرب کی اذان کے بعد نوافل ادا نہ کرنا (۲۵) نماز میں عاجزی سے کھڑے ہونا (۲۶) مرد و عورت کی نماز کا فرق (۲۷) نابالغ امام نہیں ہو سکتا (۲۸) فاتحہ قرآن میں شامل ہے (۲۹) تہجد اور تراویح میں فرق ہے۔

جھنگوی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ اہل سنت کے مسائل ہیں جبکہ اہل حدیث کا موقف اس کے برعکس ہے۔

الجواب :- اولاً:- بھائی ان میں بعض مسائل کو تو آپ نے ہماری طرف غلط منسوب کیا ہے مثلاً مسئلہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۸ وغیرہ مسائل میں ہمارا وہ مؤقف نہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں اور آپ نے لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید سے نڈر ہو کر یہ افتراء کیے ہیں۔

اسی طرح مسئلہ نمبر ا، ۷، ۱۰، ۲۶ وغیرہ بدعات قبیحہ ہیں۔ اور بقایا مسائل میں سے بعض تو نصوص سے ثابت ہیں اور بعض میں امت مرحومہ کے علاوہ خود مبتدعین دیابنہ میں اختلاف ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ثانیاً:- ان میں اکثر مسائل جزوی و فروعی ہیں۔ کیا جزوی و فروعی اختلاف کی بنا پر کسی گروہ یا شخص کو اہل سنت سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے! کیونکہ بعض جزوی مسائل میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف رائے تھا۔ آپ کی کتاب کا انداز بتاتا ہے کہ آپ نے بعض اختلافی مسائل پر تحقیق تو ضرور کی ہے مگر علی الاطلاق دین اسلام کی تعلیم اور ان کے چشمہ قرآن و حدیث اور اس کے امین صحابہ کرامؓ کے مقدس گروہ کے فتاویٰ کا مطالعہ نہیں کیا۔ ورنہ ان مسائل کو بیان کر کے آپ کسی کو اہل سنت سے خارج ہونے کا فتویٰ صادر نہ کرتے۔ بہر حال آیئے آپ کے بیان کردہ مسائل کا ہم تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو حق بات قبول کرنے کی عادت صالحہ ڈال دے۔

کیا تقلید اہل سنت کی علامت ہے؟

مسئلہ تقلید کی تفصیل تو گزر چکی ہے اور وہاں ہی ہم نے صراحت کر دی ہے کہ تقلید کو صرف ہم نے ہی شرک قرار نہیں دیا بلکہ متعدد حنفی اہل علم بھی یہی کہتے ہیں۔ یہاں ہم صرف اس قدر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ منکر تقلید اہل سنت سے خارج نہیں کیونکہ یہ چوتھی صدی کی بدعت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز تکمیل دین کے صدہا سال بعد ایجاد ہوئی ہو وہ دین کا جزو حصہ اور ایمان میں داخل نہیں ہو سکتی۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ
حنفی وشافعی ہونا جزو ایمان نہیں' ورنہ صحابہ وتابعین کا غیر مومن ہونا لازم آئے گا۔
(امداد الفتاویٰ ص300ج5)

مولانا مفتی کفایت اللہ حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ
محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔

(کفایت المفتی ص325ج1)

یہ بات ملحوظ رہے کہ اہل سنت کا مذہب تو آئمہ اربعہ سے قبل کا ہے لہٰذا ان کی تقلید اہل سنت کی علامت ونشانی اور امتیازی مسئلہ کیسے بن گئی۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ
(ومن اهل السنة والجماعةمذهب قديم معروف قبل ان يخلق الله ابا حنيفة ومالكاوالشافعي واحمد فانه مذهب الصحابة الذين تلقوه عن نبيهم ومن خالف ذلك كان مبتدعا عند اهل السنة والجماعة)
یعنی اہل سنت والجماعت قدیم ومعروف مذہب ہے جو امام ابو حنیفہ 'امام مالک 'امام شافعی 'امام احمد بن حنبل 'وغیرہ کی پیدائش سے بھی پہلے صحابہ کرام کا مذہب تھا۔ انہوں نے وہ مذہب نبی کریم ﷺ سے سیکھا تھا۔ اور جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعتی ہے۔

(منہاج السنۃ ص256ج1 طبع مکتبہ سلفیہ لاہور 1976ء)

آخر میں ہم جھنگوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اہل سنت میں داخل تھے کہ نہیں...... اگر آپ کہہ دیں کہ وہ اہل سنت میں داخل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے۔ اگر وہ تقلید نہ کرنے کے باوجود اہلسنت سے خارج نہیں تو اہل حدیث کیوں خارج ہیں؟ وجہ فرق بین اور صاف بتائیں۔

کیا ایک مجلس کے تین طلاقوں کو تین تسلیم کرنا اہل سنت کی علامت ہے ؟

اولاً:- مبتدعین دیابنہ کو اعتراف ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا حرام و بدعت ہے۔ یہ فتویٰ ان کی تمام متداول کتب فقہ میں موجود ہے۔ غالباً اس بات کا جھنگوی کو بھی اعتراف ہو گا لیکن ہم قارئین کرام کی تشفی و تسلی کے لیے چند عبارات نقل کیے دیتے ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے۔

مولانا تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بیک وقت تین طلاقیں واقع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ یہ حرام اور بدعت ہے۔ (درس ترمذی ص468ج3)

مبتدعین کے مفتی خیر المدارس فرماتے ہیں کہ

طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا۔

(خیر الفتاویٰ ص331ج5)

ہدایہ میں ہے کہ

(وطلاق البدعة ان یطلقها ثلاثا بکلمة واحدة اوثلاثا فی طهرواحد فاذافعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیاً)

اور طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی کلمہ سے (تین طلاقیں دے یا تین کو ایک طہر میں دے۔ جب کسی نے ایسا کر لیا تو گناہ گار ہوا اور طلاق واقع ہو گئی۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص329ج3)

جب آپ نے اس بات کو سمجھ لیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بدعت ہیں تو اب سنیے کہ بدعت اہل سنت کا مذہب نہیں۔

علامہ تفتازانی متوفی 758ھ فرماتے ہیں کہ

(اهل السنةوالجماعة وهم الذین طریقتهم طریقة الرسول واصحابه دون اهل البدع)

یعنی اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے موافق ہے نہ کہ اہل بدعت کے طریقہ کے مطابق۔

(التلویح مع التوضیح ص354)

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ

((اهل السنة المتمسكون بماسنه الله ورسوله وان قلوا واما اهل البدعة فالمخالفون لامرالله و كتابه ورسوله العاملون برايهم واهوائهم وان كثروا))

یعنی اہل سنت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقہ کو اختیار کرنے والے ہیں خواہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف اپنی رائے اور خواہش نفسی پر عمل کرنے والے ہیں۔ خواہ وہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

(کنزالاعمال ص77ج14' رقم الحدیث44209 طبع نشرالسنة ملتان)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ کوئی جماعت یا شخص بدعت کے انکار کی وجہ سے اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اصلی اہل سنت ہی وہ ہے جو بدعت کا انکار کرتا ہے۔ پس اس اصول کے تحت آپ اہل سنت سے .... ہیں اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ اصلی وخالص اور ٹھیٹھ سنی ثابت ہوئے۔

ثانیاً:- حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ

((كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وابى بكروسنتين من خلافة عمرطلاق الثالث واحدة'الحديث))

یعنی حضرت رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارکہ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پوری مدت خلافت اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں بھی دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ (صحیح مسلم ص477ج1)

اس صحیح مرفوع متصل حدیث کی بنا پر حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ بیک وقت دی

گئی تین طلاقوں سے صرف ایک ہی پڑے گی۔ (ابوداؤد ص 299 ج 1)

امام عکرمہ (ابوداؤد مع عون ص 227 ج 2) امام طاؤس (عبدالرزاق ص 302 ج 6) امام عطاء بن ابی رباح (ایضاً ص 335 ج 6) امام عطاء بن یسار (موطا امام مالک ص 521) امام جابر بن زید (مصنف ابن ابی شیبہ ص 26 ج 5) امام عمرو بن دینار (فتح الباری ص 297 ج 9) ان کے علاوہ متعدد تابعین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق شمار کرتے ہیں۔

مولانا مفتی کفایت اللہ حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس' طاؤس' عکرمہ' ابن اسحاق' سے منقول ہے پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور مستحق خراج عن المسجد ہے۔ (کفایت المفتی ص 361 ج 6)

امام ابن تیمیہ' امام ابن قیم' علامہ رشید رضا مصری (تفسیر المنار ص 383) شیخ جمال الدین قاسمی مرحوم بھی اہل حدیث مؤقف کے حامی تھے۔

جھنگوی صاحب وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ تمام لوگ اہل سنت سے خارج ہیں؟

کیا آئمہ کے اقوال معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت اولیاء کرام کا احترام کرتے ہیں جبکہ غیر مقلد آئمہ کرام اولیاء کرام کی بے جا خامیاں نکالتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- خیر القرون سے لے کر تاحال اہل علم میں بعض جزوی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ فریقین ایک دوسرے کی ذلیل کا نقص واضح کرتے رہے ہیں۔ اور اپنی دلیل کو صحیح و درست اور حق کہتے رہے ہیں۔

یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔ کسی بھی مذہب کی فقہ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے وہ اپنے دلائل دیتے ہوئے دیگر بزرگان دین کے اقوال کو نقل

کر کے ان پر علمی تبصرہ کرتے ہیں۔یہ چیز ادب واحترام کے منافی نہیں 'ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام آئمہ گستاخ تھے۔کیونکہ انہوں نے اپنے سے ماقبل کے لوگوں سے اختلاف کیا'کسی سے کم کسی سے زیادہ۔امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے امام ابو حنیفہ سے اختلاف ایک بین حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں تو کیا یہ لوگ گستاخ اور بے ادب تھے نہیں یقیناً نہیں۔اس لیے کہ ہر شخص کا نہ علم برابر ہے اور نہ ہی عقل وفہم مساوی ہے۔

ہاں البتہ اختلاف رائے کرتے ہوئے آئمہ دین کے ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے اسلاف ہیں'جو دین کے خادم اور سنت کے فدائی تھے اور ان کا سینہ علوم قرآن سے منوّر تھا۔اس کے ساتھ ساتھ تمام آئمہ کرام ہمارے محسن ہیں۔ان کی علمی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔لیکن اس کے باوجود آئمہ معصوم عن الخطاء نہ تھے۔آخر وہ بشر تھے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اور پیغمبر نہ تھے۔

یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔اسی کی ہم دعوت دیتے ہیں۔پورے جزم ویقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ تمام محقق علماء اہل حدیث نے جب بھی کسی امام کے قول سے اختلاف کیا تو اسے علمی حد تک ہی رکھا۔سب وشتم اور گالیاں نکال کر اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کرنا اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کا کردار ہے۔حسن اخلاق'زبان کی حفاظت مومن کی شان اور اہل علم کا شعار ہے۔جھنگوی صاحب بلاوجہ ہم سے ناراض اور بدظنی کر رہے ہیں ۔ورنہ یقین جانئے کہ اہل حدیث کا دامن ان الزامات سے مبرا ہے۔چنانچہ مفتی خیر المدارس (ملتان) اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرتا ہے کہ علماء اہل حدیث سلف صالحین اور آئمہ دین کے گستاخ نہیں۔ (خیر الفتاویٰ ص402ج2)

ثانیاً:- حقیقت یہ ہے کہ مبتدعین دیابنہ اصل میں اولیاء اور بزرگوں کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔مولوی محمد حسن سنبھلی حنفی (جو مولانا قاسم علی نانوتوی کے شاگرد خاص ہیں) نے معروف درسی کتاب'شرح عقائد کا حاشیہ نظم الفرائد کے نام سے لکھا ہے۔اس حاشیہ میں ایک مقام پر وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ'امام ابن قیم'امام شوکانی'امام ابن حزم جیسے اساطین فن

اور مجھد ان ذی شان کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وخلفاء هذه الملة اربعة ابن تيمية وابن القيم والشوكانى فيقولون ثلثة رابعهم كلبهم واذا انضم اليهم ابن حزم وُداؤد الظاهرى بان صار واستة ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المكلبين مثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث وتتركه يلهث

(نظم الفرائد ص 102 طبع انوار محمدی لکھنؤ)

اس عبارت کا ترجمہ کرنے کی ہمت نہیں۔ بس اتنا جان لیں کہ امام ابن تیمیہ 'امام ابن قیم 'امام ابن حذم 'امام داؤد امام شوکانی 'اور ان کے عقیدت مندوں کو کتا کہا گیا ہے۔

اس قدر لچر زبان استعمال کرنے والے بھی ادب واحترام کے ٹھیکے دار ہیں؟

کیا صحابہ معیار حق نہیں؟

جھنگوی صاحب نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ غیر مقلدین صحابہ کو معیار حق نہیں سمجھتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

حالانکہ یہ کذب وافتراء ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿أمنوا كماامن الناس﴾ (الایۃ بقرہ آیت 13)

یعنی ایمان اس طرح لاؤ جس طرح لوگ (صحابہ) ایمان لائے (2-13)

اس آیت میں الناس سے مراد صحابہ کرام کی مقدس جماعت مراد ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں۔ اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ (تفسیر احسن البیان ص 10)

اس سے ثابت ہوا کہ عقائد وایمان میں صحابہ سے اختلاف جائز نہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام نے نصوص کی جو تشریح کی ہے وہ بھی حجت ہے

حافظ ثناءاللہ زاہدی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ولذلك اختار جمهور المحدثين ترجيع تفسير الصحابی للحديث علی تفسير غيره من المتاخرين لانه شاهد مواردالنصوص واجتهاده فی فهم النصوص اصوب من اجتهاد المتاخرين من فقهاء التابعين ومن بعد هم كما فی تفسير ابن عمر' البيعان بالخيار' والحنفية خالفوافی هذه الصورة

اور اسی وجہ سے جمہور محدثین کرام کے نزدیک صحابی کی تفسیر کو متاخرین کی تفسیر حدیث پر ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ نصوص کے وارد ہونے کے عینی شاہد ہیں۔ اور فہم نصوص میں صحابہ کرام کا اجتہاد' متاخرین فقہاء و تابعین اور ان سے بعد والے حضرات فقہاء سے زیادہ درست اور حق ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ بیع خیار کی حدیث کی تفسیر کی ہے۔ اور حنفیہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے۔ (حاشیہ خلاصۃ الافکار ص214)

ہاں البتہ کسی مسئلہ میں جب صحابہ میں سے کسی کا قول مرفوع حدیث کے خلاف ہو تب صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا۔ اور یہی حنفیہ کا اصول ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

ان قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذالم ينفه شئ آخر من السنة

یعنی ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔

(فتح القدیر ص37ج2باب صلاۃ الجمعۃ)

ملا علی القاری نے مرقاۃ ص269ج3 میں فتح القدیر سے اس عبارت کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

قول الصحابی حجة عندنااذالم يخالفه مرفوع

یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(اعلاءالسنن ص126ج1)

اس کلیہ کا مولانا نے اعلاء السنن ص 140 ج 1 میں بھی ذکر کیا ہے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

ولاحجة فی قول الصحابی فی معارضة المرفوع لاسیمااذاکانت المسالة مختلفا فیها بین الصحابة

یعنی صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے معارض ہو تو حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہو۔ (اعلاء السنن ص 438 ج 1' باب آداب الاستنجاء)

ان عبارات علماء دیوبند سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف فیہ ہوں یا جن مسائل میں صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ حدیث مرفوع کے مخالف و معارض ہوں ان میں صحابہ کرام کے اقوال حجت شرعیہ نہیں۔ باقی رہا صحابہ کرام کا اجماع تو وہ ہمارے نزدیک حجت ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ ابن حزم کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام ص 47 ج 1 دیکھئے اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ جھنگوی صاحب نے غلط بیانی کی ہے ۔ورنہ اہل حدیث صحابہ کرام کو معیارِ حق جانتے اور سمجھتے ہیں۔

کیا جمعہ کی دوسری اذان بدعت عثمانی ہے؟

جھنگوی صاحب نے ایک غلط بیانی یہ بھی کی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اقوال صحابہ سنت ہیں جبکہ اہل حدیث جمعہ کی دوسری اذان کو عثمانی بدعت کہتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- قارئین کرام مسئلہ تقلید میں 'مؤلف تحفہ اہل حدیث کی گپ' کے زیر عنوان امام ابو حنیفہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کا تمام تر علم رائے و قیاس تھا۔ جبکہ اہل حدیث رائے و قیاس کی بجائے قرآن و سنت اور اقوال صحابہ کرامؓ کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بناتے تھے۔ اور ان سے مسائل کا حل تلاش کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ دریں صورت کس منہ سے جھنگوی صاحب ہمیں مطعون کر رہے ہیں۔

ثانیاً:- اگر کوئی شخص عثمانی اذان کو بدعت کہنے سے اہل سنت سے خارج ہے تو جھنگوی کان

کھول کر سن لے کہ اسے بدعت کہنے والے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص 140 ج 2 کتاب الصلوٰۃ باب الاذان یوم الجمعۃ' حافظ ابن حجر نے' فتح الباری ص315ج2' میں اس روایت کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

اور اکابر دیابنہ کو اعتراف ہے کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت روایت کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔ دیکھئے

(معارف السنن ص385ج1 و درس ترمذی ص74ج1 و قواعد فی علوم الحدیث ص89)

جھنگوی صاحب ہمت کریں اور عبداللہ بن عمرؓ کے اہل سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کریں'

شاباش تیرے ہوئے تے جمے دے

ثالثاً:- اوپر کی تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا۔ اور پہلے یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف فیہ ہوں تو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں۔ لہذا حضرت عثمانؓ کا قول حجت نہ رہا۔ مگر آپ حیران ہونگے حنفیوں نے اسے پھر بھی لائق عمل بنالیا ہے۔ حالانکہ جس روایت میں حضرت عثمان غنیؓ کا دوسری اذان دینا ثابت ہوتا ہے اسی حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک سیدنا صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایک ہی اذان دی جاتی تھی۔

(بخاری (912) باب الاذان یوم الجمعۃ)

رابعاً:- اگر جھنگوی یہ جھوٹا بہانہ تلاش کرلے کہ خلفاء الراشدین کا عمل سنت میں داخل ہے اور اس پر صحیح حدیث موجود ہے۔ اس کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں اہل علم تحفۃ الاحوذی ص 368ج1 کی مراجعت کریں' البتہ ہم یہاں پر جھنگوی کا منہ بند کرنے کی غرض سے حضرت عثمان غنیؓ کی ایک مثال عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے سفر حج میں دو رکعت کی بجائے پوری نماز پڑھی ہے۔

(بخاری ص147ج1' و مسلم ص243ج1 و نسائی ص170ج1)

لیکن احناف اس کے بر عکس یہ کہتے ہیں کہ اگر مسافر جان بوجھ کر نماز قصر کی بجائے پوری ادا کرے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور اس پر واجب ہے کہ دوبارہ نماز پڑھے۔

(احسن الفتاویٰ ص 77 ج 4' وخیر الفتاویٰ ص 681 ج 2' ودرس ترمذی ص 325 ج 2' وفتح القدیر ص 5 ج 2 وبدائع الصنائع ص 91 ج 1' والبحر الرائق ص 130 ج 2' وفتاویٰ عالم گیری ص 139 ج 1' وفتاویٰ شامی ص 128 ج 1)

جھنگوی صاحب اگر اقوال صحابہ کو بھی سنت کہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس عمل عثانی کو فاسد کہتے ہیں؟

کیا نماز کے بعد اجتماعی دعا اہل سنت کی علامت ہے؟

جھنگوی صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث دعا نہیں کرتے بلکہ بدعت کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر پیش امام کا دعا منگوانا اور مقتدیوں کا آمین آمین کہنا کسی حدیث مرفوع و متصل سے ثابت نہیں ہے۔

دیوبندیوں کے محدث کبیر علامہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ

وليعلم ان الدعاء المعمول فی زماننامن الدعا بعد الفريضة رافعين ايديهم على هيئة الكذائية لم تكن المواظبة عليه فی عهده عليه السلام

معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں جو فرض نمازوں کے بعد دعا مروج ہے کہ امام و مقتدی مل کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اور آمین آمین کہتے ہیں یہ اس پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مواظبت نہ تھی۔ (عرف الشذی ص 86 ج 1)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

اما این دعائه كه آئمه مساجد بعد از سلام میکنندومقتدیاں آمین آمین میکویند

چنانچه الان در دیار عرب و عجم متعارف هست از عادت پیغمبر خدا ﷺ نه بود و دریں باب هیچ حدیث ثابت نه شده

آئمہ مساجد سلام پھیرنے کے بعد یہ جو دعا کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں جیسا کہ عرب و عجم کے ممالک میں رائج ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی عادت نہ تھی۔اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں۔

(شرح سفر السعادت ص90 طبع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر 1398ھ)

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں

یہ طریقہ جو فی زمانہ مروج ہے کہ امام سلام کے بعد رفع یدین (ہاتھ اٹھا کر) کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھا۔جیسا کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کی تصریح کی ہے۔

(مجموعۃ الفتاوٰی ص232 ج1 طبع ایچ ایم سعید کراچی 1404ھ)

یہ تمام عبارات علماء دیوبند کی ہیں۔جن سے ثابت ہوا کہ مروجہ دعا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔قارئین کرام جب آپ نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ دعا عبادت ہے اور عبادات اصل میں ممنوع الاصل ہیں۔یعنی ان کی کیفیت وغیرہ اپنی طرف سے متعین نہیں کی جاسکتی۔جس کی پوری تفصیل راقم نے دین الحق جلد دوم میں عرض کردی ہے۔اگر جھنگوی کو ہماری تحقیق پر اعتماد نہیں تو اپنے استاذ محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف "راہ سنت" کا مطالعہ کرلے۔جس میں انہوں نے اس ضابطہ اور کلیہ کو بیان کیا ہے۔

ثانیاً:-اسے بدعت کہنے کی وجہ سے آپ ہمیں اہل سنت سے خارج کررہے ہیں۔حالانکہ اسے بدعت کہنے والے متعدد آئمہ کرام ہیں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

(امادعاء الامام والمأمومين جميعا عقيب الصلاة فهو بدعة لم يكن على عهد النبي ﷺ)

یعنی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا اکٹھی دعا کرنا بدعت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تھی۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص519ج22)

دیوبندیوں کے فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ امام کے ساتھ مل کر دعا کرنے کی رسم خواہ سراً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلت علم و کثرت جہل سے پیدا ہوئی اور جہال کی افراط ہے۔

(زبدۃ الکلمات ص9 مندرجہ احسن الفتاویٰ ص67ج3)

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری حنفی دیوبندی مرحوم نے العفائس المرغوبۃ کی تقریظ ص37 میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے رسالہ بدعت والسنۃ ص19 میں اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوی نے عماد الدین ص397 میں فرض نمازوں کے بعد امام کا دعا مانگنا اور مقتدیوں کا مل کر آمین کہنے کو بدعت کہا ہے۔

جھنگوی ہمت کرے اور مذکورہ اکابر دیوبند کے اہل سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کرے۔ اگر جھنگوی صاحب تیار ہیں تو اشتہار کا مسودہ تیار کریں اشاعت کے لئے فنڈ ہم مہیا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان شاء اللہ مگر قارئین کرام یاد رکھئے کہ جھنگوی اہل حدیث کو تو اس بدعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے خارج از اہل سنت کہتا ہے اور کتاب کی اشاعت کرکے ہمیں بطور تحفہ پیش کرتا ہے لیکن اپنے اکابر کو ایسا تحفہ قطعاً نہیں دے گا کیوں؟ آخر انصاف کا میزان یہی ہے کہ مخالف کو تو مطعون کیا جائے اور اپنے اکابر کی باری آئے تو خاموشی سادھ لی جائے۔

تف ہے ایسی دیانت پر تعجب ہے ایسی خشیت الٰہی پر اور کیا کہنے ہیں اس عیاری و مکاری اور بے ایمانی کے

کیا اہل حدیث فقہ کے منکر ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت فقہ کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین اہل

حدیث فقہ کے منکر ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص53)

الجواب:-اولاً سب سے پہلے یہ بات معلوم کرنی ضروری ہے کہ فقہ کسے کہتے ہیں؟ارباب لغت فرماتے ہیں کہ

(الفقه فهم الشئ قال ابن فارس وكل علم لشي فهوفقه)

یعنی فقہ کسی چیز کے فہم کو کہتے ہیں۔ابن فارس نے کہا ہے کہ کسی بھی چیز کے علم کا نام فقہ ہے۔ (المصباح المنیر ص479)

شریعت کی اصطلاح میں قرآن وسنت کو فقہ کہتے ہیں۔حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((نضرالله امراسمع مقالتي فبلغها فرب حامل فقه غيرفقيه ورب حامل فقه الى من هوافقه منه))

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری بات کو سن کر دوسروں تک پہنچائے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فقہ کو اٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا اور بسا اوقات فقہ کو اٹھانے والے اپنے سے زیادہ فقیہ کے پاس لے جاتے ہیں۔

(ابن ماجہ (230) وابوداؤد (3654) وترمذی مع تحفہ ص372ج3 ومسند احمد ص183ج5 وسنن دارمی (229) وابن حبان (67)

یہی حدیث حضرت جبیر بن مطعمؓ سے بھی مروی ہے۔

(ابن ماجہ (231) ومسند احمد ص80‘82ج4 ومستدرک حاکم ص87ج1 وسنن دارمی (227‘228) وطبرانی کبیر ص127ج2 وابویعلی ص456ج6)

اس حدیث پر غور کیجئے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد کو فقہ سے تعبیر کیا ہے۔ اصل میں قرآن وسنت اور ان کا فہم فقہ ہے۔حضرت امیر معاویہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(من يردالله به خيرايفقه في الدين)

یعنی اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

(بخاری ص16 ج1 و مسلم ص333 ج1)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ دراصل دین کی سمجھ ہے جو کسبی چیز نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور وہی قرآن وحدیث ہی ہے۔ اقوال الرجال تو علماء کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ان کے فتاویٰ فقہ نہیں بلکہ آراء اور قیاسات ہیں۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب غور کیجیے کہ اس کا کون کلمہ گو منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

ثانیاً:- غالباً جھنگوی صاحب کی فقہ سے مراد فقہ حنفی کی مروجہ کتب فقہ ہیں۔ حالانکہ اہل حدیث ان کا انکار فقہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ غیر معصوم امتیوں کے اقوال کی بنا پر کرتے ہیں۔ جیسے حنفی حضرات فقہ جعفریہ 'فقہ حنبلی 'فقہ شافعی ' فقہ مالکی وغیرہ کا انکار کرتے ہیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفی فقہ کے منکر ہیں؟ کیونکہ یہ متعدد فقہا کی فقہ کو نہیں مانتے۔

کیا اہل حدیث عذاب قبر کے منکر ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت قبر میں عذاب وثواب کے قائل ہیں جبکہ موجودہ غیر مقلد اہل حدیث اس کے قائل نہیں ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص53)

الجواب:- اولاً:- میں حیران ہوں کہ اس کا جواب لکھوں تو کیا لکھوں؟ آخر جھنگوی نے کونسے دلائل دیئے ہیں۔ جن کو میں توڑوں؟ جب سارے معاملے کی بنیاد ہی بدظنی سے دو ہاتھ آگے کذب وافترا اور غلط بیانی پر ہے تو اس کے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین ہی کافی تھا۔ عذاب قبر کے ثبوت پر متعدد آیات قرآن اور متواتر احادیث ہیں۔ بھلا کوئی اہل حدیث اس کا کب انکار کر سکتا ہے؟ جھنگوی صاحب پر واضح ہو کہ عذاب قبر کا منکر خبیث العقیدہ' بدبخت' بدترین بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہے۔ جب تک اس

خبیث عقیدہ سے توبہ نہ کرے اس سے کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کرنا جائز نہیں۔اور اگر مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

ثانیاً:- جھنگوی کی تحریر گواہ ہے کہ وہ صرف موجودہ علماء اہل حدیث کے متعلق یہ عقیدہ بتاتا ہے۔گذشتہ فوت شدہ جملہ اہل حدیث علماء کے بارے اسے اعتراف ہے کہ وہ عذاب قبر کے قائل تھے۔اس لیے ہمیں جملہ محدثین کرام سے اس کے بارے دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔رہے موجودہ دور کے علماء اہل حدیث تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو ہم قارئین کرام کو دعوت فکر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

وہ کسی بھی مقامی اہل حدیث کے اہل علم سے پوچھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔جھنگوی صاحب ہمارے استاذی المکرّم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی حفظہ اللہ کی تالیف "عقیدہ اہل حدیث ص 341 کا مطالعہ کر لیں۔ان شاءاللہ ان کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ہاں البتہ ضد لاعلاج مرض ہے اس کے لیے جھنگوی صاحب کم از کم دس بار علی الصبح 'لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم' کا وظیفہ کیا کریں۔ان شاءاللہ اس اکسیری نسخہ سے شفا ہو گی۔

اگر کوئی کسر رہ گئی تو جھنگوی صاحب اذا حدث کذب (منافق جب بات کرتا ہے تو غلط بیانی کرتا ہے) کو بھی دن میں ایک آدھا بار یاد کر لیا کریں۔اس سے ان شاءاللہ ضرور شفا ہو گی۔

کیا مبتدعین دیوبندیہ کی طرح اہل سنت حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت حیاۃ النبی ﷺ کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلد اس کے قائل نہیں۔(تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:-اولاً:- پہلے مبتدعین دیابنہ کا حیاۃ النبی ﷺ کے سلسلہ میں مؤقف سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ بات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ص130ج1' وتسکین الصدور ص275وخیر الفتاویٰ ص113ج1)

مولانا قاسم علی نانوتوی فرماتے ہیں کہ

انبیاء علیھم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

(لطائف قاسمیہ ص4وتسکین الصدور275وخیر الفتاویٰ ص114ج1)

قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل اور صحابہ کرامؓ میں سے ایسی حیات کا عقیدہ قطعاً ثابت نہیں' یہ مبتدعین دیوبند کا بریلوی مسلک سے تاثر کی وجہ سے عقیدہ ہے ورنہ اس کی کوئی معتبر دلیل ثابت نہیں۔

ثانیاً:۔ آپ کے استاد محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے تسکین الصدور ص 264میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علمائے اہل حدیث حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ جھنگوی صاحب اس کی صراحت کریں کہ صفدر صاحب کاذب ہیں یا آپ؟

حیات انبیاء کا عقیدہ اور قرآن

موت کے بارہ میں عام اصول کے تحت انبیاء بھی اسی طرح شامل ہیں جیسا کہ عام انسان ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سوائے اپنی ذات کے کسی اور کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

﴿کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام﴾

(سورۃ رحمٰن آیت 26'27)

جو بھی اس پر ہے فانی ہے۔ اور تیرے رب بزرگی عزت والے کا چہرہ باقی رہے گا۔

حیاۃ جاوداں صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے باقی تمام کو فنا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک عام قاعدے کے تحت تمام انبیاء کی موت کا اعلان کیا ہے۔

عام اعلان:-

﴿ماالمسیح ابن مریم الا رسول قدخلت من قبله الرسل ﴾

(المائده :75)

یعنی مسیح تو صرف اللہ کے رسول تھے ان سے قبل رسول فوت ہو گئے۔

﴿ومامحمدالارسول قدخلت من قبله الرسل ﴾

(آل عمران :144)

محمد (ﷺ) صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔

ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے تھے وہ اپنی طبعی عمر گزار کر عدم کے مسافر ہوئے اور تمام نے موت کا پیالہ پی لیا۔ ہاں البتہ مسیح آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے تھے۔ قرب قیامت کے وقت ان کا اس دنیا میں نزول ہو گا اور باقی ماندہ زندگی جب بسر کر لیں گے تو موت ان کو بھی آئے گی اور وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ بن مریم فصل سوم)

بعض انبیاء کی موت کا تذکرہ:- اس عام اعلان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی موت کا بالخصوص ذکر کیا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا

﴿ام کنتم شهداء اذحضریعقوب الموت ﴾

(البقره :133)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کو موت آئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا

﴿حتی اذاهلك﴾

یعنی جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔ (المؤمن:34)

حضرت سلیمان علیہ اسلام کے بارہ میں فرمایا

﴿فلماقضیناعلیه الموت مادلهم علی موته الادابة الارض﴾(سورۃالسبا:14)
جب ہم نے اس پر موت وارد کردی تو جنوں کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی مگر زمین کے کیڑوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ
﴿والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت) (مریم :23)
مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا
﴿وان من اهل الکتاب الالیومنن به قبل موته﴾ (النساء:159)
مسیح کی موت سے پہلے ہر ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا'
حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ
﴿والذی یمیتنی ثم یحیین﴾ (الشعراء:81)
وہی اللہ ہے جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔

خاتم النبیین سید المرسلین محمد ﷺ کی وفات:-

اللہ تعالیٰ نے عام انبیاء علیہ السلام کی وفات کے تذکرہ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ بھی وفات پاجانے والے ہیں۔
﴿وماجعلنالبشر من قبلك الخلد افائن مت فهم الخلد ون ☆ کل نفس ذائقة الموت﴾ (الانبیاء:34)
اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی۔ پس اگر آپ مرجائیں تو یہ ہمیشہ رہیں گے ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔
اس آیت میں آپ علیہ السلام اور تمام انسانوں کی موت کا تذکرہ یکجا کیا ہے کہ جیسے عام انسانوں کو موت آتی ہے آپ کو بھی موت آجانی ہے۔ جس کی ضروری تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمادی کہ

﴿افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا﴾

(آل عمران:144)

کیا پس اگر آپ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم (مسلمانوں) اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

﴿انك میت وانهم میتون﴾ (الزمر :30)

بلاشبہ آپ (ﷺ) بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ اعلان کروایا کہ

﴿قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین﴾

(الانعام :163)

کہہ دو بلاشبہ میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ان آیات نے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کو بھی موت آنے والی ہے اور آپ ﷺ اس بارہ میں دوسرے انسانوں سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

موت آ گئی

پھر وہ وقت آ گیا جب ان ارشاد ربانیہ کے عین مطابق آپ ﷺ پر بھی موت کا وقت آ پہنچا۔ جس سے کسی بھی ذی روح کو مفر نہیں۔ آپ علیہ السلام کو حجۃ الوداع سے واپس آئے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے کہ طبیعت خراب رہنے لگی۔ علاج معالجہ کیا مگر مرض بڑھتا گیا۔ غشی پر غشی طاری ہونے لگی اور بالآخر حیات مستعار کی آخری گھڑی آ پہنچی جس کی تفصیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ میری گود میں سر ٹیکائے ہوئے تھے قریب ہی پانی کا ایک پیالہ پڑا ہوا تھا آپ ﷺ پانی میں ہاتھ ڈالتے اور پھر اس ہاتھ کو چہرے پر پھیرتے اور فرماتے جا رہے تھے۔

﴿لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرت﴾

بلاشبہ موت میں سختیاں ہیں۔ اسی حالت میں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کو اوپر اٹھایا ہوا تھا فرما رہے تھے۔

((فی الرفیق الاعلیٰ))

اسی اثناء میں آپ ﷺ کی روح مبارک قبض ہو گئی اور ہاتھ نیچے کو جھک گیا۔

(بخاری ص640ج2)

چند لمحوں میں آپ ﷺ کی موت کی خبر پورے مدینہ میں پھیل گئی۔ جس سے شہر میں کہرام مچ گیا ایسے معلوم ہوتا تھا کہ پورے مدینہ کو تاریکی نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ حضرت انسؓ اس منظر کی نقشہ کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ مدینہ شہر رسول اللہ ﷺ کی آمد کے دن روشن تھا مگر جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی مدینہ کی ہر چیز تاریک تھی۔

(ترمذی ص203ج2)

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا خطبہ اور صحابہ کا اجماع :- یہ سب صدمے کی کیفیت تھی۔ عقیدت، محبت اور جذبات کے غلبے کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے قوی و بہادر آدمی بھی کہنے لگے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (اللہ اکبر)

اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ کی میت مبارک کے پاس پہنچے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری ہے۔ چہرہ انور کی طرف جھکتے ہیں اور اسے بوسہ دیتے ہیں۔ دردِ فراق کا یہ عالم ہے اور فرماتے ہیں کہ

(لایجمع اللہ علیك موتتین ابدا اماالموۃ التی کتب اللہ علیك فقدمتھا)

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا وہ موت اللہ نے جو آپ ﷺ پر لکھی تھی تو آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ ابھی صحابہ کرام سے باتیں کر رہے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا عمر بیٹھ جایئے مگر حضرت عمر فاروقؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا' تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خطبہ دینا شروع کر دیا۔

صحابہ کرام حضرت عمر فاروقؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف آ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا

﴿من کان منکم یعبدمحمدافان محمداقدمات ومن کان یعبد الله عزوجل فان الله حی لایموت قال الله عزوجل)

﴿ومامحمدالارسول قدخلت من قبله الرسل الی الشاکرین﴾

جو تم میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو محمد ﷺ بلاشبہ فوت ہو چکے ہیں ۔اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ کبھی نہیں مرے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ نہیں محمد مگر اللہ کے رسول ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس خطبہ کے بعد سب کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر

﴿ومامحمدالارسول قدخلت من قبله الرسل﴾

آیت تھی۔ (ملخصاً بخاری ص166ج1)

کسی ایک صحابی نے بھی آپ ﷺ کی موت کا انکار نہیں کیا بلکہ تمام نے تسلیم کیا بلاشبہ تمام اکابر و اصاغر صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اجماع تھا۔ منقول از عقیدہ اہل حدیث' از حضرت استاذی المکرّم

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:۔ حضرت ابو بکرؓ کا جگرا کہاں سے لاؤں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے انتہائی عقیدت و محبت کے باوجود تمام صحابہ کرام کے سامنے بغیر کسی مصلحت

اور وقت کی نزاکت کے حقیقت کا اظہار کیا اور اپنی قوت ایمانی اور علوم نبویہ میں مہارت کی وجہ سے صحابہ کرام کا آنحضرت ﷺ کی وفات پر اجماع کرا دیا۔ بلاشبہ صدیق اکبرؓ نے جذبات و محبت اور فرط عقیدت کو قرآن و سنت کے تابع رکھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اللہ کی توفیق سے اس وقت امت مرحومہ کا حوصلہ بڑھایا جب صحابہ کرام اس دکھ کے پہاڑ کو سہنے سے عاجز آ گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس وقت امت مرحومہ کی راہنمائی فرمائی جب ان جیسے نڈر، بے باک اور قرآن و سنت سے لبریز سینہ کی اشد ضرورت تھی۔ صدیق اکبرؓ نے عقیدہ حیاۃ النبی کو پاش پاش کر کے رکھ دیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات النبی ﷺ کے عقیدہ کو قرآن و سنت کی آہنی سلاخوں سے مضبوط و مستحکم کیا کہ تمام صحابہ کرام نے ان کی فراست ایمانی اور علوم نبوی کے امین ہونے کی گواہی دی اور آنے والے مبتدعین ان کے بیان کردہ دلائل کو توڑ نہ سکے، صدیق اکبرؓ نے اپنے مطاع ﷺ کے دین کی خوب آبیاری کی کہ کوئی کفر و شرک اور بدعت کی آندھی اس پودے کو اس کی جڑ سے اکھیڑ نہ سکی، وہ اپنے آقا ﷺ کے ساتھ جنت میں اسی طرح رہیں گے، جیسے وہ دنیا میں اپنے آقا ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کے لیے اور کوئی خوشی نہیں۔

حقیقت بدلنے کی کوشش:۔ قارئین کرام ان واضح نصوص اور اجماع صحابہ کرامؓ کو جھنگوی ٹولہ سدی جیسے کذاب و دجال راویوں کی من گھڑت روایات کے بل بوتے پر رد کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ دعویٰ پوچھو تو اہل سنت ہے شرم ہے نہ حیا،

﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ دیوبند کا حیاتی ٹولہ خود کو حنفی باور کراتا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی مرحوم نے ایک بار انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتب عقائد (شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ، شرح العقیدہ الاصفہانیہ، عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محل نظر ہے۔ عقیدہ کے لیے

حسب تصریح متکلمین اور اشاعرہ وماتریدیہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیات انبیاء کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیح سے بھی فروتر ہیں۔ تحریک آزادی فکر ص389 طبع مکتبہ نذیریہ لاہور)

کیا آٹھ رکعت تراویح اہل سنت کا مذہب نہیں؟

جھنگوی صاب فرماتے ہیں کہ اہل سنت بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں۔ جبکہ غیر مقلد آٹھ کے قائل ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص54)

الجواب:۔اولاً:۔ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت صحیحہ سے ثابت ہے صحابہ کرام نے اسی پر عمل کیا ہے امام مالک نے اسے اختیار کیا ہے۔ متعدد حنفی بزرگوں نے آٹھ رکعت کو مسنون تسلیم کیا ہے۔(جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) تو کیا یہ تمام اہل سنت سے خارج ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

ثانیاً:۔احادیث صحیحہ سے آٹھ رکعت نماز تراویح ثابت ہے۔امام ابوسلمہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ

(کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ)

(الحدیث)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز کیسی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔(الحدیث)

(بخاری ص269 ج1 و مسلم ص254)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ

(صلی بناء رسول اللہ ﷺ فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر)

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں آٹھ رکعت نماز (تراویح) باجماعت پڑھی اور وتر بھی 'الحدیث

(صحیح ابن حبان ص64 ج5 (رقم الحدیث 2406) وابن خزیمہ ص138 ج2 (رقم الحدیث 1070) ومسند یعلی ص326 ج2 (رقم الحدیث 1796)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آج رمضان کی رات میں میں نے ایک کام کیا ہے۔

(قال وماذاك یاابی ؟ قال نسوة داری قلن 'انالانقرا القرآن فنصلی بصلاتك قال فصلیت بهن ثمانی رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضا ولم یقل شیئا)

نبی کریم ﷺ نے سوال کیا' تو حضرت ابی نے جواب دیا کہ گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم آج آپ (رضی اللہ عنہ) کا قرآن نماز (تراویح) میں سنیں گی۔ چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعت (تراویح) پڑھائیں۔ اور وتر بھی یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہوگئے۔ اور کچھ نہ فرمایا۔ اور یہ آپ ﷺ کے راضی ہونے کی دلیل تھی۔

(صحیح ابن حبان ص 111 ج 5 (رقم الحدیث 2541) ومسند ابویعلی ص326 ج 2 (رقم الحدیث (1795) ومسند احمد ص 115 ج 5 وطبرانی الاوسط ص 441 ج 4 (رقم الحدیث (3743

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ص77 ج2)

اور جھنگوی صاحب کے استاد محترم مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ

اگر علامہ ھیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔ (احسن الکلام ص290 ج1)

اس حدیث میں تقریری سنت کا بیان ہے اور آٹھ رکعت عدد کا بھی ذکر ہے۔

ثالثاً:- مذکورہ مرفوع احادیث کے علاوہ اس پر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں عمل بھی رہا۔ امام سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ

(امرعمربن الخطاب ابی بن کعب وتمیماالداری ان یقوم للناس باحدی عشرة رکعة)

یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم الداریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو قیام رمضان کی گیارہ رکعات قیام (پڑھائیں) کرائیں۔الحدیث

(موطاامام مالک ص 98 و بیہقی ص 496ج 2 و شرح معانی الاثار ص 202' علامہ نیموی مرحوم حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔(آثار السنن ص 250).

آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر علمائے احناف کی شہادات

(ا) علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی 681ھ فرماتے ہیں کہ

(فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة احدى عشر ركعة بالوتر فى جماعة فعله ﷺ ثم تركہ لعذر)

یعنی اس تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام رمضان جماعت کے ساتھ گیارہ رکعات سنت ہے وتر کے ساتھ 'اس قدر ہی رسول اللہ ﷺ نے رکعات پڑھیں پھر عذر کی وجہ سے ترک کر دیں (کہ کہیں فرض نہ ہو جائے)

(فتح القدیر ص 407ج 1 طبع مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ)

اسی عبارت کو ملخصاً ابن نجیم نے البحر الرائق ص 67ج 2 میں اور ابن عابدین نے منحۃ الخالق ص 67ج 2 میں نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ

(ان النبى ﷺ لم يصليها عشرين بل ثمانيا)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعات نماز تراویح نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت ادا فرمائی ہیں۔

(طحطاوی علی در المختار ص 495ج 1)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ

(ان مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمانية)
یعنی دلیل کے اعتبار سے آٹھ رکعات نماز تراویح مسنون ہے اور باقی مستحب۔
(فتاویٰ شامی ص45ج2)

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ
(ان التراويح فى الاصل احدى عشرة ركعة فعله رسول الله ﷺ فيكون سنة فالعشرون مستحبا)
یعنی اصل میں نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعات ہی مسنون ہے بیس رکعات مستحب ہیں۔
(حاشیہ مشکوٰۃ ص115 واللفظ لہ ومرقاۃ ص194ج3)

نواب قطب الدین حنفی فرماتے ہیں کہ
حضرت عمر کے عہد میں کبھی گیارہ یا بعضی راتوں میں قصد تشبہ (مشابہت) کا ساتھ حضرت ﷺ کے کیا ہو کہ حضرت سے گیارہ پڑھنی ثابت ہوئی ہیں۔
(مظاہر حق ص421ج1 طبع نول کشور 1934ء)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں کہ
(وكان بعض السلف فى عهد عمربن عبدالعزيز يصلون باحدى عشرة ركعة قصد التشبيه برسول الله ﷺ)
یعنی عمر بن عبد العزیز کے عہد میں بعض سلف آنحضرت ﷺ کی مشابہت میں گیارہ رکعات نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (ماثبت بہ السنۃ ص220)
علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ
(وقيل احدى وعشرة ركعة وهواختيار مالك لنفسه واختيارابوبكربن العربى)
یعنی بعض کہتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعات ہے اور یہ امام مالک نے اپنے لیے اسی کو پسند کیا ہے ۔اور ابن العربی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ص357ج5)

مفتی کفایت اللہ صاحب حنفی دیوبندی کے نائب مفتی جناب مولانا حبیب المرسلین حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے۔لہٰذا آٹھ رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت حقیقہ ہے۔ (کفایت المفتی ص352ج3)

نوٹ: مولانا نے بعد میں کسی مصلحت سے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

اکثر روایتوں سے حضور کا آٹھ رکعتیں (تراویح) پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

(کفایت المفتی ص363ج3)

مزید فرماتے ہیں کہ

حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا۔

(ایضاً ص351ج3)

جھنگوی صاحب صراحت کریں کہ آیا مذکورہ اشخاص اہل سنت میں داخل تھے یا نہیں؟ بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ، جنہوں نے آٹھ رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا۔واضح رہے کہ حنفیہ کی طرف سے جو یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں یہ روایت سنداً منقطع ہے۔ تفصیل کے لئے (دین الحق ص531ج1) دیکھئے

کیا تراویح اور تہجد میں فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ

اہل سنت کے ہاں تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث کے ہاں تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص56)

پہلے حدیث نقل کی جاچکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت

ابو سلمہ نے سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسی تھی۔اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے۔

(بخاری ص269ج1 ومسلم ص254ج1)

حضرت عائشہؓ کے اس جواب سے ثابت ہوا کہ وہ تہجد اور تراویح کو ایک ہی قرار دیتی تھیں۔ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عائشہؓ نے سائل کو جواب غلط دیا تھا۔اور یہ باطل ہے علاوہ ازیں امام بخاری، امام بیہقی (السنن الکبریٰ ص495ج2) علامہ زیلعی حنفی (نصب الرایہ ص153ج2) علامہ ابن ہمام حنفی (فتح القدیر ص407ج1) علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (مراقی الفلاح ص224) علامہ ابن نجیم حنفی نے (البحر الرائق ص66,67ج2) وغیرہ نے اس روایت کو تراویح کے ابواب میں ذکر کر کے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق نماز تراویح کے ساتھ ہے اور حضرت عائشہؓ نے تہجد اور تراویح کو ایک قرار دیا ہے۔

مولانا انور شاہ کاشمیری مرحوم حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

یہ بات تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ نبی ﷺ کی تراویح آٹھ رکعت تھیں اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہ ہو سکا کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھی ہوں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں تراویح اور تہجد کی رکعات میں کوئی فرق نہ تھا۔بلکہ صفت اور وقت میں فرق تھا۔

(مترجماً العرف الشذی ص282ج1)

اس بات کو حضرت شاہ صاحب نے فیض الباری ص240ج2 میں مفصل طور پر لکھا ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ان کی عبارت اور اس کی توضیح و تشریح کے لیے دین الحق ص520ج1 کا مطالعہ کریں بلکہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ ص329ج1 میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔جھنگوی ہمت کرے اور ان اکابر دیوبند کو اہل

سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کرے۔

کیا اہل حدیث قبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی زیارت کو حرام سمجھتے ہیں؟

جھنگوی شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر پورے جزم ویقین کے ساتھ غلط بیانی کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ اہل سنت حضور علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کو ثواب سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث اسے حرام کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:-اولاً:-جھنگوی نے اہل حدیث کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ روضہ اقدس کی زیارت کو حرام کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ غلط بیانی ہے جھنگوی اور اس کے رفقاء اور مشیر جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں بڑے بڑے قیمتی مشورے دیئے اور مصنف کی خوب پیٹھ ٹھونکی ہے وہ سب مل کر اور پوری کوشش کر کے اس انکشاف کا ثبوت دکھادیں ورنہ (لعنة الله على الكاذبين) کی وعید سے ڈر جائیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

(وان كان المسافر الى مسجده يزور قبره ﷺ بل هذامن افضل الاعمال الصالحة)

یعنی اگر مسافر مسجد نبوی کی طرف جائے تو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے بلکہ یہ افضل اعمال صالحہ سے ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص330ج27)

ثانیاً:- ہاں البتہ اہل حدیث کے نزدیک خاص قبر اطہر کی زیارت کے لیے سفر جائز نہیں بلکہ سفر میں نیت مسجد نبوی کی زیارت کی کرنی چاہیے۔ اور وہاں جا کر قبر نبوی علیہ السلام کی زیارت کرنا مستحب اور عمل حسنہ ہے۔ اور اس پر متواتر احادیث ہیں۔ مثلاً حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(لاتشدالرحال الاالی ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجدالاقصیٰ ومسجدی)الحدیث

یعنی ثواب کی نیت سے سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف' بیت اللہ'مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (یعنی نبوی)

(بخاری ص159ج1و مسلم ص433ج1)

اس حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عام ہی سمجھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ طور سے واپس آئے تو لاتشد الرحال کی حدیث کے راوی حضرت بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں سے آئے؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جب بتایا تو حضرت بصرہؓ کہنے لگے کہ

(لولقیتك من قبل ان تاتیه لم تأته قلت له ولم ؟قال انی سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتعمل المطی الاالی ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجدی ومسجدبیت المقدس) (الحدیث)

اگر تم مجھ سے طور پر جانے سے پہلے ملتے تو وہاں نہ جاتے۔ میں (ابو ہریرہؓ) نے کہا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ علیہ السلام فرماتے تھے نہ سفر اختیار کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف ایک مسجد حرام' دوسری میری مسجد اور تیسری مسجد بیت المقدس۔

(الحدیث) (سنن نسائی (مجتبیٰ) ص 168ج 1)(رقم الحدیث 1431) والسنن الکبریٰ للنسائی ص 540ج 1(رقم الحدیث 1754) وموطاامام مالک ص 92ومسند احمد ص 7ج 6ومشکل الاثار للطحاوی ص 242ج 1'طبع مجلس دارالنظام ہند)ومسند ابوداؤد طیالسی (1348,2506) وطبرانی کبیر ص 276ج2وطبرانی الاوسط ص 378ج3والتمہید لمافی الموطامن المعانی والاسانید ص36ج23)

علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے' ارواءالغلیل ص228ج3

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حدیث 'لا تشد الرحال' کو عام سمجھا تھا جس سے ثابت ہوا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت زیاتی ثواب کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اہل حدیث کے نزدیک روضہ نبوی ﷺ کی زیارت تو مستحب اور اعمال حسنہ سے ہے۔ البتہ سفر کرتے وقت مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کرنی چاہیے اور وہاں جا کر جہاں مسجد نبوی کی زیارت کرنی چاہئے روضہ رسول کی بھی زیارت کر لینی چاہئے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

حج سے پہلے یا بعد جب مدینہ میں داخل ہو تو مسجد نبوی میں آئے اور وہاں نماز پڑھے' وہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے الحدیث اور تشد رحال نہ کرے مگر مسجد نبوی' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف جیسا کہ بخاری ص 168 ج 1 و مسلم ص ج 1 میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے............

پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور ان کے صاحبین (ابو بکرؓ و عمرؓ) پر سلام کہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

جس شخص نے مجھ پر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور اسے جواب دیتا ہوں ۔ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عمر جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو فرماتے کہ

(السلام علیك یارسول الله 'السلام علیك یاابابکر 'السلام علیك یا ابت):

پھر واپس پلٹ آتے اسی طرح تمام صحابہ کرام کرتے تھے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمہ ص 146 ج 26)

مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی مرحوم فرماتے ہیں کہ

(لانزاع فی نفس مشروعیة زیارة قبر نبینا ﷺ واماما نسب الی شیخ السلام ابن تیمیة من القول بعدم مشروعیة زیارة قبر نبینا ﷺ فافتراء)

یعنی شرعی طریقہ پر آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کرنے میں قطعاً کوئی نزاع نہیں ہے اور اس بارہ میں علامہ ابن تیمیہ پر یہ محض جھوٹا بہتان ہے کہ قبر نبوی ﷺ کی زیارت کو ناجائز کہتے تھے۔

(صیانۃ الانسان ص3)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیارت میں اختلاف نہیں بلکہ سفر کی نیت میں اختلاف ہے۔ مگر جھنگوی صاحب غلط بیانی کرتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں کرتے۔ ہم انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ جو بات آپ نے لکھی ہے اس کا ثبوت دیں ورنہ یاد رکھے غلط بیانی کرنا مومن کی شایان شان نہیں بلکہ منافقت کی علامت ہے واذا احدث کذب۔ اللہ سمجھ اور ہدایت عطا کرے۔ آمین

کیا فوت شدہ سنتے ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نبی ﷺ کی سماع عند القبر ذرود وسلام کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلد منکر ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص64)

الجواب:- اولاً:- کتب عقائد وغیرہ سے یہ ثابت کیجیے اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر پر جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے اسے آنحضرت ﷺ براہ راست اور بلاواسطہ کے سنتے ہیں؟ پھر قرآن کریم کی کوئی نص یا حدیث صحیح، صریح، مرفوع، متصل پیش کیجیے جس کا یہ معنیٰ ہو کہ قبر نبوی پر جو درود پڑھا جاتا ہے اسے آنحضرت ﷺ عادتاً سنتے ہیں۔ اگر آپ ایسی کوئی آیت قرآن سے دکھادیں یا حدیث نبوی ثابت کردیں تو ہم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں ورنہ عقائد فاسدہ کو اہل سنت کا عقیدہ کہتے ہوئے اللہ کا خوف کیجیے۔

ثانیاً:- ارشاد ربانی ہے کہ

﴿ان اللہ یسمع من یشاء وماانت بمسمع من فی القبور﴾

(سورۃ الفاطر:24)

اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنائے اور آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ (35-22)

﴿انك لاتسمع الموتی ولاتسمع الصم الدعاء اذاولو امدبرین﴾

(النمل:80)

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں۔(80-27)
اسی مضمون کی آیت سورت الروم(آیت52)میں بھی موجود ہے۔

یہ آیات قرآن گواہ ہیں کہ جو شخص فوت ہو کر عالم برزخ میں جا چکا ہے وہ اہل دنیا کی کوئی بات سننے پر قادر نہیں ہے۔

ثالثاً:- سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام سے لے کر تا حال مختلف فیہ ہے جس کا اعتراف مولانا غلام اللہ صاحب نے 'جواہر القرآن ص902ج2میں' مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن ص602ج6میں 'مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے تفسیر عثمانی ص545 میں اور مولانا اشرف علی تھانوی نے 'امداد الفتاویٰ ص437ج5میں کیا ہے اور اس بات پر متعدد دلائل بھی موجود ہیں' سوال یہ ہے کہ

جس قدر صحابہ کرامؓ سماع موتی کے منکر تھے؟ بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہؓ (بخاری ص567ج2) تو کیا یہ اہل سنت سے خارج تھے۔

جھنگوی پورے وثوق سے اپنے(نصرۃ العلوم کے)ٹولہ سمیت اس کی وضاحت کرے۔

رابعاً:- علماء حنفیہ عدم سماع کے قائل ہیں۔ جیسا کہ فتح القدیر اور فتاویٰ شامی میں صراحت ہے اگر عربی عبارت سمجھنے سے قاصر ہوں تو(کفایت المفتی ص194ج1)کا مطالعہ کر لینا۔ جہاں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب نے سماع موتی کا انکار کر کے حنفیہ کا مسلک بھی یہی بتایا ہے اور فتاویٰ شامی سے عبارت بھی نقل کی ہے۔

مزید تسلی و تشفی کے لیے (جواہر القرآن ص904ج2)کو بھی ایک نظر دیکھ لینا کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب مرحوم دیوبندی نے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی' مولانا محمد انور شاہ کاشمیری' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ عدم سماع کے قائل تھے

جھنگوی ہمت کرے اور مذکورہ علمائے دیوبند کے اہل سنت سے خارج ہونے کا فتویٰ صادر

کرے اور اس فتویٰ کی تصدیق مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر سے بھی کرادے تو ہم مان جائیں گے کہ واقعی مولانا کفایت اللہ صاحب' رشید احمد گنگوہی صاحب' انور شاہ کاشمیری' شبیر احمد عثمانی صاحب وغیرہ بوجہ سماع موتی کے انکار کے اہل سنت سے خارج اور فرقہ ضالہ میں داخل تھے۔

کیا بھینس اور گھوڑے کی قربانی جائز ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت بھینس کی قربانی جائز سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث حرام سمجھتے ہیں۔ اہل سنت گھوڑے کی قربانی حرام سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث حلال سمجھتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:-اولاً:- بھینس کی قربانی پر اہل حدیث میں اختلاف کے ضمن میں' بھینس کی قربانی' کے زیر عنوان تفصیل آرہی ہے اور گھوڑے کی حلت پر بحث مذہب اہل مدینہ اور اہل حدیث کے سلسلہ میں' گھوڑے کی حلت و حرمت' کے عنوان سے آگے ان شاء اللہ آرہی ہے ان دونوں مسائل کو وہاں سے ہی دیکھ لیا جائے۔

ثانیاً:- ہم نے زندگی میں جھنگوی سے زیادہ کوئی کاذب نہیں دیکھا۔ غالباً جھنگوی اہل حدیث کے خلاف جھوٹ لکھنا جائز سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کذب وافترا اور غلط بیانی کرتے ہوئے کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کرتا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی اہل حدیث نے گھوڑے کی قربانی کا فتویٰ نہیں دیا۔ اگر جھنگوی کے قول میں صداقت ہے تو وہ ہمت کرے اور اپنے رفقاء سمیت مل کر سر توڑ کوشش کر کے کسی اہل حدیث مفتی کا فتویٰ دکھائے ورنہ اللہ کا خوف کرے اور اپنے احوال کو درست کرے اور اہل حق کی مخالفت ترک کردے۔

جھنگوی کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث

(نحرنا علی عهد رسول الله ﷺ فاكلناه)

(بخاری ص829ج2و مسلم ص150ج2)

سے اشتباہ ممکن تھا کہ گھوڑے کی قربانی جائز ہے۔ مگر تمام شارحین حدیث نے اس کا معنی "الذبح" کیاہے۔ اگر آپ کو اعتبار نہ ہو تو علامہ شوکانی کی تالیف' (نیل الاوطار ص 117ج 8)اور (السراج الوھاج ص 278ج 2للنواب صدیق الحسن خاں محدث قنوجی کا مطالعہ کرلینا۔

علمائے اہل حدیث کا یہاں "نحر" کا معنی "الذبح" کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ علمائے اہل حدیث گھوڑے کی قربانی کو جائز نہیں جانتے۔ علمائے اہل حدیث میں سب سے کچا سلفی علامہ وحید الزمان ہے اس نے بھی اس کا معنی ذبح ہی کیا ہے۔

(تیسیر الباری ص355ج5طبع امجد اکیڈمی لاہور)

گذارشات کا مقصد یہ ہے کہ یہی مقام تھا کہ کسی سلفی کو وہم ہو سکتا تھا کہ گھوڑے کی قربانی جائز ہے مگر شارحین حدیث نے اس کا معنی ذبح کر کے اس احتمال کو رد کردیا۔ مگر افسوس کہ جھنگوی کو جھوٹ کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ اس کی عادت مبارکہ بن چکی ہے۔ اللہ اسے سمجھ اور ہدایت دے اور کذب وافتراء کرنے کی عادت سیہ کو ترک کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ ہم تو فقیرانہ دعا ہی کر سکتے ہیں جھنگوی کی بری عادت بدلنا ہمارے بس میں نہیں۔

نماز میں مصحف سے قراۃ قرآن کا مسئلہ

جھنگوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز میں قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد صحیح سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص54)

الجواب :- اولاً:- جھنگوی صاحب نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ 53پر لکھا ہے کہ اہل سنت صحابہ کرامؓ کو معیار حق سمجھتے ہیں۔ انتھی بلفظہ اور زیر بحث مسئلہ پر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا عمل تھا۔

(ان عائشہؓ کانت تقرأ فی المصحف وھی تصلی)

یعنی حضرت عائشہؓ نماز میں قراۃ مصحف (قرآن) سے دیکھ کر کرتی تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص420ج2)(رقم الحدیث3930)

صحیح بخاری میں ہے کہ

(کانت عائشۃؓ یومہا عبدھا ذکوان من المصحف)

یعنی حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر ان کی امامت کراتا تھا۔

(صحیح بخاری ص96ج1)

امام ابی بکر بن ابی ملیکۃ فرماتے ہیں کہ

(ان عائشہ اعتقت غلامالھا عن دبرفکان یؤمھا فی رمضان فی المصحف)

یعنی حضرت عائشہؓ کا ایک غلام تھا جسے بعد ازاں آپؓ نے آزاد کردیا تھا وہ حضرت عائشہؓ کی رمضان المبارک میں امامت کراتا تھا اور قراۃ قرآن مصحف (قرآن) سے دیکھ کر کرتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص338ج2 وفتح الباری ص147ج2 وکتاب المصاحف لابن ابی داؤد ص192)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔ (تغلیق التعلیق ص291ج2)

امام ابن شھاب الزہری رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ قرآن میں دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟

(قال ما زالوا یفعلون ذلك منذ کان الاسلام کان خیارنا یقرؤن فی المصاحف)

یعنی ابتداء اسلام سے ہی علماء قرآن مجید دیکھ کر (امامت) کراتے رہے جو ہمارے بہتر تھے۔

(قیام اللیل ص168 طبع مکتبہ اثریہ)

امام سعد، امام سعید بن مسیّب، امام حسن بصری، امام محمد بن سرین، امام یحیٰ بن سعید انصاری، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحم اللہ عنھم تمام کے تمام اس کے جواز کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے

(قیام اللیل ص168 ومصنف ابن ابی شیبہ ص338ج2 ومصنف عبدالرزاق ص420ج2)

جھنگوی صراحت کرے مذکورہ صحابہ و تابعین کا گروہ فقہاء مدینہ اور اخیار امت امام احمد بن حنبل اور امام مالک جیسے لوگ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج ؟ اگر جھنگوی ان کو اساطین اہل سنت میں شمار کرتا ہے تو اہل حدیث کو کیوں خارج سمجھتا ہے ؟

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے جھنگوی کا اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج سمجھنا اس کی جہالت ہے۔

ثانیاً:- جیسے مختار بن عبید ثقفی نے محبت اہل بیت کی آڑ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی تفصیل علامہ شہر ستانی نے (کتاب الملل والنحل ص 132 ج 1) میں بیان کی ہے۔ شیعہ نے محبت علی مرتضیٰ میں صحابہ کرامؓ پر تبرا اور سب و شتم کو اپنا شعار بنالیا ہے' ایسے ہی حنفیہ نے فقاہت کی آڑ میں قرآن سے دشمنی کی ہے۔

دو عدد مثالیں ملاحظہ کریں علامہ زین بن نجیم حنفی التوفی 971ھ لکھتا ہے کہ

(ولونظرالمصلى الى المصحف وقرأمنه فسدت صلاته لاالى فرج امراة بشهوة لان الاول تعليم وتعلم فيها لاالثانى)

اور اگر کوئی نمازی قرآن دیکھ کر اس سے قرأت کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر کسی عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھ لے تو نماز باطل نہ ہو گی کیونکہ قرأت تعلیم و تعلم کے متعلق ہے اور شرمگاہ دیکھنا تعلیم نہیں ہے۔

(الاشباہ والنظائر ص 224 طبع ایچ ایم سعید کراچی و مع شرح حموی ص 317 ج 2)

اس بدترین اور گندی مثال سے قارئین کرام خود ہی اندازہ لگائیں کہ فقہاء احناف کے دل میں قرآن کا ادب و احترام کس حد تک تھا۔

آہ ادب و احترام کی ٹھیکے داری اور فقاہت کی علم برداری کا دعویٰ کرنے والے گروہ کے نزدیک عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی مگر مصحف سے تلاوت قرآن کو یہ حضرات ناجائز و حرام اور نماز کے باطل ہونے کا مؤقف رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری حیاسوز اور فقہ حنفی کا بدترین مسئلہ بھی ملاحظہ کیجیے

فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے

(والذی رعف فلا یرقادمه فاراد ان یکتب بدمه علی جبهته شیئا من القرآن قال ابوبکر الاسکاف یجوز قیل لوکتب بالبول قال لوکان فیه شفاء لاباس به)

یعنی اگر کسی کی نکسیر بند نہ ہوتی ہو تو اس نے اپنی جبین پر (نکسیر کے) خون سے قرآن میں سے کچھ لکھنا چاہا تو ابو بکر اسکاف نے کہا ہے یہ جائز ہے۔ اگر وہ پیشاب سے لکھے تو اس نے کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی حامش فتاویٰ عالم گیری ص404ج3 کتاب الحظر والاباحۃ)

یہی فتویٰ فقہ حنفی کی معروف کتاب (فتاویٰ سراجیہ ص 75و البحر الرائق ص 116ج 1 و حموی شرح الاشباہ والنظائر ص108ج 1 باب القاعدہ الخامسۃ الضرر لایزال' وفتاویٰ شامی ص 210ج 1 باب التداوی بالمحرم)وغیرہ کتب فقہ حنفی میں چوتھی صدی سے لے کر بارھویں صدی تک متداول رہا ہے بلکہ فتاویٰ عالم گیری میں لکھا ہے کہ

(فقد ثبت ذلك فی المشاهیر من غیرانکار)

یعنی مشاہیر میں یہ فتویٰ بلاانکار ثابت ہے۔(فتاویٰ عالمگیری ص356ج 5 کتاب الکراھیۃ باب التداوی والمعالجات)

عالم گیری کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ فقہا احناف کا یہ مفتی بہ فتویٰ ہے۔

بریلوی مکتب فکر کے معروف مترجم مولوی غلام رسول سعیدی نے کھل کر فقہاء کے ان فتاویٰ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

میں کہتا ہوں کہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے۔ اگر کسی آدمی کو روز روشن سے زیادہ یقین ہو کہ اس عمل سے اس کو شفا ہو جائے گی تب بھی اس کا مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھنے کی جرأت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہاء کو معاف کرے جو بال کی کھال نکالنے اور جزئیات مستنبط کرنے کی

عادت کی وجہ سے ان سے یہ قول شنیع سرزد ہو گیا ورنہ ان کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت وحرمت بہت زیادہ تھی۔

(شرح صحیح مسلم ص557ج6طبع فرید بک سٹال لاہور1995ء)

سعیدی صاحب کی اس ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ کی داد دیتے ہوئے عبدالمجید شرقپوری برسٹل برطانیہ فرماتے ہیں کہ

فقہ کی ایک کتاب (نہیں بھائی تقریباً نصف درجن ابوصہیب) میں لکھا ہے کہ علاج کی غرض سے خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ کو لکھنا جائز ہے۔ راقم الحروف نے اکثر علماء سے اس کے متعلق پوچھا مگر چونکہ یہ بات بڑے بڑے فقہاء نے لکھی ہے اس لیے سب نے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کیا ہے۔ علامہ سعیدی نے پہلی بار اس جمود کو توڑا۔

(شرح صحیح مسلم بعنوان تاثرات صفحہ 66 جلد اول الطبع الخامس1995ء)

یہی ہم نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کے سلسلہ میں عرض کرتے ہیں کہ بھائی شرم گاہ تو ایک انسانی عضو ہے قرآن اللہ کا کلام ہے لہٰذا اس باطل ومردود فتوئی کی تردید کرتے ہوئے نماز کو فاسد وباطل کہنے سے توبہ کر لیجئے اور صحابہ کرام کو معیار حق تسلیم کرتے ہوئے نماز میں مصحف سے قرأت کے جواز کو تسلیم کر لیجیے اور فقہاء کو معصوم عن الخطاء جان کر منہ اٹھا کر ان کے پیچھے نہ لگ جایئے ان کی صحیح بات کو قبول کیجیے اور غلط بات کی تردید کر دیجیے۔

الغرض جیسے سعیدی صاحب نے مذکورہ جمود کو توڑتے ہوئے حق بات کہہ دی ہے آپ بھی اس کی ہمت کریں اور پوری فقہ حنفی پر نظر ثانی کریں اور کھرے کھوٹے کو الگ کر کے اپنی اخروی زندگی کے لیے ذخیرہ جمع کر لیں اللہ آپ کو توفیق دے۔ اگر اتنے جری ودلیر نہیں تو حنفی فقہ کو کلی خیرباد کہہ کر قرآن وسنت کو اپنا لیجیے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ شاہراہ بہشت ہے۔

کیا جنبی تلاوت قرآن کر سکتا ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں جنبی عورت قرآن شریف نہیں پڑھ سکتی۔ غیر مقلد اہل حدیث کے ہاں پڑھ سکتی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص54)

الجواب :-اولاً:- جھنگوی صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جنبی مرد قرآن پڑھ سکتا ہے ورنہ عورت کی تخصیص کے چہ معنی۔

ثانیاً:-خود مبتدعین کے نزدیک جنبی وحائضہ حدیث و تفسیر اور تمام ذکر واذکار کر سکتے ہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص36ج2وکفایت المفتی ص253ج2)

بلکہ اگر قرآن کو بھی دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ جنب وحائض کے پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ بہ نیت قرآن کے پڑھنا جائز نہیں بہ نیت دعاء کے پڑھنا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص93ج1مزید یکھئے خیر الفتاویٰ ص90ج2)

الغرض حنفیہ کی شاخ دیوبندیوں کے نزدیک بھی بہ نیت دعا قرآن پڑھ سکتا ہے۔ جو تمام متداول فقہ حنفی کی کتب میں موجود ہے مثلاد یکھیے (ہدایہ' فتح القدیر' در مختار' ردالمحتار 'البحر الرائق' فتاویٰ عالم گیری' حلبی کبیر' شرح وقایہ' باب الحیض والاستحاضۃ')

پھر اس کی جو دلیل عنایت کی جاتی ہے وہ آپ بھی پڑھ لیں۔ مولانا لکھنوی فرماتے ہیں کہ

(لان الفاظ القرآن تتغیرعن القرآنیة باختلاف النية)

اس لیے کہ نیت کے اختلاف سے الفاظ قرآن متغیر ہو جاتے ہیں۔

(عمدۃ الرعایہ ص116ج1طبع ایچ ایم سعید کراچی)

اناللہ واناالیہ راجعون گویا ان فقہ کے ٹھیکے داروں کے نزدیک اگر سورہ فاتحہ کو دعا کی نیت سے پڑھا جائے تو جائز ہے' لیکن تلاوت کی نیت سے پڑھا جائے تو ناجائز ہے کیونکہ الفاظ سورۃ فاتحہ متغیر ہو جاتے ہیں۔

ثالثاً:- جنبی وحائضہ کے لیے کتنی مقدار میں تلاوت ناجائز ہے۔ امام کرخی کی روایت کے مطابق مطلقاً جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ' علامہ نسفی اور ابن نجیم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب بدائع نے فرمایا۔

(وعليه عامة المشائخ)

دوسری روایت امام طحاوی کی ہے انہوں نے مادون الاية کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے اس کو فخر الاسلام بزدوی نے اختیار کیا ہے اور صاحب خلاصہ نے فرمایا

(وعليه الفتوىٰ) یعنی فتویٰ اسی پر ہے۔(درس ترمذی ص373ج1)

مبتدعین جن دلائل سے قرأت کی ممانعت ثابت کرتے ہیں ان سے علی الاطلاق ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے روایت نقل کر کے کہا ہے کہ یہ طحاوی پر حجت ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص148ج1)

جھنگوی صاحب صراحت کریں کہ امام طحاوی اہل سنت سے ہیں یا نہیں؟

رابعاً:- ابن عباسؓ' سعید بن جبیر' سعید بن میسّب' امام ربیع بن عبدالرحمٰن' امام مالک' امام بخاری' امام طبری' امام ابن منذر اور امام داؤد کے نزدیک قرأت مطلق جائز ہے۔

(درس ترمذی ص373ج1' وحاشیہ اعلاء السنن ص375ج1 و معارف السنن ص445ج1' بخاری ص44ج1 والاوسط لابن منذر ص99ج2 و معالم السنن ص77ج1)

جھنگوی ان کے متعلق بھی فیصلہ کرے کہ یہ تمام ائمہ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج؟

خامساً:- جن روایات سے عدم قرأت ثابت کی جاتی ہے وہ تمام کی تمام ضعیف و معلول ہیں اور ان میں سے کوئی بھی درجہ حسن کو نہیں پہنچتی۔ تفصیل کے لیے (تحفہ الاحوذی ص124ج1 و نصب الرایہ ص197ج1' ارواء الغلیل ص241ج2 کی مراجعت کریں۔

لیکن اس کے باوجود ہم عرض کرتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہی ہے کہ ادب واحترام کا تقاضا ہے کہ حالت جنابت اور حیض میں تلاوت قرآن کرنا جائز نہیں خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم

وبیش ہو۔

یہی مؤقف محدث مبارکپوری نے (تحفۃ الاحوذی ص124ج1) میں اختیار کیا ہے اور حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ص263ج1)

حضرت عمر فاروقؓ جنابت کی حالت میں تلاوت قرآن کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق ص 337ج 1 ومصنف ابن ابی شیبہ ص 102ج 1 وبیہقی ص 89ج 1' حافظ ابن حجر نے' التلخیص ص138ج 1 میں اس اثر کو صحیح کہا ہے الغرض احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ جنبی وحائضہ تلاوت قرآن نہ کرے۔

سادساً:- اگر کہا جائے کہ بہر حال بعض علمائے اہل حدیث کا جواز پر فتویٰ ہے تو عرض ہے کہ جب یہ مسئلہ خیر القرون سے ہی مختلف فیہ ہے صحابہ وتابعین اور امت مرحومہ کے جلیل القدر اساطین میں بعض اس کے قائل ہیں اور بعض مکروہ کہتے ہیں تو پھر اس جزوی وفروعی اختلاف کی بناپر جھنگوی کس کس کو اہل سنت سے خارج قرار دے کر اپنے علم وفہم کا حدود اربعہ معلوم کرائے گا۔

سابعاً:- امام ابن حزم رحمہ اللہ نے (المحلی ص 95ج 1) میں حنفیہ کے مؤقف پر بڑا جچا تلا تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جنبی اور حائضہ کو آیت یا دون الآیۃ کی تلاوت کا کہتے ہیں ان کے قول پر قرآن وسنت' اجماع امت اور عقل سلیم سے کوئی دلیل نہیں ۔کیونکہ آیت یا آیت کا کچھ حصہ بلاشک وشبہ قرآن ہے اور سارے قرآن اور کچھ حصہ کی تلاوت میں کوئی فرق نہیں۔ان لوگوں پر حیرانگی ہے جو مطلقاً قرأت سے منع کرتے ہیں لیکن ایک آدھ آیت کی اجازت دیتے ہیں۔ (المحلی بالاثار مسئلہ 116)

کسی حنفی سپوت سے امام ابن حزم کا جواب نہیں بن پڑا۔ ہم نے متقدمین کی کتب کے علاوہ متاخرین کی سعی وکوشش کی حرف آخر' اعلاء السنن کو بھی دیکھ لیا ہے مگر کسی حنفی مائی کے لال کو اس جان کے وبال کو چھیڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ جھنگوی ٹولہ

امام ابن حزم کو ظاہری کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا ہے لیکن اس گتھی کو سلجھا نہیں سکتا کہ کسی چیز کے حرام و مکروہ ہونے سے اس کی قلیل مقدار حلال و مباح کس طرح ہو سکتی ہے؟

کیا خوش دامن سے بدکاری کرنے پر عورت حرام ہو جاتی ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں ساس کے ساتھ بدفعلی سے بیوی حرام ہو جاتی ہے جبکہ اہل حدیث کے ہاں بیوی حرام نہیں ہوتی۔(نزل الابرار تحفہ اہل حدیث ص54)

الجواب:- اولاً:- قارئین کرام بات کو آگے لے جانے سے قبل فقہاء احناف کا مؤقف سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ قرآن نے والد کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور نکاح کا حقیقی معنی وطی ہے۔یعنی جن عورتوں سے تمہارے آباء نے وطی کی ہے تم ان سے وطی نہ کرو۔ حاصل یہ کہ باپ کی موطوۂ بیٹے کے لیے حرام ہے۔ باپ نے وطی حلال کی ہو یا حرام کیونکہ اصل سبب حرمت وطی ہے نہ کہ نکاح' صحیح نکاح میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کا سبب بھی وطی ہے نہ کہ نفس نکاح اور اثبات حرمت کے لیے وطی کو مقید بحلال کرنا زیادۃ علی الکتاب ہے۔

(خیر الفتاویٰ ص477ج4' وتبیان القرآن ص617ج2واللفظ لہ)

یہی قیاس انہوں نے ساس کے سلسلہ میں کیا ہے لیکن ان فقاہت کے ٹھیکے داروں کو یہ بات کون سمجھائے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع جائز نہیں۔

(نور الانوار ص94)

جبکہ مذکورہ آیت سے وطی حرام مراد لینا مجاز اور وطی حلال حقیقت ہے۔اور ان دونوں کو جمع کرنا احناف کے نزدیک باطل ہے۔ الغرض اس سے حقیقت ہی مراد ہے اور وہ وطی حلال ہے اور مجاز (وطی حرام) اس میں شامل نہیں۔

حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ پانی پتی حنفی التوفی 1225ھ فرماتے ہیں کہ

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد عقد ہے' جماع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بالا جماع باپ کی منکوحہ بیٹے کے لیے حرام ہے خواہ باپ نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا اور مدنیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح کی حرمت اجماعی نہیں اختلافی ہے۔ اس لیے اجماعی معنی پر آیت کو محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

(تفسیر مظہری ص364 ج2 مترجم طبع دارالاشاعت کراچی 1999ء)

ثانیاً:- بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آیت میں عموم مجاز ہے (جو قطعاً غلط ہے) تو تب بھی یہ ثابت ہوگا کہ جس عورت سے مرد (یا اس کے والد نے) وطی کی ہے اس کی بیٹی اور ماں اس پر حرام ہیں۔ حالانکہ مبتدعین کا مؤقف ہے کہ اگر ساس کو شہوت سے مس کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اشرف علی تھانوی نے (امداد الفتاویٰ ص310 ج2) میں صراحت کی ہے اور اس مساس (چھونے) میں غلطی قصد اور سہو میں کوئی فرق نہیں۔

(کفایت المفتی ص182 ج5)

بلکہ یہاں تک کہ اگر مرد رات کو بیدار ہوا اور غلطی سے اپنی بیٹی یا ساس کو ہاتھ لگ گیا تو تب بھی مرد پر اس کی بیوی حرام ہو گئی۔

(بہشتی زیور ص 5 حصہ چہارم و کفایت المفتی ص193 ج5)

اس جگہ پر ہم ارباب عقل و خرد کو دعوت فکر دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ فرض کرو کہ عمر رات کو بیدار ہوا' اور اسے فل شہوت تھی' اس کی دائیں جانب اس کی بیوی بشریٰ آرام کر رہی تھی' مرد عورت کو ہم بستری کے لئے بیدار کرتا ہے' لیکن اس کا ہاتھ اسی حالت شہوت سے اپنی دودھ پیتی بیٹی ' حمیدہ ' کو لگ جاتا ہے' بس اتنی سی بات کو بنیاد بنا کر دیوبندی کہتے ہیں کہ بیوی حرام ہو گئی۔

نکاح کو وطی کہنے والو! یہاں کس سے وطی ہوئی کوئی بے شرم اور بے غیرت بھی

اپنی بیٹی سے وطی کا تصور نہیں کر سکتا مگر فقاہت کے ٹھیکے داروں نے مرد کی بیوی حرام کر دی اس سے بڑھ کر لطیفہ سنیے کہتے ہیں کہ اگر ساس کو شہوت کے ساتھ بوس و کنار کیا لیکن اسی حالت میں انزال ہو گیا تو نکاح فاسد نہیں ہوا۔

مفتی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بوس و کنار سے حرمت مصاہرت کے لیے یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو۔ بدون جماع انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ (احسن الفتاویٰ ص92 ج5)

در مختار میں ہے 'وبہ یفتی' یعنی یہ مفتی بہ قول ہے۔

(در المختار علی رد المختار ص33 ج3 کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا کہ نکاح کو وطی حرام کہنے والوں نے اپنی ہی دلیل سے کس طرح انحراف اور بغاوت کی ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد امثلہ ہیں۔ باذوق حضرات ضمیر کا بحران ص 317 اور حقیقت الفقہ ص 165 کا مطالعہ کریں۔

ثالثاً:- ساس بمنزلہ ماں کے ہے۔ اس سے بدکاری کرنا نہایت درجہ کی بے حیائی' بے غیرتی ہے اور اس کا مرتکب خبیث دیوث اور فاسق و فاجر ہے اور اس پر اصرار کرنے والا مسلمان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ فعل بد قصداً یا سہواً واقعہ ہو گیا تو مرد پر بیوی حرام ہوئی یا نہیں۔ حضرت امام بخاری نے (صحیح بخاری ص765 ج2) میں حضرت ابن عباسؓ کا تعلیقاً فتویٰ نقل کیا ہے کہ بیوی حرام نہیں ہوئی۔ اس اثر کو امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

(عن ابن عباسؓ فی رجل غشی ام امرأة قال تخطی حرمتین ولا تحرم علیه امرأته)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنی بیوی کی ماں سے زنا کیا فرمایا اس نے دو حرمتیں توڑیں لیکن اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص168 ج7' وتغلیق التعلیق ص404 ج4 والمحلی لابن حزم ص290 ج9)

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 128 ج 9) میں اور مولوی سہارنپوری حنفی دیوبندی نے (حاشیہ بخاری ص 765 ج 2 بین السطور) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
یہی مؤقف و مذہب امام زہری، امام یحییٰ بن یعمر، امام شافعی، امام ابی سلیمان اور ایک روایت میں امام مالک کا ہے۔ (المحلی ص 290 ج 9)

بلکہ حافظ ابن حجر نے تو اس کو جمہور کا مؤقف قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ تمام محقق اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔

(فتح الباری ص 129 ج 9)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ صرف اہل حدیث کا ہی مذہب نہیں بلکہ صحابہ کرام میں ابن عباسؓ بھی یہی نظریہ رکھتے تھے۔ اور جھنگوی جن چار مذاہب میں کسی ایک کی تقلید کو فرض قرار دیتا ہے ان میں سے امام شافعی کا بھی یہی مؤقف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جھنگوی اصول کے مطابق بھی یہ اہل حق میں مسئلہ اجماعی و اتفاقی نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے اور اہل حدیث کو اس مسئلہ کی وجہ سے اہل سنت سے خارج قرار دینا در اصل امام شافعی اور ابن عباسؓ کو ہی خارج قرار دینا ہے۔ لہٰذا جھنگوی ہمت کرے اور صحابہ کو معیار حق کہنے کا نعرہ واپس لے کر صریحاً مذکورہ بزرگوں کی تکفیر کرے۔

کیا روضہ رسول ﷺ کو گرانا واجب ہے؟

جھنگوی لکھتا ہے کہ اہل سنت کے ہاں روضہ رسول ﷺ محترم ترین مقام ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے ہاں بدعت ہے گرانا واجب ہے۔

(عرف الجادی، تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:۔اولاً:۔اہل حدیث کے نزدیک تمام مقابر محترم ہیں اور رسول اللہ ﷺ تو امام الانبیاء خاتم النبیین ہیں ان کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے اور اس کا مرتکب مرتد اور واجب القتل ہے۔
ثانیاً:۔ عرف الجادی کو دیکھ لیا گیا ہے اس میں کہیں بھی روضہ رسول اللہ ﷺ کو گرانا واجب

نہیں لکھا یہ جھنگوی کا صریحاً جھوٹ اور سولہ آنے غلط بیانی اور سو فیصد دھوکہ ہے دیوبندیو کہو جھوٹے پر ہزار بار لعنت۔

گستاخ رسول ﷺ کون؟

موقع کی مناسبت سے ہم جھنگوی کے اکابر کی چند عبارات نقل کر کے دیوبندیوں کا اصلی و حقیقی اور مکروہ چہرہ دکھادینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی دیوبندی لکھتا ہے کہ

اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(تحزیر الناس ص 5 طبع دارالاشاعت کراچی 1976ء)

اس مردود عبارت میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے وہاں آنحضرت ﷺ کی فضیلت خاتم النبیین کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ خود رسالت مآب ﷺ نے اپنے آخری نبی ہونے کو وجہ فضیلت کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت ہے ان میں ایک (وختم بی النبیون) نبوت مجھ پر ختم ہوگئی۔

(مسلم ص 199 ج 1' وابو عوانہ ص 395 ج 1 وترمذی مع تحفہ ص 378 ج 2 ومسند احمد ص 412 ج 2 وبیھقی ص 432 ج 2 ودلائل النبوۃ ص 472 ج 5 للبیھقی)

مگر نانوتوی نے مذکورہ عبارت میں اس کی وجہ فضیلت ہونے کا انکار کر دیا ہے اس خبیث عقیدہ کا لازمی نتیجہ تھا کہ نانوتوی ختم نبوت کا ہی انکار کر دیتا چنانچہ ایسے ہی ہوا لکھتا ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو جب بھی آپ کا خاتم

ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحزیر الناس ص18)
اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا' (تحزیر الناس ص34)

الغرض نانوتوی نے ختم نبوت کا انکار کر کے مرزائیوں کے لیے چور دروازہ کھول دیا۔ وہ آج علی الاعلان قاسم نانوتوی کی مذکورہ عبارات سے استدلال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مرزائیوں کے معروف مناظر عبدالرحمٰن خادم وکیل گجرات نے (احمدیہ پاکٹ بک ص 275 طبع جدید) میں 'مولوی اللہ دتہ جالندھری نے (تفہیمات ربانیہ ص 757) میں' قاضی محمد نذیر نے (تحقیق عارفانہ ص 31) میں' مولوی جلال الدین شمش نے (روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ص 1003 ج 2) میں' مرزا محمود احمد نے (تفسیر کبیر ص 589 ج 2) میں' مرزا بشیر احمد نے (تبلیغ ہدایت ص 342) میں' مرزا طاہر احمد نے (زھق الباطل ص 343) میں اور مولوی محمد صادق نے (حقانیت احمدیت ص 209) وغیرہ میں مرزائیوں نے نانوتوی کی عبارت کو دلیل بنا کر عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مبتدعین دیوبندیہ اور بریلویہ کی مشترکہ شخصیت ملا علی القاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ

(اذاالمعنی انه لایاتی نبی بعده ینسخ ملته)
یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہو گا جو آپ ﷺ کی ملت (دین) کو منسوخ کر دے گا۔ (موضوعات کبیر ص100)

یہی معنی سید احمد طحطاوی حنفی المتوفی 1231ھ نے درالمختار کے حاشیہ میں کیا ہے۔
حاشیہ الطحطاوی ص41 ج1 بحوالہ تعلیقات رضا ص192 طبع مرکزی مجلس رضا لاہور 1982ء
مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی المتوفی 1304ھ فرماتے ہیں کہ

علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت عام ہے اور جو نبی آپ کا ہمعصر

ہو گا شریعت محمدیہ کا متبع ہو گا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ص33 ج1)

قارئین کرام آخر الذکر تینوں عبارات دیوبندیہ اور بریلویہ ہر دو فریق کی مسلم شخصیات کی ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ دونوں فریق کے سابقہ علماء میں انکار ختم نبوت کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ان دونوں فریق کی ایک اور گستاخی ملاحظہ کریں۔

مولوی عبدالسمیع رامپوری بریلوی نے انوار ساطعہ میں لکھا تھا کہ

اور تماشا یہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک' مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیے یہ سب محدث اور فقہاء بباعث اعتقاد حضور ہر جگہ ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ مشرک ٹھہریں

(انوار ساطعہ ص57)

اس کی تردید کرتے ہوئے مولوی خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتا ہے کہ

غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ (براہین قاطعہ ص55)

یہاں دونوں فریق بحث یہ کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کا علم شیطان لعین سے کم تھا یا زیادہ۔ جس کے دل میں ذرا بھی محبت اور احترام رسول ﷺ ہو وہ اس قسم کا ناپاک موازنہ کرتا ہی نہیں۔ آخر کوئی یہ بحث کیوں نہیں اٹھاتا کہ میری ماں فاحشہ تھی یا نہیں! یا میری ماں رنڈی سے زیادہ پاک دامن تھی یا نہیں! یا مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی قاسم نانوتوی کا علم بندر اور خنزیر سے زیادہ تھا کہ نہیں! یا مولوی نعیم الدین مراد آبادی بریلوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کتے سے زیادہ صاحب علم تھے یا نہیں۔یا مولوی حشمت علی بریلوی اور محمود

حسن خاں دیوبندی کا ایمان فرعون سے زیادہ تھا یا نہیں ! یا مولوی احمدیار گجراتی بریلوی اور حسین احمد مدنی دیوبندی کا علم چوہے بلی سے زیادہ تھا یا نہیں!

دونوں فریقوں پر حیرانگی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے علم کا موازنہ کس لعین سے کیا ہے۔ ایک فریق وسعت ثابت کر رہا ہے تو دوسرا فریق نفی کر رہا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی محبت رسول اللہ ﷺ اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ۔

قارئین کرام ! یہ تو تھیں بریلوی اور دیوبندیوں کی مشترکہ گستاخیاں اب ذرا خاص فرقہ دیوبند کی بھی ملاحظہ کرتے جایئے مولوی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں کہ

لفظ رحمۃ اللعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء وانبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص218 طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خاں محمد کراچی)

حالانکہ رحمت اللعالمین کی صفت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور اس صفت میں کوئی ولی و پیر اور مولوی شریک و سہیم نہیں ہے۔ یہ تو ایسی گستاخی ہے جو مبتدعین دیوبند کو بھی مسلم ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا الہام "وما ارسلناك الا رحمة للعالمین" (تذکرہ مجموعہ الھامات مرزا ص 81، 385) شائع کر کے اسے اپنے حق میں باور کرایا تو پوری امت مرحومہ کے علاوہ خود مبتدعین دیابنہ نے اسے آنحضرت ﷺ کی گستاخی قرار دیا۔ دیکھیے (قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا مؤقف ص75)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے کہ

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

(حفظ الایمان ص8)

استغفر اللہ معاذاللہ

اس مکروہ اور ایمان شکن عبارت کا تذکرہ (امداد الفتاویٰ ص 61 ج 6) میں بھی موجود ہے۔ یہ عبارت اس قدر دل آزار اور محبت نبوی کے منافی ہے کہ مرزا طاہر احمد جیسے خبیث العقیدہ شخص نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

دلیل دو اور بے شک جو ایک غلط اور فاسد عقیدہ ہے اس کو غلط ثابت کرو مگر گستاخی تو نہ کرو۔ آنحضرت ﷺ کا مجنون اور جمیع حیوانات سے مقابلہ و موازنہ تو نہ کرو یہ تو ایسی گستاخی ہے کہ اس سے آدمی پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

(زھق الباطل ص 546)

جھنگوی کے اکابرین کی اس قدر گستاخیاں ہیں کہ اگر تفصیل عرض کی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی لہٰذا انہیں چند باتوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اگر جھنگوی میں غیرت ہے تو ان کا جواب تحریر کرے۔ ہم اس بحث کو اپنے ایک مخالف کے قول پر ختم کر رہے ہیں۔

مولوی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی حنفی بریلوی (شاگرد خاص مولوی احمد رضا خان) لکھتا ہے کہ

غیر مقلدین یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے وہ چند باتیں جو حال میں وہابیہ نے اللہ عزوجل اور نبی ﷺ کی شان میں بکی ہیں غیر مقلدین سے ثابت نہیں۔

(بہار شریعت ص 57 حصہ اول)

مولوی احمد سعید کاظمی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ غیر مقلدین نام نہاد اہل حدیث بھی ان وہابیوں کے ہم مسلک ہیں اگرچہ ان سے توہین آمیز عبارات ثابت نہیں۔

(تسبیح الرحمٰن مندرجہ مقالات کاظمی ص 205 ج 2)

یہ دونوں عبارات کٹر اور متعصب بریلوی مولویوں کی ہیں۔ الحمد للہ ہمارے اکابرین نے شرک و بدعات کی پر زور تردید کی ہے لیکن انداز بیان گستاخانہ نہیں رکھا۔ بلکہ ادب و احترام کو پیش نظر رکھ کر تردید کی ہے یہ سب اللہ کی توفیق ہے۔ وھو علی کل شیء قدیر

کیفیت نماز جنازہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز جنازہ آہستہ پڑھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔(تحفہ اہل حدیث ص55)

الجواب:- اولاً:- اس پر تفصیل سے بحث آگے آرہی ہے اہل حدیث کے نزدیک بھی آہستہ نماز جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے۔یہی مبتدعین دیابنہ کا مؤقف ہے دیکھیے (خیر الفتاویٰ ص288ج 3) مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جہر میں کوئی حرج نہیں۔

(کفایت المفتی ص78ج4)

ثانیاً:- بعض نصوص سے اشارۃ النص کے طور پر نماز جنازہ کا بلند پڑھنا ثابت ہے۔ تفصیل آگے اہل حدیث میں اختلاف کے سلسلہ میں آرہی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بلند آواز سے جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔

(سنن نسائی ص228ج1و بیہقی ص38ج4وابن حبان ص69ج6)

صحابہ کو معیار حق کا نعرہ بلند کرنے والا جھنگوی صراحت کرے کہ ابن عباسؓ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج؟

رکوع کی رکعت

جھنگوی صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت رکوع میں مل جانے والی رکعت کو شمار کرتے ہیں جبکہ غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس کی رکعت نہیں ہوئی۔(توضیح الکلام' تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب:-اولاً:- توضیح الکلام ص142 تا150ج1 میں صراحت ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی۔یہ امام بخاری حضرت ابوہریرہؓ' جذء القراۃ ص16,17,30' حضرت ابوسعید الخدریؓ جذء القرأۃ ص17,19 اور امام مجاہد' جزء القرأۃ ص8 وغیرہ کا بھی یہی مؤقف تھا۔

جھنگوی وضاحت کرے کہ یہ اکابرامت اہل سنت سے ہیں یا نہیں ؟

ثانیاً:- نماز میں قیام اور قراۃ آپ کے نزدیک بھی فرض ہے اور رکوع میں شامل ہونے والا ان دونوں کو ہی نہیں پاتا تو آپ نے اس کی رکعت کو کس دلیل سے شمار کرتے ہوئے قیام و قرأۃ کا حکم ساقط کر دیا۔

قومہ میں ہاتھ باندھنے کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں جبکہ سندھ کے غیر مقلد اہل حدیث قومے میں ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- یہ مسئلہ اجتہادی و فروعی ہے تفصیل آگے اہل حدیث میں اختلاف کے سلسلہ میں آرہی ہے۔

ثانیاً:- امام ابو حنیفہ 'امام محمد 'اور قاضی ابو یوسف کی ایک روایت میں قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا حکم آیا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ

(لامضائقة فی اختیاره بعدظهور موافقة للاصول)

یعنی ہمارے آئمہ سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے بارے میں جو قول منقول ہے اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے اصول حنفیہ کے مطابق ہے۔

(سعایہ فی شرح شرح وقایہ ص159 ج2)

فماکان جوابکم فهوجوابنا

کیا اہل حدیث کے نزدیک منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت منسوخ احادیث پر عمل نہیں کرتے ' جبکہ غیر مقلد انہیں پر عمل کرنا جہاد عظیم سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- اس کے جواب میں ہم صرف "لعنت الله علی الکاذبین "ہی کافی سمجھتے ہیں۔

لیکن جھنگوی جیسے متعصب و جاہل اور ضدی کے لیے مزید عرض ہے کہ آپ کسی اہل حدیث فاضل سے یہ دعویٰ ثابت کریں کہ منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگر آپ ایسا ثابت کر دیں تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ آپ کے قول میں صداقت کا شائبہ ہے۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکیں، یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو جھنگوی اور اس کے حواری صراحت کریں کہ جھوٹ و افتراء کو دیوبندی لغت میں کیا کہتے ہیں اور مفتری و کاذب کو تقلیدی شریعت میں کیا کہتے ہیں۔

ثانیاً:- ناسخ و منسوخ کی آگے تفصیل سے بحث آ رہی ہے لیکن ہم یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت کے کسی فرد کی رائے و قیاس اور اٹکل پچو سے کسی آیت یا حدیث نبوی کو منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ کسی حکم شرعی کو منسوخ قرار دینے کے لیے نص کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھ کر جھنگوی ٹولہ پوری کوشش کر کے صرف ایک مسئلہ کی نشان دہی کرے کہ یہ حکم شرعی فلاں نص سے منسوخ ہے لیکن اہل حدیث کا عمل منسوخ پر ہے۔ مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے کہ حنفیوں کا دیوبندی ٹولہ تو کیا پوری دنیا کے تمام حنفی فرقے اور گروہ اکھٹے ہو کر سر توڑ کوشش کریں تب بھی انہیں ایک مثال بھی نہیں ملے گی۔ ہاں البتہ ان کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان دی ہے اور شیطان نے انہیں اہل حق کی مخالفت میں برانگیختہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے جھنگوی ٹولہ عدل و انصاف سے کوسوں دور ہو کر کذب و افترا کو اپنا دین و مذہب اور شعار بنا چکا ہے۔

اللہ انہیں جھوٹ جیسے فعل بد اور افترا جیسی منحوس عادات سیئہ ترک کرنے کی توفیق عطا کرے۔ اے اللہ ہم تو تیرے عاجز و ناتواں بندے ہیں تیری توفیق سے جھنگوی ٹولہ کے حق میں دعائے خیر ہی کر سکتے ہیں شرح صدر عنایت کرنے والا تو ہی ہے۔

مغرب کی نماز سے قبل دو عدد نوافل کی مشروعیت

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت مغرب کی اذان کے بعد نفل نہیں پڑھتے

جبکہ غیر مقلدین ویسے تو نفلوں کے دشمن ہیں لیکن یہاں ضرور پڑھتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص55)

الجواب:-اولاً:- مثل ہے کہ چور مچائے شور کہ چور چور' اس پر عمل کرتے ہوئے جھنگوی صاحب نے اہل حدیث کو نوافل کا دشمن قرار دیا ہے۔حالانکہ نوافل سے دشمنی تو ان کی اسی بات سے ثابت ہو گئی کہ اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نماز مغرب سے پہلے نوافل پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ (بخاری ص157ج1)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ ان نوافل کا اس قدر التزام کرتے کہ اگر کوئی نووارد مسجد نبوی میں آتا تو وہ یہ خیال کرتا تھا کہ نماز مغرب کی جماعت ہو چکی ہے۔

(بخاری ص73ج1 و مسلم ص278ج1)

لیکن حنفیہ نے ان نوافل سے دشمنی کرتے ہوئے نماز مغرب سے قبل نوافل کو مکروہ کہا ہے۔

(مستملی ص240)

ثانیاً:- حضرت انسؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت ابوایوب انصاریؓ' حضرت ابودرداءؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ' حضرت ابوموسیٰؓ' حضرت ابوبرزہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے یہ نوافل پڑھنے ثابت ہیں۔

تابعین کرام سے ان کا پڑھنا ثابت ہے۔امام احمد بن حنبل' امام اسحٰق' امام ابن حزم' اور متعدد شافعی حضرات بھی اسی کے قائل ہیں۔

(مرعاۃ ص139ج4 و قیام اللیل ص46 و المحلی لابن حزم ص20ج2)

امام احمد بن حنبل سے جب سوال ہوا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

(وتبسم كالمتعجب ممن ينكر ذلك)

یعنی آپ نے منکرین پر تعجب اور حیرانگی سے تبسم فرمایا۔ (قیام اللیل ص48)

امت مرحومہ کے مذکورہ آئمہ وصحابہؓ کے متعلق جھنگوی صراحت کرے کہ یہ اہل سنت میں

سے ہیں یا نہیں؟

نمازمیں قیام کی کیفیت

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز میں عاجزی سے کھڑے ہوتے ہیں جبکہ غیر مقلد اکڑ کے کھڑے ہوتے ہیں۔(تحفہ اہل حدیث ص55)

الجواب:-اولاً:-جھنگوی صاحب کا اکڑ سے کیا مراد ہے؟اگر جسم کا تناؤ مقصود ہے تو یہ شریعت کو مطلوب ہے اور نماز میں کاہلی سے کھڑا ہونا منافقت کی علامت ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالی) (النساء:142)

اور جب کھڑے ہوتے ہیں طرف نماز کی کھڑے ہوتے ہیں کاہلی سے(شاہ رفیع الدین)

ثانیاً:-اگر اکڑ سے مراد آپ کی سرکشی ہے جیسا کہ آپ نے عاجزی کے بالمقابل اس کو استعمال کر کے واضح کر دیا ہے تو یہ آپ کی زیادتی بلکہ کذب وافترا ہے۔کیونکہ کسی بھی اہل حدیث نے نماز میں تکبر وغرور سے کھڑے ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔راقم عرض کرتا ہے کہ مفتی تو کجا کسی جاہل سے جاہل اور گنوار نے بھی نماز میں سرکشی' سے قیام کرنے کا نہیں کہا۔اگر جھنگوی اپنے قول میں صادق ہے تو دلیل دے ورنہ اللہ کا خوف کرے۔تقویٰ وخشیت الٰہی کو اپنا شعار بنائے کہ اہل علم کا یہ وصف ہے۔جہاں تک نماز میں خشوع کا تعلق ہے تو اس کے بارے ارشاد ربانی ہے کہ

﴿قد افلح المؤمنون الذینھم فی صلاتھم خشیعون﴾ (المومنون :1,2)

بلا شبہ ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔(23-1,2)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح مرحوم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خشوع کے لفظی معنی ہیں کسی کے سامنے ڈر کر جھک جانے اور عاجزی وانکساری اختیار کرنے کے اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور ظاہری اعضائے بدن سے بھی لہٰذا نماز میں خشوع اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل پر خوف وہیبت طاری ہو اور اس کے

اعضاء میں سکون ہو۔ وہ نگاہ ادھر ادھر پھیرے، نہ کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے کھیلے اور نہ انگلیاں چٹخائے کیونکہ ادھر ادھر دیکھنے کو شیطان کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اثر ہوتا۔ یہ خشوع نماز کی اصل روح ہے اس لیے بہت سے علماء نے اسے فرض قرار دیا ہے یعنی اگر یہ نماز میں نہ ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ (اشرف الحواشی ص409)

مزید دیکھیے اصدق البیان ص178 ج1 و احسن البیان ص939)

حنفی نماز کا نقشہ :- علامہ دمیری نے اپنی معروف کتاب (حیاۃ الحیوان الکبریٰ ص214 ج2) مطبوعہ مصر میں قاضی قفال کی زبانی حنفی نماز کی تصویر کشی کی ہے۔ آیئے ملاحظہ کریں۔

سلطان محمود حنفی المذہب تھا۔ لیکن اسے حدیث سننے کا شوق رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے علماء کی ایک جماعت کی مجلس کا انعقاد کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس مذہب کی نماز سنت نبوی کے موافق ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لیے اس وقت کے سب سے بڑے عالم قاضی قفال مروزی کا انتخاب ہوا۔ قاضی موصوف نے جو حنفی نماز ادا کی تو وہ حسب ذیل ہے۔

قاضی موصوف نے کتے کی رنگی ہوئی کھال منگوائی اور اس کا کچھ حصہ نجاست سے آلود کر کے پہن لی۔ صاف پانی کے بجائے نبیذ تمر سے بلا نیت اور بغیر بسم اللہ پڑھے بلا ترتیب وضو کیا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی بجائے فارسی زبان میں خدائے بزرگ تراست کہہ کر ہاتھ باندھ لیے اور بغیر سورہ فاتحہ پڑھے قرآن کی آیت 'مدھامتن' کا فارسی میں ترجمہ کہہ کر رکوع کیا اور جاتے اٹھتے تین تسبیح کہتے ہوئے بغیر سیدھے کھڑے ہونے کے سجدے میں چلے گئے اور بغیر اطمینان کے دوسرا سجدہ ایسے کیا جیسے کوا ٹھونگے مارتا ہے اور تشہد میں بغیر درود شریف کے سلام کی جگہ ہوا خارج کر دی اور نماز

سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے بادشاہ یہ حنفی نماز ہے۔ایسی نماز دیکھ کر بادشاہ غصے میں آگیا اور کہنے لگا ایسی نماز کون پڑھ سکتا ہے۔ قاضی فرمانے لگے بادشاہ فقہ حنفی کی مستند کتابیں منگائیے کتابیں منگائی گئیں تو قاضی قفال مروزی نے من وعن اس نماز کے طریقے کو احناف کی کتابوں سے ثابت کر دیا۔ آج بھی اگر جھنگوی کو فقہ حنفی کی مذکورہ نماز کی کفیت مقصود ہو تو فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے یا پھر ہماری طرف رجوع کرے ہم ان کو یہ کیفیت ان کی فقہ کی کتابوں سے ہی دکھادیں گے۔ان شاء اللہ

کیا اسلام میں مرد و عورت کی نماز کا فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں مرد و عورت کی نماز کی ادائیگی میں بعض جگہ فرق ہے جبکہ غیر مقلدین کے ہاں مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب:-اولاً:-حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(صلوا کمارایتمونی اصلی)

یعنی نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافر)

یہ حدیث عام ہے نمازی خواہ مرد ہو یا عورت' جو اس بات کا مدعی ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے۔ وہ اس کی دلیل دے۔

ثانیاً:-احناف کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں تقریباً 22 مقامات پر کیفیت میں فرق ہے ۔جھنگوی صاحب ہمت کریں اور ان تمام مقامات کے لیے ایک ایک حدیث صحیح' مرفوع ،متصل دکھاتے جائیں تو ہم مان جائیں گے کہ واقعی مرد و عورت کی نماز کی کیفیت میں فرق کا مذہب وموقف اہل سنت کا ہے ورنہ زبانی جمع خرچ کو کون پلے باندھتا ہے۔

اور فقہاء کے بے دلیل قول واقوال کو شریعت قرار دینا اہل سنت کا مذہب نہیں

شریعت وہی ہے جو اللہ اور اس کے پیارے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

بچے کی امامت کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں نابالغ امام نہیں بن سکتا جبکہ غیر مقلدین کے ہاں امام بن سکتا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- نابالغ بچہ جب نماز کے مسائل سے بخوبی واقف ہو اور نماز کو صحیح مسنون طریقہ سے ادا کر سکتا ہو اور قرآن کے حروف کو باقاعدہ اصول تجوید کے مطابق ادا کر سکتا ہو تو اس کی امامت بالکل جائز ہے۔ اور اس سے انکار محض تقلیدی ضد ہے۔ بچے کی امامت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت عمرو بن سلمہؓ اپنی قوم میں امام مقرر تھے، حالانکہ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔

(بخاری کتاب المغازی رقم الحدیث 4302)

بچے کی امامت کے قائل امام حسن بصریؒ، امام اسحاق بن راھویہؒ، امام بخاریؒ، امام شافعیؒ، وغیرہ ہیں۔ (مرعاۃ ص 66 ج 4)

جھنگوی صراحت کرے کہ آیا یہ ائمہ کرام اہل سنت سے ہیں یا نہیں؟

ثانیاً :- جھنگوی نے مطلق بچے کی امامت سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ماوراء النہر اور مشائخ بلخ کے تمام حنفیوں کے نزدیک نوافل میں بچہ امامت کرا سکتا ہے۔ (مرقاۃ ص 89 ج 3)

بلکہ حنفیہ خاص کر دیوبندیہ کے نزدیک اگر نابالغ بچہ فرائض میں بھی نابالغ بچوں کی امامت کرائے تو جائز ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ص 44 ج 1 و خیر الفتاویٰ ص 353 ج 2)

ثالثاً :- اصل مسئلہ بچہ کی امامت نہیں بلکہ اصل اختلاف یہ ہے کہ متنفل کے پیچھے مقتدی فرائض ادا کر سکتا ہے کہ نہیں؟ اور بچے کی امامت کا مسئلہ دراصل اس مسئلہ کی ایک فرع و جزو

ہے۔ جھنگوی صاحب نے عدم علم کی وجہ سے مغالطہ کھایا ہے یا دیا ہے۔ کیونکہ بچہ اگر امامت کے لائق ہے تو اس کی امامت بالاتفاق درست ہے اور وہ امام بن سکتا ہے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک نابالغ پر نماز فرض نہیں جس کی وجہ سے اس کی اقتداء میں انہیں تامل ہے۔ جھنگوی صاحب (فتاویٰ شامی اور امداد الفتاویٰ ص238ج1) کا بغور مطالعہ کریں' اور متنفل کی اقتداء میں فرائض ہو جاتے ہیں جس کی تفصیل (دین الحق ص495ج1) میں راقم نے عرض کر دی ہے جھنگوی صاحب اس کا بھی مطالعہ کر لیں۔

اور ان صحیح و صریح احادیث کا کوئی معقول جواب ہے تو عنایت کریں ورنہ تقلیدی پٹا کو اُتار کر رحمت کے سایہ قرآن و حدیث پر عمل کریں۔ اللہ توفیق دے۔

کیا سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ نہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں سورۃ فاتحہ قرآن پاک میں شامل ہے جبکہ غیر مقلدین کے ہاں سورۃ فاتحہ قرآن میں نہیں۔ (تحفۂ اہل حدیث ص55)

الجواب:- اولاً:- یہ دعویٰ آج تک کسی اہل حدیث نے نہیں کیا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ وجزو نہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ ہمارا دامن ان خرافات سے پاک ہے۔ ہم پوری جماعت اہل حدیث کی طرف سے اس کی تردید کرتے ہیں اور جھنگوی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی سلفی سے اپنا دعویٰ ثابت کرے۔ ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی سخت وعید سے ڈر کر توبہ کرے اور جماعت اہل حدیث سے تحریری طور پر معافی مانگے۔

پوری اُمت مرحومہ کا اتفاق واجماع ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآن میں شامل ہے۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

(سمیت ام الکتاب لانه یبدء بکتابها فی المصاحف و یبدء بقرء تها فی الصلوٰۃ)

یعنی سورۃ فاتحہ کا نام ''اُم الکتاب'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور یہ کہ نماز میں قرأۃ کی ابتداء بھی اس سے ہوتی ہے۔

(بخاری ص642ج2)

یہی بات امام ابن جریرؒ نے (تفسیر طبری ص35ج1) میں اور ابن کثیرؒ نے (تفسیر القرآن العظیم ص8ج1) میں کہی ہے خود رسول اللہ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو قرآن کی عظیم سورۃ قرار دیا ہے۔ (بخاری ص642ج2)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ

سبع من المثانی سورۃ فاتحہ ہے اور یہ قرآن میں سے ہے۔

(تفسیر القران بکلام الرحمٰن ص192)

علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ نے (واضح البیان ص 62) میں' مولانا محمد عبدہؒ نے (اشرف الحواشی ص2) میں' مولانا عبدالستار نے (ترجمہ قرآن کے حاشیہ ص2) میں' مولانا محمد صادق خلیل نے (اصدق البیان ص 40 ج1) میں' علامہ عبدالرحمٰن کیلانی نے (تیسیر القرآن ص ج1) میں' حافظ صلاح الدین یوسف نے (احسن البیان ص1) میں' سورۃ فاتحہ کو قرآن کا حصہ قرار دیا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے ان محققین کی عبارات بھی اگر جھنگوی کو مطمئن نہیں کر سکیں تو پھر یہ کسی بھی اہل حدیث سے اس کے متعلق دریافت کر سکتا ہے کہ آیا سورۃ فاتحہ قرآن میں شامل ہے کہ نہیں۔ تمام اہل حدیث پہلے اعوذ باللہ کا جھنگوی کو دم کریں گے پھر سورۃ فاتحہ کو قرآن کا افضل ترین حصہ قرار دیں گے۔ ہاں البتہ کسی جذباتی مجاہد سے مت پوچھنا' ممکن ہے وہ آپ کو گریبان سے پکڑ کر اس کا ثبوت نہ مانگ لے جو آپ کے پاس قطعاً نہیں' اور وہ آپ کو بازار میں گھسیٹ کر لے آئے اور دو چار جوتے لگاتے ہوئے کہے کہ 'مسلی' نے جھوٹ بولا تھا اور یہ اس کی سزا ہے۔

ثانیاً:۔ جھنگوی نے کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھا ہوتا تو کبھی بھی ایسی شرارت نہ کرتا۔

سنیئے کہ دیوبند کا شیخ الہند مولوی محمود الحسن خاں لکھتا ہے کہ

"کلام اللہ وحدیث میں بعض آیات وجملہ فرقہ ضالہ نے الحاق کیے ہیں"۔

(ایضاح الادلہ ص 191 طبع مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند 1330ھ)

مولوی انور شاہ کاشمیری نے لکھا ہے کہ

"میرے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ قرآن میں تحریف لفظی ہوئی ہے"۔

(فیض الباری ص 395 ج 3 طبع مکتبہ حقانیہ پشاور)

جھنگوی صراحت کرے کہ مذکورہ دونوں اکابر دیوبند اہل سنت سے ہیں یا بدترین بدعتی اور امت کے گمراہ ترین لوگوں میں شامل ہیں؟

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

کیا تہجد اور تراویح میں فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت کے ہاں تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث کے ہاں تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب:- اولاً:- حضرت عائشہؓ تراویح اور قیام اللیل میں فرق کی قائل نہ تھیں۔ جیسا کہ ان سے ابو سلمہ نے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ

((ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ))

یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

(بخاری ص 269 ج 1)

حضرت امام بخاریؒ اور امام محمدؒ نے (موطا ص 138) میں اس پر قیام رمضان اور تراویح کے ابواب باندھے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے لکھا ہے کہ

(قوله قيام شهر رمضان ويسمى التراويح)

یعنی قیام رمضان اور تراویح ایک ہی چیز ہے۔ التعلیق الممجد ص 138)

امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص 495ج 2) میں 'باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان' میں اسے ذکر کیا ہے۔

ثانیاً:- متعدد اہل علم نے مذکورہ روایت کو بیس رکعات والی من گھڑت و منکر روایت کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کیا ہے۔ مثلا

(۱) امام زیلعی حنفی نے نصب الرایہ ص153ج2

(۲) امام ابن ھمام حنفی فتح القدیر ص407ج1

(۳) عبدالحق محدث دہلوی حنفی فتح سر المنان ص692 قلمی بحوالہ خاتمہ اختلاف ص 70

(۴) علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری ص128ج11

(۵) علامہ سیوطی الحادی للفتاویٰ ص414ج1

حضرت عمر فاروقؓ اور متعدد سلف صالحین کے علاوہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کاشمیری بھی تراویح اور تہجد کو ایک ہی سمجھتے تھے۔

(فیض الباری ص420ج2)

تفصیل کے لیے (دین الحق ص520ج1) کی مراجعت کریں۔

جھنگوی اوروں کو جانے دے انور شاہ صاحب کے متعلق وضاحت کرے کہ یہ اہل سنت میں داخل ہے یا نہیں؟

کیا ایک رکعت وتر ثابت نہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں وتر تین ہیں جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث کے نزدیک وتر ایک ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص56)

الجواب:-اولاً:- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب تم میں سے کسی کو طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو صلی رکعة واحدة

وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے۔الحدیث (بخاری ص135ج1و مسلم ص257ج1)

دوسری حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ

(الوتر رکعة من أخر اللیل)

یعنی وترایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔الحدیث

(مسلم ص257ج1)

تیسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ

((یااھل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر))

اے قاریو! وتر پڑھا کرو کیونکہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

(ابوداؤد ص200ج1وترمذی مع تحفہ ص336ج1ونسائی ص199ج1ابن ماجہ ص83 ومسند احمد ص100ج1وابن خزیمہ ص136ج2)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک وتر پڑھا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ ص85)

ثانیاً:-(دین الحق ص430ج1)میں راقم نے خلفاء الراشدین کے علاوہ تقریباً ۲۲ صحابہ کرامؓ سے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا ہے۔ان کے علاوہ آئمہ ثلاثہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔

(ترمذی مع تحفہ ص340ج1)

انوار ساطعہ کے بریلوی مصنف نے ایک رکعت وتر پر بھی اعتراض کیا تھا۔اس پر نقد کرتے ہوئے مولوی خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

"وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے۔اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیر ھما صحابہ اس کے مقر اور مالک وشافعی واحمد کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے۔کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانہ جب آنکھ بند کرکے آئمہ مجتہدین پر اور صحابہ اور احادیث پر تشنیع کی پس یہ تحریر بجز جہل کے اور کیا درجہ رکھتی ہے معاذاللہ منہا" براھین قاطعہ ص7

علامہ سہارنپوری حنفی کی اس صراحت کی روشنی میں جھنگوی صراحت کرے کہ اس کے ایمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟

فصل چہارم

کیا احادیث میں اختلاف ہے؟

منکرین سنت نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑ رکھا ہے کہ احادیث میں زبردست اختلاف ہے۔

دیکھئے !دو اسلام صفحہ 303 ہمارے جھنگوی صاحب ان کی ہمنوائی کرتے ہوئے حدیث میں اختلاف ثابت کرتے ہیں پھر رفع اختلاف کے لیے تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

اگر جھنگوی صاحب کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ آئمہ دین سے اخذ واستفادہ کیا جائے۔ ان کی علمی خدمات کو طاق نسیاں نہ کیا جائے۔ مگر افسوس کہ جھنگوی صاحب اس سے امام ابو حنیفہ کی تقلید ثابت کر رہے ہیں۔ حالانکہ حدیث امام ابو حنیفہ کا فن نہ تھا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر خدمت نہیں کی کہ رفع اختلاف کے لیے جھنگوی صاحب ان کی تقلید کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ فن محدثین کرام کا تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ مشکل الحدیث ہو یا ناسخ و منسوخ !انہوں نے ہر بات کو کھول کر واضح کر دیا۔ حنفیہ نے بھی انہیں سے ان مسائل کو اخذ کیا، مگر شکریہ کی بجائے انہیں پنساری قرار دے کر توہین کی۔ ہم جھنگوی صاحب کو دعوت فکر دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ جن احادیث کی آپ نے نشان دہی کی ہے کہ ان میں اختلاف ہے کیا ان کا حل آپ امام ابو حنیفہ سے ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں! تو پھر کس منہ سے دعویٰ کرتے ہو کہ تقلید اپنالو تو یہ مسائل آپ کو حل کیے ہوئے ہی مل جائیں گے۔

بہر حال آیئے ان احادیث کی طرف جن کی جھنگوی صاحب نے نشان دہی کی ہے۔

گوہ کی حلت وحرمت کی احادیث

فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آپ کے سامنے گوہ کھائی ہے اور ابو داؤد میں حدیث آتی

ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ (تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:-اولاً:-بلاشبہ ممانعت کی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے مروی ہے۔

(ابوداؤد مع عون ص416ج3و بیہقی ص326ج9والعلل المتناهية ص172ج2)

علامہ خطابی' علامہ منذری' امام بیہقی اور ابن جوزی نے اس حدیث پر جرح کی ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ کمافی عون' اور یہی حق اور درست ہے۔ لیکن ممانعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ متعدد صحیح احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے کھاتا ہوں نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں۔

(بخاری ص831ج2و مسلم ص150ج2)

کسی صحابی سے گوہ کے حرام ہونے کا فتویٰ منقول نہیں بلکہ امام نووی نے گوہ کی حلت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

(شرح مسلم ص151ج2)

ثانیاً:-تعارض کے لیے احادیث کا صحت میں برابر ہونا شرط ہے۔

اور حلت کی احادیث 'حضرت عمرؓ' حضرت ابی سعیدؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت خالد بن ولیدؓ' حضرت یزیدؓ بن الاصم' حضرت سلیمانؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت خذیمہؓ' وغیرھم صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

(تحفۃ الاحوذی ص74ج3)

ان میں اکثر احادیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں۔ جبکہ عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے مروی حدیث کی سند میں کلام ہے کہ اس کا راوی ضمضم بن زرعہ مختلف فیہ راوی ہے۔ امام ابن معین نے توثیق اور ابوحاتم نے تضعیف کی ہے۔ تھذیب ص405ج4' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہم کرتا ہے' تقریب' لہٰذا حلت کی احادیث صحیحہ وکثیرہ کا مقابلہ کرنے کی اس میں بہرحال طاقت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ توضیح کی گئی ہے کہ حلت بدستور باقی ہے اور ممانعت مکروہ تنزیہی پر محمول ہے۔

ثالثاً:۔ حنفیہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گوہ حلال ہے۔امام طحاوی فرماتے ہیں کہ

(فثبت بتصحیح هذه الاثار انه لاباس باكل الضب وهوالقول عندنا)

یعنی ان حدیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔اور ہمارے نزدیک یہی محقق قول ہے۔

(شرح معانی الاثار ص348ج2)

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم علامہ عینی سے نقل کرتے ہیں کہ

(الاصح ان الكراهة عند اصحابنا تنزيهية لاتحريمية للاحاديث الصحيحة انه ليس بحرام)

یعنی ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح تر بات یہی ہے کہ گوہ مکروہ تنزیہی ہے۔مکروہ تحریمی نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حلت بیان ہوئی ہے۔

(التعلیق المجد ص281)

بلکہ مولانا ظفر احمد تھانوی نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ

(ان اكثر الحنفية قبل العينى على ان الكراهة فيه للتنزيه وهوالمعروف عنهم)

یعنی علامہ عینی سے قبل اکثر حنفی گوہ کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے تھے اور یہی ان کے ہاں معروف تھا۔

(اعلاء السنن ص161ج17)

اس کے بعد انہوں نے صراحت کی ہے کہ صاحب مذہب سے اصل میں کراہت منقول ہے جس کی وجہ سے بعض حنفیہ نے تنزیہی کہا ہے تو بعض نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

(ص161,162)

الغرض فقہاء احناف میں گوہ کے حلال و حرام ہونے میں اختلاف ہے۔

مولانا محمود الحسن خاں صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ضب (گوہ) میں

اختلاف ہے۔ عندالحنفیہ حرام نہیں کراہت کی روایت ہے تحریمی بھی اور تنزیہی بھی۔

(الورد الشذی ص265 طبع معہد الخلیل الاسلامی 1416ھ)

قارئین کرام! جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا کہ خود احناف میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے تو پھر جھنگوی صاحب کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید کی یہ برکت ہے کہ انسان کو ناسخ و منسوخ کا علم ہو کر رفع اختلاف کا حل مل جاتا ہے۔ اگر فقط تقلید ہی اختلاف کو مٹانے کا حل تھا تو حنفیہ میں کیوں اختلاف ہے؟

قارئین کرام! آپ حیران ہونگے کہ اگر جھنگوی ٹولہ اپنے مولویوں کی بات پر اعتماد کر کے اسے مکروہ تحریمی قرار دے لے یا ظفر احمد تھانوی کی بات مان کر گوہ کو حرام قرار دے لیں اور حلت کی احادیث کو بلادلیل منسوخ کہہ دیں (اعلاء السنن ص160) تو یہ پھر بھی امام ابوحنیفہ کے مقلد ہی رہے اور ان کی تقلید میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔ لیکن اگر محدثین ان احادیث کے اختلاف کو تطبیق دیکر موافقت ثابت کر دیں تو یہ پھر بھی اختلاف کا طعن کرتے ہیں۔

مطبوخ چیز سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (حدیث)
آپ کا عمل اس کے خلاف بھی ہے (حدیث) (تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:-اولاً:- حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ

(كان اخرالامرين من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما مست النار)

یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے معاملہ میں بارگاہ نبوت سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں سے ترک وضو کا حکم آخری ہے۔ (ابوداؤد مع عون ص76 ج1 و نسائی ص34 ج1 و ابن خزیمہ ص28 ج1 و المحلی ص226 ج1 و بیہقی ص155 ج1)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ

(انه رای رسول الله ﷺ یتوضاء من ثورا قط ثم راه اکل کتف شاۃ ولم یتوضاء)
یعنی میں نے مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ پنیر کے ٹکڑے کھا کر وضو کیا کرتے تھے (جو ایک مطبوخ چیز ہے) مگر بعد میں انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور دوبارہ وضو نہ کیا۔

(بیہقی ص155ج1 وابن خزیمہ ص27ج1)

روایت مذکورہ میں یتوضاء مضارع کے صیغہ نے واضح کر دیا کہ ایک زمانہ میں مطبوخ چیزیں کھا کر رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے جسے آپ علیہ السلام نے بعد میں ترک کر دیا۔

جھنگوی صاحب کا ارشاد ہے کہ جس حدیث پر خلفائے راشدین کا عمل نہیں وہ منسوخ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص60)

اور زیر بحث مسئلہ میں خلفائے راشدین کا عمل آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنے کا تھا۔

(شرح صحیح مسلم ص156ج1 ومسند الشامیین بحوالہ عون المعبود ص76ج1)
(وغایۃ المقصود ص 140ج 2 ومصنف عبدالرزاق ص 165ج 1(رقم الحدیث 641,643,647, 648,649,664)ومصنف ابن ابی شیبہ ص47ج1 وشرح معانی الاثار ص53ج1 وبیہقی ص157ج1)

ثانیاً:- آپ نے احادیث کو اختلاف کی وجہ سے ترک کر کے تقلید کو اپنایا کہ حدیث کی طرف رجوع کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص55ج3)

اور آپ نے ان اختلاف کا حل تقلید کو قرار دیا۔ مگر جھنگوی صاحب زیر بحث مسئلہ میں تو خود حنفیہ میں تین اقوال ہیں۔

(ا) آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو کرنے کا حکم منسوخ ہے۔

(طحاوی ص52ج1)

(۲) یہ حکم استحبابی ہے (فیض الباری ص 305ج 1 واعلاء السنن ص 173ج 1)

(۳) اس سے لغوی وضو مراد ہے نا کہ وضو نماز (الورد الشذی ص 16 ودرس ترمذی ص 298ج 1' بلکہ مولانا ظفر احمد تھانوی نے لغوی وضو کی تردید کی تھی لیکن اس کے حاشیہ پر مولانا تقی عثمانی نے ان کا رد تحریر کیا ہے۔

(حاشیہ اعلاء السنن ص 173ج 1)

ظاہر ہے کہ یہ تینوں اقوال آپس میں سخت متعارض ہیں۔ ان میں موافقت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ بقول جھنگوی مقلدین میں اس سلسلہ میں اختلاف رائے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ تمام حضرات مقلد تھے۔

فما کان جوابکم فھو جوابنا

شراب کی حرمت

جھنگوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کا شراب پینا ایک وقت میں حدیث سے ثابت ہے۔ بعد میں منع فرمانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:- اولا:- خمر (شراب) کے حرام وممنوع ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے۔

ثانیاً:- اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ خمر (شراب) پہلے مباح تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں انصار اور مہاجرین کے کچھ لوگوں کے پاس گیا وہ کہنے لگے آؤ ہم تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں۔ اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس ایک باغ میں گیا' وہاں ایک اونٹ کے سر کا گوشت بھونا گیا تھا اور شراب کی ایک مشک رکھی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ گوشت کھایا اور شراب پی' پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر آیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ ایک شخص نے سری کا ٹکڑا لیا اور مجھے دے مارا جس سے میری ناک زخمی

ہو گئی۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائی۔

﴿یایھاالذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ﴾ (سورۃالمائدہ :90)

یعنی اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔

(صحیح مسلم ص281ج2)

اس صحیح صریح حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک مدت تک شراب مباح تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ معلوم نہیں جھنگوی صاحب کو اس میں کیا اختلاف نظر آیا ہے کیونکہ تمام متداول اصول کی کتابوں میں اس امر کی صراحت ہے کہ ناسخ و منسوخ میں اختلاف نہیں ہوتا۔ لیکن علم و فضل کے دعووں کے باوجود جھنگوی ٹولہ ان میں اختلاف ثابت کر رہا ہے۔ حالانکہ اختلاف کے لیے ضروری تھا کہ حلت و حرمت بدستور باقی ہوتی لیکن علم و فضل کے ان مدعیوں کے بڑے دماغ میں یہ چھوٹی سی بات نہیں اتر رہی اس پر مستزاد یہ کہ فقہ کا راگ بھی آلاپتے ہیں لیکن اعتراضات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ بغض و تعصب نے انہیں مزید عقل و فہم سے کورا کر کے فی طغیانھم کا مصداق بنادیا ہے۔

ثالثاً:- ان نصوص شرعیہ کے برعکس حنفیہ کے نزدیک صرف انگور کی شراب ہی حرام ہے باقی نشہ آور مشروبات ان کے نزدیک حرام ہیں نہ نجس۔

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ

آئمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں

اوراس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس اوران کا پینا حلال ہے۔

(تبیان القرآن ص299ج3وص814ج1وشرح صحیح مسلم ص190ج6واللفظ لہ)

صاحب درالمختار فرماتے ہیں کہ

(والجلال منها اربعة انواع نبيذ التمر والزبيب ان طبخ ادنى طبخة يحل شربه وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلالهووطرب مالم يسكر والثانى الخليطان والثالثة نبيذ العسل والتين والبرد والشعير طبخ اولاوالرابع المثلث)

یعنی چار اقسام کی شراب حلال ہے کھجور اور منقی کا نبیذ جب اسے تھوڑا سا پکایا جائے۔دوسرا مخلوط نبیذ' تیسرا شہد اور انجیر وغیرہ کا نبیذ اور چوتھا ثلث انگور کا شیرہ جس کا دو تہائی جل چکا ہو یہ سب اقسام حلال ہیں۔بشرطیکہ قوت کی نیت سے استعمال کی جائیں لہو ولعب کا ارادہ نہ ہو۔

(درالمختار مع ردالمحتار ص453ج6)

سر کے مسح کا تکرار

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ سر کا مسح تین مرتبہ کرنا(ابوداؤد)ایک مرتبہ کرنا۔

(تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:- اولاً:-ایک بار مسح کرنے کی صحیح صریح احادیث ہیں جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں جبکہ تین بار مسح کرنے کی حدیث درجہ حسن کی ہے بلکہ بعض علماء نے اس پر جرح بھی کی ہے۔بقول مولانا تقی عثمانی تین بار مسح کرنے کی روایت شاذ ہے۔

(درس ترمذی ص244ج1)

جب مبتدعین کے نزدیک یہ روایت ہی درست نہیں تو پھر اعتراض کیوں؟

ثانیاً:- ان دونوں میں تعارض نہیں بلکہ موافقت ہے۔ایک بار کی حدیث متواتر ہے جس سے ثابت ہوا کہ ایک بار مسح کرنا سنت اور تین بار کرنا جائز ہے۔

محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ

(التحقیق فی هذاالباب ان احادیث المسح مرة واحدة اکثر واصح واثبت من احادیث تثلیث المسح وان کان حدیث التثلیث ایضاً صحیحا من بعض الطرق لکنه لایساویها فی القوة فالمسح مرة واحد ةهوالمختار والتثلیث لاباس به)

یعنی اس مقام پر محقق بات یہ ہے کہ ایک بار مسح کرنے کی احادیث تین بار مسح کرنے کی حدیث سے تعداد اور صحت و ثبوت میں زیادہ ہیں۔ گو تین بار کی حدیث بھی تعدد طرق کی وجہ سے صحیح ہے لیکن قوۃ صحت میں تین بار کی روایت ان کے برابر نہیں لہٰذا ایک بار مسح کرنا مختار اور تین بار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(غایۃ المقصود ص337ج1 وعون المعبود ص41ج1)

مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ

اگر بالفرض حضرت عثمانؓ کی اس ثلاثاً والی روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی وہ بیان جواز پر محمول ہو سکتی ہے چنانچہ حنفیہ میں سے بعض محققین نے تثلیث کو جائز کہا ہے۔

(درس ترمذی ص245ج1)

نمازِ عصر کے بعد نوافل کا حکم

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد آپ ﷺ نوافل پڑھتے تھے ۔حدیث۔ منع فرماتے تھے کہ عصر کے بعد نفل نہ پڑھو۔ (تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:- اولاً:-امت مرحومہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ تقریباً آٹھ مؤقف پائے جاتے ہیں۔ خود مقلدین کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

تفصیل کے لیے (اعلام اہل العصر ص163 کا مطالعہ کریں۔

اگر تقلید کی وجہ سے اختلاف ختم ہو سکتا تھا تو مقلدین آئمہ اربعہ میں زیر بحث مسئلہ میں کیوں

اختلاف ہے؟

ثانیاً:- احادیث میں قطعاً اختلاف نہیں صرف فرض کر لیا گیا ہے۔ جھنگوی صاحب آنکھوں سے تقلیدی پٹی اتار کر حدیث کا مطالعہ کرتے تو انہیں اختلاف نظر ہی نہ آتا۔ بہر حال ٹھنڈے دل سے ہماری گزارشات کو سنئے واضح رہے کہ نماز عصر کا جو مختار وقت ہے وہ بالاتفاق مکروہ وقت نہیں' ورنہ جماعت عصر کے بعد منفرد بھی نماز عصر نہیں پڑھ سکتا۔

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی امام طحاوی سے نقل کرتے ہیں کہ

اس وقت بذاتہ کوئی کراہت نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اسی دن کی فجر اور عصر اس میں بلا کراہت جائز ہے۔

(درس ترمذی ص425ج1)

رسول اللہ ﷺ اسی وقت میں ہی نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

((ماترك النبی ﷺ السجدتين بعد العصر عندی قط))

یعنی میرے ہاں نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل کبھی بھی ترک نہیں کیے۔

(بخاری ص83ج1 و مسلم ص277ج1 واللفظ لہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کے متصل نوافل پڑھا کرتے تھے اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ سورج کی کیفیت وہیئت بدلنے پر محمول ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ راوی ہیں کہ

(نهی رسول الله ﷺ عن صلاة بعدالعصر الاان تكون الشمس بيضاء نقية مرتفعة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر جب آفتاب چمکتا ہوا بلند ہو۔

(نسائی ص67ج1 وابوداؤد مع عون ص492ج1 ومسند احمد ص81,129,141ج1' ومسند طیالسی ص108 وبیہقی ص455ج2 وابن خزیمہ ص265ج2)

اس حدیث پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے اور جس روایت پر ابوداؤد سکوت کریں وہ اکابر دیوبند کے نزدیک کم از کم حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

(اعلاء السنن ص 152 ج 7)

جبکہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 50 ج 2) میں' علامہ ابن حزم نے (المحلی بالاثار ص 71 ج 2) میں' حافظ عراقی نے اور علامہ ناصر الدین البانی نے (ارواالغلیل ص 237 ج 2 وسلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (200) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الغرض یہ حدیث صحیح' مرفوع' متصل ہے جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ

نماز عصر کے بعد جب تک سورج بلند رہے اور اس کی کیفیت میں فرق نہ آئے تب تک نوافل وغیرہ ادا کرنے بلا کراہت جائز ہیں اور جن روایات میں مطلق نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے وہ احادیث اس حدیث پر محمول ہیں کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جن احادیث میں بعد نماز عصر رسول اللہ ﷺ سے دو رکعت ہمیشہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے وہ نماز عصر کے متصل پر محمول ہیں۔ فلا اعتراض

ثالثاً:- خود حنفیہ کے نزدیک بھی ان دونوں روایات میں قطعاً تعارض نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنفیہ نے نوافل سے دشمنی کرتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ سے خاص کیا ہے۔

(الورد الشذی ص 41) اور محدثین کرام نے اسے بلا دلیل صرف زبانی جمع خرچ قرار دیکر رد کر دیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی مذکورہ حدیث کے ساتھ موافقت ثابت کی ہے۔ جیسا کہ امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن خزیمہ وغیرھم نے اپنی اپنی کتب میں تبویب ابواب سے صراحت کی ہے۔

جھنگوی صاحب کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ کسی صحیح' صریح' مرفوع' متصل حدیث سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت کو اتنا لیٹ کرتے یہاں تک کہ

سورج کی ہیئت میں فرق آجاتا۔ اگر جھنگوی ایسی حدیث ثابت کر دے تو ہم مان جائیں کہ واقعی جھنگوی کے قول میں صداقت ہے اور وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔ لیکن جھنگوی کیا پوری دنیا کے مبتدعین اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔

اعضاء وضو کو دھونے کی تعداد

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ کلی کرنا' ناک میں پانی ایک ایک مرتبہ کی حدیث ہے تین تین مرتبہ والی حدیث بھی آئی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:- اولاً:- ان احادیث میں قطعاً تعارض نہیں' عداوت اہل حدیث نے جھنگوی ٹولہ سے امانت و دیانت اور تقویٰ و خشیت الٰہی یکسر ختم کر دی ہے اور بغض و تعصب اور ہٹ دھرمی نے انہیں عقل و فہم سے کورا کر دیا ہے جس سے یہ لوگ یحمل اسفار 'تو بن گئے ہیں لیکن انمایخشی اللہ من عبادہ العلمآء کی صف سے مرصع نہیں ہو سکے۔ ہم جھنگوی ٹولہ سے مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ حدیث آپ کا فن نہیں اور مذکورہ اعتراضات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم حدیث کی آپ کو بو تک نہیں لگی اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ کسی مسلم شخصیت سے ثابت کریں کہ ان احادیث میں تعارض ہے۔ چلو آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں علامہ نیموی' علامہ کاشمیری' مولانا بنوری اور ظفر احمد تھانوی جیسے اکابر علماء دیوبند سے ہی ثابت کر دیں کہ وضو کی تعداد والی روایات میں تعارض ہے۔ اگر آپ ثابت کر دیں تو ہم موافقت ثابت کر دیں گے۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے جس سے لازم آیا کہ یا تو آپ جاہل مطلق ہیں یا پھر آپ نے جھوٹ بولا ہے۔

ثانیاً:- ایک عدد میں دھونے کے وجوب کا ثبوت ہے جو جواز کو ثابت کرتا ہے اور تین بار میں عدد مسنون کی حد ذکر ہوئی ہے۔ فلا اعتراض

نماز فجر کا وقت

فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا' اندھیرے میں پڑھنا' دونوں حدیثیں آئی ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:- اولاً:- صبح کی نماز کو اندھیرے میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ (بخاری ص82 ج1' و مسلم ص230 ج1) حضرت جابرؓ (بخاری ص79 ج1 و مسلم ص230 ج1) حضرت انسؓ (بخاری ص81 ج1) سے مروی ہیں۔ حضرت ابی مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ نے جبریل کی اقتداء میں صرف ایک بار ہی نماز فجر کو روشنی میں ادا کیا ہے پھر وفات تک نماز کو روشنی میں نہیں پڑھا۔ (ابوداؤد ص57 ج1 و ابن حبان ص45 ج4 و بیہقی ص364 ج1)

جس سے ثابت ہوا کہ روشنی میں ایک بار صرف بیان جواز کے لیے نماز کو ادا فرمایا۔ مگر آپ علیہ السلام کا معمول اندھیرے میں ہی پڑھنے کا تھا۔

علامہ زیلعی حنفی امام حازمی سے نقل کرتے ہیں کہ

بلاشبہ آپ ﷺ فجر کی نماز ہمیشہ اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ وفات پاگئے۔

(نصب الرایہ ص240 ج1)

اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ حالانکہ یہ کورا بلکہ کالا سیاہ جھوٹ ہے۔ جھنگوی ہمت کرے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرے ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈر جائے۔

ثانیاً:- خود اکابر دیوبند کے نزدیک اگر نمازی جمع ہو جائیں تو اندھیرے میں نماز فجر کو ادا کرنا افضل و اعلیٰ اور اولیٰ ہے۔

(الورد الشذی ص29 و درس ترمذی ص406 ج1 و نماز مسنون ص180)

ثالثاً:- یہاں حضرت رافع بن خدیج سے مروی حدیث کا نام نہ لینا۔ کیونکہ آپ نے تعارض کا دعویٰ فعلی احادیث میں کیا ہے جبکہ روایت رافع قولی ہے۔ ویسے قولی و فعلی احادیث میں بھی قطعاً تعارض نہیں۔ مفصل دین الحق ص162 میں دیکھئے۔

جھنگوی مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر

فرماتے ہیں کہ دیکھیں یہ مختلف قسم کی احادیث آرہی ہیں اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں جن میں کافی تعارض و تخالف موجود ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص58)

الجواب:- اولاً:- ان میں تعارض و تخالف موجود نہیں جیسا کہ تفصیل سے لکھا جاچکا ہے اگر ان کے علاوہ مزید روایات کی نشان دہی بھی کرتے تو ہم ان کا جواب بھی عرض کرتے۔

ثانیاً:- احادیث کو متعارض کہنا دراصل منکرین حدیث اور مرزائیت کا شوشہ ہے اور جھنگوی انہی لوگوں کا مقلد ہے۔ آیئے مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال ملاحظہ کریں۔

(۱) مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ بھی ایک دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ متناقض حدیثوں کو ہر ایک کے سامنے پیش کرتے ہیں یہی دھوکہ انکے بزرگ مولوی محمد حسین صاحب کو لگا ہوا ہے۔

(اعجاز احمدی ص26 و روحانی خزائن ص136 ج19)

(۲) علاوہ اس کے ان حدیثوں کے درمیان اس قدر تناقض ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کرو تو فی الفور مل جائے گی۔

(اعجاز احمدی ص27 و روحانی ص137 ج19)

(۳) خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو (اہل حدیث مرزا کے زد

میں (ابوصہیب) پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اوریا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص 11 وروحانی ص 51 ج 17)

(۴) علمائے مخالفین کا میری نسبت در حقیقت اور کوئی بھی عذر نہیں بجز اس بیہودہ عذر کے کہ جو ایک ذخیرہ رطب ویابس حدیثوں کا انہوں نے جمع کر رکھا ہے ان کے ساتھ مجھے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ ان حدیثوں کو میرے ساتھ ناپنا چاہیے تھا۔

(تحفہ گولڑویہ ص 42 وروحانی 158 ج 17)

(۵) ان پانچ حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے کسی حدیث میں براق کا ذکر ہے اور کسی میں یہ ہے کہ جبریل ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور کسی میں بیداری اور کسی میں خواب لکھی ہے اور کسی میں لکھا ہے کہ میں حمرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ میں مسجد کعبہ میں تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ صرف جبریل آیا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ تین آدمی آئے تھے اور کسی میں لکھا ہے کہ آدمؑ کے بعد عیسیٰؑ اور یحییٰؑ کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد ادریس کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰؑ کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور موسیٰؑ کو چھٹے آسمان میں اور کسی میں لکھا ہے کہ پہلے موسیٰؑ کو دیکھا پھر عیسیٰؑ کو' اور کسی میں لکھا ہے کہ ابراہیم کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور ابراہیم کو چھٹے میں غرض اس قدر اختلاف ہے کہ جس کے مفصل لکھنے کے لیے بہت سے اوراق چاہییں۔

(ازالہ اوہام ص 935 وروحانی خزائن ص 614 ج 3)

واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ اعتراضات پر خاکسار نے اپنی تالیف (علوم الحدیث اور مرزا) میں مفصل بحث کی ہے جس میں مذکورہ اعتراض کا بھی علمی و تحقیقی جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کی طباعت واشاعت کا کوئی ذریعہ پیدا کر دے۔ آمین یا الہ العلمین

(۶) جس قدر بعض احادیث میں تعارض و تخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کے لیے تو ایک رسالہ چاہیے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ ص 15 وروحانی خزائن ص 17 ج 4)

(۷) ومع ذالك فيها اختلاف كثيرة ومنافات كبيرة ولاجل ذلك افترقت الامة وتشاجرت الملة فمنهم حنبلى وشافعى ومالكى وحنفى وحزب المتشيعين)

اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور آپس میں سخت متعارض ہیں اور انہیں کے سبب امت میں افتراق اور ملت کا شیرازہ بکھرا ہے ان سے حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی اور شیعہ کا گروہ ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام ص 559)

(۸) مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا اور اس کا دوسرا جانشین مرزا محمود احمد اپنے خطبہ جمعہ مؤرخہ 4 جولائی 1924ء میں کہتا ہے کہ

حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) فرمایا کرتے تھے کہ حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس میں سے نکال لیتا ہے۔ اسی طرح ان سے جو چاہو نکال لو فی الواقعہ یہ صحیح بات ہے اور یہ نبی کا ہی کام ہے کہ بتائے کونسی ایسی حدیث ہے جو دست و برد کا نتیجہ ہے اور کونسی محمد ﷺ کا سچا کلام ہے۔

(الفضل 15 جولائی 1924ء بحوالہ خطبات محمود ص 457 ج 8)

مولوی نورالدین جانشین اول مرزا قادیانی نے بھی یہ روایت قدرے الفاظ کے تغیر سے مرزے سے نقل کی ہے۔ (الحکم مؤرخہ 17 دسمبر 1902 مندرجہ حقائق الفرقان ص 105 ج 4 طبع ربوہ بدون تاریخ)

نتیجہ :- اولاً مرزا واضح اور کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے اور یہ مداری کی پٹاری ہے۔

(عبارت نمبر 1,2,5,6,7,8)

ثانیاً:- اس کے اختلاف کو مٹانے اور احادیث کو لائحہ عمل بنانے کے لیے مرزا کہتا ہے کہ میری پیروی کرو۔

(عبارت نمبر 3,4)

(۱) ایسے ہی جھنگوی کہتا ہے کہ احادیث میں تعارض و تخالف موجود ہے۔

(۲) ان ختلافات کا حل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی جائے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 59)

بحث کا بنیادی پتھر:- قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں قطعاً تعارض نہیں۔ خود غرضی اور مطلب بر آری کے لیے اختلاف باور کرایا جاتا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ چونکہ احادیث میں اختلاف ہے لہٰذا یہ واجب العمل نہیں بلکہ قول امام کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دوسرا فریق بھی یہی کہتا ہے کہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک گروہ تقلید کے پردہ میں اسلامی تعلیم کو ناقص وادھورا کہتا ہے تو دوسرا گروہ جھوٹی نبوت کی آڑ میں اسلامی تعلیم کو مسخ کر رہا ہے۔

فریقین منافقت کے روپ میں:- حقیقت میں یہ دونوں فریق ہی احادیث کے منکر ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے مذکورہ جھوٹا بہانہ تلاش کیا ہے اور جن روایات کو یہ حضرات قبول کرتے ہیں وہ اسوہ حبیب جان کر نہیں بلکہ اپنے مؤقف کی حمایت کے لیے جس سے ان کا مقصود عوام الناس کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ گویا احادیث کو معیار حق سمجھنے کی بجائے اقوال آئمہ کو معیار حق جانتے ہیں جس پر احادیث کو اپنے نظریات پر ماپتے ہیں۔

مرزے کی عبارت نمبر 3 ملاحظہ ہو

مولانا محمد رسول خاں صاحب دیوبندی فرماتے ہیں کہ

اہل حدیث اور ہم اتنے امر میں شریک ہیں کہ وہ بھی قرآن اور حدیث پڑھتے ہیں اور ہم بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہم حدیث اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ امام کے جن اقوال

کا منشا ہمیں معلوم نہیں معلوم ہو جائے یعنی ہم فقہاء کے اقوال کی تائید کے لیے حدیث کا استعمال کرتے ہیں۔

(قاسم العلوم ص25 جلد اول شمارہ نمبر 11 بحوالہ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص75)

اسی کے قریب قریب بات مرزا غلام احمد نے کہی ہے کہ

تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں (اعجاز احمدی ص30 وروحانی ص140 ج19) گویا دونوں فریق حدیث کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بنیاد حدیث نہیں بلکہ اپنے خود ساختہ نظریات ہیں۔ پھر حدیث کا استعمال بھی یہ حضرات جس طرح کرتے ہیں وہ بھی قابل دید ہے۔ دونوں ہی وضع حدیث میں معروف ہیں۔ جھنگوی نے اس چھوٹے سے کتابچہ میں دو روایات خود وضع کی ہیں۔ ایسا ہی مرزا بھی احادیث وضع کرنے میں جری و دلیر تھا۔ تفصیل کے لیے راقم کا اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی کے رسول اللہ ﷺ پر دس افتراء کا مطالعہ کیجیے۔ جو خاکسار کی تالیف حیات عیسیٰ علیہ السلام اور صداقت مرزا پر ایک مناظرہ جو نہ ہو سکا' کے آخر ص97 میں مطبوعہ ہے۔

علاوہ ازیں مرزا کی طرح آل دیوبند کو بھی من گھڑت اور وضعی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا چنانچہ جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر در منثور آیت یوم تبیض وجوہ (الایہ) کے تحت نبی ﷺ نے فرمایا کہ جن کے چہرے روز قیامت چمکتے ہونگے وہ اہل سنت والجماعت ہونگے۔ (تحفہ اہل حدیث ص51)

بلاشبہ یہ روایت (در منثور ص63 ج2) میں (دیلمی ص449 ج5 کے حوالے سے) موجود ہے لیکن من گھڑت اور موضوع ہے جیسا کہ امام دار قطنی نے صراحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے (تنزیہ الشریعۃ ص319 ج1) کا مطالعہ کیجیے۔

اگر جھنگوی صاحب کو علم حدیث کا دھواں تک لگا ہوتا تو من گھڑت اور موضوع روایت سے استدلال نہ کرتے اگر ضروری کرنا تھا تو اس پر حکم لگا دیتے کہ موضوع ہے۔ علم کو چھپانا اہل علم اور اہل سنت کا شعار نہیں بلکہ مبتدعین کا ہے۔

فصل پنجم

اہل حدیث میں اختلاف

مؤلف تحفہ اہل حدیث نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اہل حدیث کی ذیلی تنظیموں کو بھی نشانہ بنایا کہ ان میں غربا اہل حدیث' امراء اہل حدیث (جھوٹے پر اللہ کی لعنت) مسلمین اہل حدیث' علماء اہل حدیث' لشکر طیبہ' سلفی اہل حدیث' اثری اہل حدیث' وغیرہ ہیں جن میں متعدد اختلافات ہیں۔ (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) حالانکہ کسی جماعت میں اختلاف رائے کا ہونا اس کے کاذب اور باطل ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ یہیں سے ہی ہمارے معاصر کو بھول لگی ہے کہ وہ اختلافات اہل حدیث کو پلے باندھ کر ہمیں مطعون کر رہا ہے۔ (اپنے اختلاف کا تو خیر سے ذکر ہی نہیں کرتا) حالانکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ بسا اوقات انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی خلاف ہوا۔ مثلا سورۃ الانبیاء میں داؤدؑ اور سلیمان علیہ السلام کا مقدمہ میں اختلاف رائے کا ذکر ہے۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ

﴿و کلا اتینا حکما و علما﴾ (آیت 79)

یعنی دونوں کو ہم نے نبوت و علم بخشا تھا۔ (21-79)

دیکھیے قرآن مجید تو ان کے اختلاف رائے کے باوجود ان کی تعریف کرتا ہے۔ مگر ہمارا معاصر ہمیں اختلاف کی وجہ سے طعن کرتا ہے۔ اگر ہر جگہ اسی اصول کو ہی اختیار کر لیا جائے کہ چونکہ فلاں فلاں میں اختلاف ہے تو ہر چیز پر اعتبار اٹھ جائے گا۔ دو ججوں' دو عدالتوں' دو ملکوں' دو گھروں' دو بھائیوں' میں اختلافات تو زندگی کا ایک معمول بن چکے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ دو اختلاف کرنے والے جج پاگل' دو مختلف عدالتیں فضول' دو مختلف ملک باطل پرست' دو مختلف گھر جہنم کا ایندھن' اور دو مختلف بھائی سبیل المومنین سے دور اور طریق یہود پر گامزن ہیں۔ مگر کوئی صاحب علم اس مؤقف کی تائید نہیں کرے گا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں جس میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اگر ہمارے معاصر

کوہماری بات پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے استادِ محترم کی تالیف '(الکلام المفید) کا باب ہفتم اور ہشتم کا مطالعہ کر لے جہاں قرآن وحدیث کی واضح نصوص سے انبیاء کرام 'صحابہ کرام اور فرشتوں کے اختلاف پر ٹھوس اور معتبر حوالے نقل کیے گئے ہیں اور آئمہ اربعہ اور مجتہدین کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

اہل علم مقلد صرف لکیر کے فقیر ہی نہیں ہوتے۔ وہ دلائل کی صحت و سقم کو پرکھتے اور جانچتے ہیں اور کمزور دلائل میں اپنے امام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ اصولی طور پر مقلد ہی ہوتے ہیں۔ امام ابویوسف 'امام محمد اور امام طحاوی وغیرہ آئمہ نے بیسیوں مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ کے خلاف نام لے کر دلائل پیش کیے ہیں۔

(طائفہ منصورہ ص112)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ

(انهما خالفا اباحنيفة فى ثلثى مذهبه) (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص8)

یعنی امام غزالی فرماتے ہیں کہ قاضی ابویوسف اور امام محمد نے امام ابوحنیفہ کے مذہب سے ایک ثلث (تیسرے حصے) میں اختلاف کیا ہے۔

ہمارے اختلاف کو چھوڑیئے ذرا اپنے اختلافات کی نوعیت بتایئے کہ آپ کے اکابرین میں اختلاف کیوں تھا؟ کیا وہ بھی باطل پرست تھے؟ اگر وہ ایسے ہی تھے تو ہمیں اس سے کیوں مطعون کر رہے ہو؟ یہ ایک ایسا وزنی اعتراض تھا کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث کے پاس اس کا جواب تھا نہ ہی کوئی تاویل اس لیے انہوں نے اس حقیقت سے سرے سے انکار ہی کر دیا کہ ان میں اختلاف بھی تھا۔

دیکھیے (تحفہ اہل حدیث ص70) انا للہ وانا الیہ راجعون

قارئین کرام! آپ فقہ حنفی کی کوئی مترجم کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے جس میں آپ کو مؤلف تحفہ اہل حدیث کے کاذب ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

ان تمام چیزوں کو بھی جانے دیجئے دیکھئے کہ برصغیر کی حنفیت میں کوئی بریلوی ہے

کوئی حیاتی دیوبندی ہے تو کوئی مماتی دیوبندی ہے۔ پھر ان کی جو ذیلی تنظیمیں ہیں ان پر غور کیجیے تو یہ لوگ تقریباً سو کے لگ بھگ گروہ بن جاتے ہیں۔ اب بھی یہ لوگ اتحاد اور اتفاق کے مدعی اور غیروں کو انتشار کا شکار باور کراتے ہیں۔ مماتی دیوبندیوں کو حیاتی کن کن القاب سے نہیں نوازتے جن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

الغرض کسی گروہ میں بعض جزوی مسائل میں اختلاف یا بعض شبہات کی بناپر اختلاف ہو جانا کوئی بعید از عقل اور راہ صواب سے بھٹک جانے کی دلیل نہیں۔

کیا حضرت فاطمہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے باغ فدک کے معاملہ میں ناراض نہیں ہوئیں؟ کیا حضرت علی مرتضیٰؓ نے تامل کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی؟

کیا حضرت علی مرتضیٰؓ سے امیر معاویہؓ کی جنگیں نہیں ہوئیں؟ کیا صحابہ کرامؓ میں ان حالات میں دو گروہ نہیں بنے؟ اگر یہ تمام کام ہوئے ہیں یقیناً ہوئے ہیں تو کیا وہ آپس میں تلوار اٹھانے کے باوجود نص قرآنی سے

﴿ رحماء بینهم ﴾ (الفتح :29)

تھے تو اہل حدیث میں اگر بعض فروعی امور میں اختلاف ہے تو یہ چیز ان کی عظمت کے منافی کیوں ہے؟

جماعت غرباء اہل حدیث کے انفرادی مسائل اور ان کا حل

فرماتے ہیں کہ سن لیجیے غیر مقلد مولانا عبدالوہاب ملتانی نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۱) کہتا ہے میں امام وقت ہوں۔ مظالم روپڑی (بحوالہ تعارف علماء اہل حدیث ص 56)

(۲) امام وقت اپنے نبی کا نائب ہوتا ہے۔ (ایضاً ص 56)

(۳) میری بیعت مثل ابو بکر صدیقؓ کے ہوئی۔ (ایضاً 56)

(۴) جو امام کی بیعت کے بغیر مرے گا جاہلیت کی موت مرے گا۔ (ایضاً 57)

(۵) قربانی کے دنوں میں چار آٹھ آنے کا گوشت بازار سے خرید کر تقسیم کر دینے سے

قربانی ہو جاتی ہے۔ (ایضاً)

نیز انڈے کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ)

یہ مسلک تھا امیر جماعت غرباء اہل حدیث کا (تحفہ اہل حدیث ص65)

الجواب :- اولاً :- اعتراض ہمیشہ وہی مقبول ہوتا ہے جو فریق ثانی کا متفق ہو۔غیر متفق اعتراض کر کے فریق مخالف کے پورے گروہ کو مجرم قرار دینا عقل وانصاف سے بعید ہے۔

مسٹر ٹی ناصر عیسائی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

یہ مزاروں کی تعمیر' یہ قبروں کی پوجا' یہ پھولوں کی چادریں' یہ منتیں' یہ قبروں پر دعائیں' کیا معنی ہے ان کا؟ کیا اللہ مسجد یا گھر میں آپ کی دعا نہیں سن سکتا؟ جب تک دس پیروں کے پنجروں کے آگے گھٹنے یا ماتھا نہ ٹیک لیں آپ کو سکون نہیں آتا۔اللہ کو تو آپ نے اپنی زندگی سے خارج ہی کر دیا۔

(عیسائی رسالہ ماہنامہ کلام حق جولائی 1999ء صفحہ 21)

کیا اس عیسائی کا اعتراض درست ہے جو پوری امت محمدیہ کو للکار رہا ہے کہ آپ نے اللہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ بعض مسلمانوں کے عمل کو پوری امت کی طرف منسوب کر کے اس کا ذمہ دار ٹھہرانا بہر حال غلط ہے۔اسی طرح اہل حدیث میں سے کسی شخص کے انفرادی اجتہاد ورائے سے پوری جماعت اہل حدیث کو مجرم قرار دینا غلط ہے۔

ثانیاً:-بلاشبہ گوشت خرید کر صدقہ کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی مگر یہ مؤقف صرف مولانا عبدالوہاب کا ہی نہیں بلکہ معروف صحابی حضرت ابن عباسؓ کا بھی ہے۔انہوں نے اپنے مولیٰ ابن عمیر کو دو درہم دیکر کہا کہ اس کا بازار سے گوشت خرید کر لاؤ اور جو ملے اس سے کہو کہ یہ ابن عباسؓ کی طرف سے قربانی ہے۔ (المحلی بالاثار ص10ج6)

جو توجیہ اور جواب آپ ابن عباسؓ کے فتویٰ کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے مولانا مرحوم کے فتویٰ کا سمجھ لیجیے گا۔

ہماری تو آنکھ کا تنکا بھی آپ کو نظر آگیا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی آپ کو نظر نہیں آتا۔ سنئے مولانا غلام مرشد صاحب حنفی دیوبندی سابقہ خطیب بادشاہی مسجد لاہور نے ایک بار خطبہ عید میں کہا تھا کہ قربانی پر حکومت کی طرف سے منصوبہ بندی کر کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کر دی جائے تو اس رقم کی ادائیگی سے مذہباً قربانی تصور کی جائے گی۔

(روزنامہ نوائے وقت 20 جولائی 1959ء بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص80 ج13)

یہ فتویٰ مولانا عبدالوہابؒ کے فتویٰ سے زیادہ غلط اور نتائج کے لحاظ سے سنگین ہے۔ رہا انڈے کی قربانی کا مسئلہ تو اس میں انہوں نے حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ص140 ج4) میں لکھا ہے کہ

حدیث جمعہ میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ میں سب سے پہلے آیا اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد آنے والے کو گائے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آئے اس کو بکرے بھیڑے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آیا اس کو مرغ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے بعد آیا تو اس کو انڈے کی قربانی کا ثواب ملے گا۔ (انتہیٰ)

مفتی غرباء اہل حدیث نے جس حدیث کی نشان دہی کی ہے وہ (بخاری ص 121 ج1 و مسلم ص282 ج1) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں لفظ ھدی ہے جو بمعنی قربانی مستعمل ہے۔ عام کتب لغت' مگر اس حدیث میں اس کا استعمال بمعنی صدقہ ہوا ہے جیسا کہ محدث مبارکپوری نے صراحت کی ہے۔

مرعاۃ ص462 ج4 یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے۔ (فتح الباری ص293 ج2)

الغرض یہاں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں خطاء کی ہے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہی ہو گی کہ احناف کے نزدیک مفتی اگر خطاء بھی کرے تو تب بھی ماجور ہوتا ہے۔

اور بخاری ص1092 ج2 و مسلم ص76 ج2 کی حدیث آپ کا مستدل ہے۔

اس اجر کی وجہ دیوبندی یہ بیان کرتے ہیں مفتی نے تحقیق حق کے لیے کوشش تو کی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کا فتویٰ حقیقت میں غلط ہے۔

اگر آپ کو ہماری اس حدیث سے اتفاق نہیں تو نہ سہی مگر اپنے استاذ المکرّم کی تالیف (الکلام المفید ص 167) کا ضرور مطالعہ کر لینا۔ جہاں انہوں نے اس پر جی بھر کے لکھا ہے۔ امید ہے کہ اس سے آپ ضرور اتفاق کریں گے۔

ثم اقول! آپ کو مولانا عبدالوہابؒ ملتانی سے تو اختلاف ہے جبکہ آپ نے صحابہ کو معیار حق قرار دیا ہوا ہے اس مقدس گروہ میں سے حضرت بلالؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ ہے کہ مرغ کی قربانی جائز ہے۔

(المحلی بالا ثار ص 9 ج 6 مسئلہ نمبر 973 و تلخیص الحبیر ص 138 ج 4)

علامہ ابن حزم نے یہاں پر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ان سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں ہے۔ آپ ہمت کیجیے اور ابن حزم کے دعویٰ کو توڑ دیجیے ورنہ یہی دلیل آپ پر حجت ہے کہ آپ صحابہ کرام کو معیار حق قرار دیتے ہوئے بھی ان کے فتاویٰ سے اختلاف کر رہے ہیں ۔ رہا ہمارا عقیدہ اور نظریہ تو بغور سنئے کہ قرآن نے قربانی کے لیے جانوروں کا ذکر کیا ہے حدیث صحیح میں آتا ہے کہ

(لاتذبحوا الامسنة الاان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان)

(مسلم ص 155 ج 2)

یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی میں نہ ذبح کرو مگر دو دانتہ۔ ہاں اگر دو دانتہ میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ قربانی کے لیے مسنہ ہونا شرط ہے اور بامر مجبوری بھیڑ کے کھیرے کی قربانی جائز ہے۔

ظاہر ہے کہ پرندہ اور انڈہ نہ مسنہ ہو سکتا ہے نہ کھیرا' بایں وجہ ان صحابہ کرام اور مولانا عبدالوہاب کا فتویٰ حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے۔

ثالثاً:- آپ نے جو نمبر 1,2,3,4 میں مظالم روپڑی کے حوالے سے عبارات ذکر کی ہیں وہ آپ کا کذب اور غلط بیانی ہے۔ہم نے مظالم روپڑی کو متعدد بار بغور دیکھا ہے اس میں کوئی ایسی عبارت نہیں ہے اور نہ ہی آپ مولانا عبدالوہابؒ ملتانی کی کسی کتاب سے ایسی عبارات پیش کر سکتے ہیں۔ مولانا عبدالوہابؒ ملتانی فرماتے ہیں کہ

بھائی میرا کب دعویٰ ہے امامت مثل ابو بکرؓ صدیق کا

(بحوالہ مقاصد الامامۃ ومناقب الخلافۃ ص 6)

عزیز بھائی بات صرف یہ ہے کہ جب ہندوستان میں اسلامی حکومت کو انگریز نے طاقت کے بل بوتے پر ختم کر دیا تو مولانا عبدالوہابؒ نے جماعت غرباء کی بنیاد رکھی۔ جس میں شورائی نظام سے ان کو امام منتخب کر لیا گیا اور باقی لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ جس کا مقصد دوبارہ احیاء خلافت تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ لوگ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسی بیعت کے ناجائز و حرام ہونے کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے اس کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے ذرا اپنے فرقہ دیابنہ کے حالات کا خوب جائزہ لے لینا کیونکہ ان میں بیعت کا رجحان آج بھی موجود ہے بلکہ آپ کے ہاں تو فوت شدہ بزرگ کے نام پر بھی بیعت کی جاتی ہے۔ مولانا عبیدالرحمٰن محمدی صاحب کا چشم دید بیان ہے کہ رائیونڈ میں سالانہ اجتماع 1993ء میں مولانا انعام نے تبلیغی لوگوں سے اپنے ہاتھ پر مولانا محمد الیاس کی بیعت لی تھی۔ جس کی کیسٹ مرکز الدعوۃ والارشاد لاہور سے مل سکتی ہے ۔دیکھئے (تبلیغی جماعت ص 21,23)

یہ بدعی بیعت کا طریقہ کہ زندہ عالم فوت شدہ کے نام پر لوگوں سے بیعت لے' تو آپ کو نظر نہیں آیا مگر مولانا عبدالوہابؒ اور ان کی جماعت کی بیعت آپ کو کھٹکتی ہے۔ غالباً آپ کو بدعت سے پیار اور سنت سے عداوت ہے۔اس بات کی تائید اکابر دیابنہ کے رویہ سے بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے دین میں بے شمار بدعات ایجاد کر رکھی ہیں۔اسی وجہ سے یہ حضرات جب تبلیغی چلہ وغیرہ پر جاتے ہیں تو ان لوگوں کی اقتداء میں بھی نماز ادا کر لیتے ہیں

جن کو یہ حضرات بدعتی و مشرک قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی بدعات اور شرکیہ عقائد کی تردید نہیں کرتے اور نہ ہی جہاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ کو میری اس بات پر یقین نہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی آپ آئیے میں اور آپ دونوں تبلیغی جماعت میں تین دن لگاتے ہیں جس میں تبلیغی نصاب کی بجائے قرآن و سنت کا درس ہوا کرے گا۔ جس کو یہ راقم اور آپ باری باری توحید اتباع سنت' اور رد بدعات اور دعوت جہاد پر دیا کریں گے۔ ان تینوں مضامین سے جس ایک کو آپ چاہیں منتخب کرلیں اور تیسرے کو خاکسار اور آپ باری باری بیان کریں گے مگر یہ راقم پورے وثوق اور یقین کامل سے کہتا ہے کہ آپ کے اکابر اس کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ دیابنہ کو توحید سے ضد اور شرک سے پیار' سنت سے دشمنی اور بدعات سے محبت' جس کی متعدد مثالیں علماء دیوبند کی کتابوں میں موجود ہیں تسبیح سے لگاؤ اور جہاد سے نفرت ہے۔

۔ حالانکہ توحید اسلام کی بنیاد' اتباع سنت طریق المومنین اور جہاد اسلام کی چوٹی ہے اس قدر بدعات اور مبتدعین سے پیار و محبت اور الفت کے باوجود آپ کا دعویٰ اہل سنت ہونے کا ہے۔

نماز کے بعد اجتماعی دعا

فرماتے ہیں غیر مقلدین حضرات فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کو بدعت کہتے ہیں دعا نہ مانگنے والوں کے خلاف حال ہی میں ایک غیر مقلد مولوی بشیر الرحمٰن سلفی نے کتاب لکھ ماری ہے۔ اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا بدعت نہیں سنت ہے......اب بھی کہو کہ ہم میں اختلاف نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 66)

الجواب :- اولاً :- نفس دعا سے تو کسی کو اختلاف نہیں اختلاف تو بعد نماز دعا کی کیفیت سے ہے کہ جو عام مساجد میں نماز کے بعد دعا کو امام التزام کے ساتھ اجتماعی صورت میں مانگتا ہے اور مقتدی پیچھے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں اس ہیئت اور کیفیت پر آپ کے پاس کوئی دلیل

شرعی ہے تو بیان کیجیے۔

ثانیاً:- یہ اختلاف فقط اہل حدیث ہی میں نہیں بلکہ مبتدعین دیابنہ میں بھی اختلاف ہے اور حکیم عماد الدین حنفی دیوبندی نے اس کے رد پر التحقیق الحسن فی نفی الدعا الاجتماعی بعد الفرائض والسنن کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب بھی تالیف کی ہے جو اڑھائی صد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے چھتیس (۳۶) اکابرین علماء دیوبند کی عبارات نقل کی ہیں کہ یہ دعا بدعت ہے جس میں مولانا انور شاہ کاشمیری (عرف الشذی ص 86 ج 1)، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی (مجموعہ فتاویٰ ص 100 ج 2)، مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ص 578 ج 3) اور مولانا محمد یوسف بنوری جیسے اکابر دیوبند شامل ہیں۔

(التحقیق الحسن ص 17 تا 47)

ثالثاً:- قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ دعا کا ثبوت قرآن و حدیث میں قطعاً نہیں ظاہر ہے کہ دعا عبادت ہے۔ اور عبادت کا جو طریقہ شریعت میں منقول نہیں وہ بدعت ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد))

یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہماری طرف سے کوئی ثبوت نہیں تو وہ کام مردود ہے۔

(بخاری ص 1092 ج 2 و مسلم ص 77 ج 2)

فقہاء احناف نے اسی وجہ سے ہی طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت کے علاوہ نفل پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

((لانه علیه السلام لم یزد علیها))

اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔ (ہدایہ ص 70 ج 1)

جبکہ جو حضرات نماز کے بعد اجتماعی دعا کو سنت قرار دیتے ہیں وہ اس کا ثبوت دینے کی بجائے عام دعا کی روایات نقل کرتے ہیں۔

مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ

الاحتجاج بالعموم انماینبغی فیما لم یرد للخاص حکم علیحدة ونفس ثبوت الرفع فی الدعاء امر اخرغیران الادعیة ﷺ فی اثر المکتوبات لم یثبت فیها الرفع

یعنی دلیل عام کے ساتھ حجت پکڑنا وہاں مفید ہے جہاں خاص کا حکم علیحدہ وارد نہ ہوا ہو۔ اور یہ نفس دعاء کے اندر ایک علیحدہ چیز ہے مگر فرضوں کے بعد ہاتھ کھڑا کر کے دعائیں مانگنا آپ ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں۔

(معارف السنن ص410ج3)

اس سے چند سطور پر پہلے فرماتے ہیں کہ

(قد راج فی کثیرمن البلاد الدعاء بهیئة الاجتماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوٰت المکتوبة ولم یثبت ذلك فی عهده ﷺ)

بہت سے شہروں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی شکل میں دعا کرتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ تھا۔

(معارف السنن ص409ج3)

آپ علمائے اہل حدیث کی فکر نہ کیجیے ذرا ہمت کریں اور مولانا بنوری کے رد کے لیے کتب حدیث کا مطالعہ کیجیے اور صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث پیش کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگی ہو۔ مگر یاد رکھیئے کہ اگر آپ پوری زندگی بھی محنت کریں تو آپ کو ناکامی ہی ہو گی۔ جب آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں تو بحکم حدیث یہ مردود ہی ہے۔ اگر آپ کا دل اس حدیث کو نہیں مانتا تو یہ الگ بات ہے۔

بھینس کی قربانی

فرماتے ہیں کہ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھینس کی قربانی کو حرام

کہتے ہیں۔ مولوی سلطان محمود جلال پوریؒ حلال کہتے ہیں۔ دونوں اہل حدیث بھی کہلواتے ہیں دونوں اختلاف کو مٹانے کے بھی قائل ہیں۔ دونوں فقہ (حنفی) سے بیزار بھی ہیں۔ پھر یہ اختلاف کیوں ہو رہا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 66)

الجواب :- اولاً :- بھینس کی قربانی کا مسئلہ اجتہادی ہے۔ کیونکہ عرب میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ (بلکہ آج بھی) کے دور میں بھینس کا وجود نہ تھا۔ بلکہ یہ جانور خالص علاقہ عجم سے تعلق رکھتا ہے۔ جن لوگوں نے اسے گائے کی جنس میں سے قرار دیا انہوں نے اس کی قربانی کا بھی فتویٰ دیا اور جنہوں نے اس کو علیحدہ جنس قرار دیا انہوں نے قربانی کی ممانعت کا فتویٰ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نصوص کا اختلاف نہیں بلکہ اجتہاد کا اختلاف ہے اور اجتہادی اختلاف کو اصولاً اختلاف نہیں کہا جاتا۔

مثلاً چار آدمی جنگل میں سفر کر رہے ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو چاروں اپنی اپنی کوشش اور اجتہاد سے علیحدہ علیحدہ رخ کر کے اسے سمت قبلہ سمجھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز تو چاروں کی ہو گئی حالانکہ ایک نے 'مشرق کی طرف منہ کر کے دوسرے نے مغرب کی طرف اور تیسرے نے جنوب کی طرف اور چوتھے نے شمال کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی تھی۔ اجتہاد تو صرف ایک کا درست تھا جس نے قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کی۔ مگر کوئی اصولی اور فقہی اس کو اختلاف نہ کہے گا۔ اختلاف تو تب ہوتا جب یہ کسی شہر میں ہوتے' جس میں ہزاروں مساجد موجود تھیں۔ قبلہ کی صحیح سمت بتانے والے لاکھوں انسان حاضر تھے۔ مگر پھر بھی کسی اور سمت منہ کر کے نماز ادا کرتے۔ اسی طرح بھینس کی قربانی کا مسئلہ اجتہادی ہونے کی وجہ سے گو فتاویٰ کے لحاظ سے مختلف ہیں مگر اصولاً متفق ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہو کہ جنہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے حرام کسی نے بھی نہیں کہا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔

محدث روپڑی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید پارہ 8 رکوع 4 میں ہے (**بهيمة الانعام**) کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ دنبہ' بکری' اونٹ گائے' بھینس ان چار میں نہیں۔ اور قربانی

کے متعلق حکم ہے(بھیمة الانعام) سے ہو اس بنا پر بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ہاں زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھینس کا حکم گائے والا ہے جیسے گائے تیس راس ہو جائیں اور وہ باہر چرتی ہوں' ان کا چارہ قیمتاًنہ ہو' ان میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی۔اس طرح بھینس میں جب ان کی گنتی تیس ہو جائے وہ باہر چرتی ہوں' ان کا چارہ قیمتاًنہ ہو تو ایک سال کا بچہ یا بچی زکوٰۃ ہے۔

(موطاامام مالک باب ماجاء فی صدۃ البقرۃ)

یاد رہے کہ بعض مسائل احتیاط کے لحاظ سے دو جہتوں والے ہوتے ہیں اور عمل احتیاط پر کرنا پڑتا ہے۔ام المومنین سیدہ سودہؓ کے والد زمعہ کی لونڈی سے زمانہ جاہلیت میں عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا۔جس سے لڑکا پیدا ہوا جو اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا۔زانی مر گیا اور اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص ؓ کو وصیت کر گیا کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے اس کو اپنے قبضہ میں کر لینا۔فتح مکہ کے موقع پر سیدنا سعد بن ابی وقاص نے اس لڑکے کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔زمعہ کے بیٹے نے کہا میرے باپ کا بیٹا ہے لہٰذا میرا بھائی ہے اس کو میں لوں گا۔

مقدمہ دربار نبویؐ میں پیش ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

(الولد للفراش وللعاجر الحجر)

(مشکوٰۃ باب اللعان فصل اول)

یعنی اولاد بیوی والے کی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔یعنی وہ ناکام ہے اور اس کا حکم سنگسار کیا جانا ہے۔

بچہ سودہؓ کے بھائی کے حوالے کر دیا۔جو سیدہ سودہؓ کا بھی بھائی بن گیا۔لیکن سیدہ سودہؓ کو حکم فرمایا کہ اس سے پردہ کرے۔کیونکہ اس کی شکل وصورت زانی سے ملتی جلتی تھی جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ زانی کے نطفہ سے ہے۔اس مسئلہ میں شکل وصورت کے لحاظ سے تو پردہ کا حکم ہوا اور جس کے گھر میں پیدا ہوا اس کے لحاظ سے اس کا بیٹا بنا دیا' گویا احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ایسا ہی بھینس کا معاملہ ہے۔اس میں دونوں جہتوں میں احتیاط پر عمل ہوگا۔زکوٰۃ

ادا کرنے میں احتیاط ہے اور قربانی نہ کرنے میں احتیاط ہے۔اس بنا پر بھینسے کی قربانی جائز نہیں۔اور بعض نے جو یہ لکھا ہے کہ الجاموس نوع من البقر یعنی بھینس' گائے کی قسم ہے یہ بھی زکوۃ کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ص90 تا 91 ج2)

غور کیجیے کہ علماء اہل حدیث کیا کہہ رہے ہیں اور ہمارے مہربان اسے کیا باور کرا رہے ہیں۔شاید ان جیسے فقہی لوگوں میں شریعت کے تمام احتیاطی فتاویٰ میں حرمت ہے۔اسے کہتے ہیں جو کالا وہی میرے باپ کا سالہ۔

نماز جنازہ آہستہ یا بلند

فرماتے ہیں سارے غیر مقلد اہل حدیث جنازہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔لیکن لشکر طیبہ کے مفتی مبشر صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ آہستہ پڑھنا ہی زیادہ قوی ہے۔

(رسالہ الدعوۃ ستمبر 1996ء ص 36,37)(تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً :- ہمارے بھائی محمد اسماعیل جھنگوی ابو بلال کو فن مغالطہ میں کمال مہارت ہے۔وہ فریق مخالف کی بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے کہیں بھی نماز جنازہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت کا فتویٰ نہیں دیا۔

آپ کا مفصل فتویٰ ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ

نماز جنازہ میں قرأت جہراً (بلند) وسراً (آہستہ) دونوں طرح درست ہے۔البتہ دلائل کی رو سے سراً پڑھنا زیادہ بہتر واولیٰ ہے۔

سری پڑھنے کے دلائل یہ ہیں

(۱) سیدنا ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

((السنة فی الصلاة علی الجنازة ان یقرا فی التکبیرة الاولیٰ بام القرآن مخافتة ثم

يکبر ثلاثا و التسليم عند الاخر))

(نسائی ص280ج1 والمحلی ص129ج5وشرح معانی الاثار ص288ج1)

نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھے' پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے پاس سلام پھیرے۔ یعنی تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ آہستہ پڑھے پھر باقی تکبیرات میں جیسا کہ دیگر احادیث میں صراحت ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے پھر تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔ بعض صحیح روایات میں چار سے زائد تکبیرات کا بھی ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (احکام الجنائز للشیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ)

امام شافعی رحمہ اللہ نے (کتاب الام ص 391ج 1) پر اور انہی کی سند سے (امام بیہقی سنن الکبریٰ ص 39ج 4) پر اور امام ابن الجارود (المنتقی ص 265) پر لائے ہیں کہ ابوامامہؓ کی مذکورہ حدیث ہے۔

ان السنة فی الصلاة علی الجنازة ان یکبرالامام ثم یقرأ بفاتحة الکتاب بعد التکبیرات الاولی سراً فی نفسه ثم یصلی علی النبی ﷺ ویخلص الدعاء للجنازة فی التکبیرات لایقرا فی شی منهن ثم یسلم سراً فی نفسه والسنة ان یفعل من ورأء مثل ما فعل امامة

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ آہستہ آواز میں پھر (تکبیر کے بعد) نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر باقی تکبیروں میں میت کے لیے خلوص دل سے دعا کرے اور ان تکبیروں میں قراۃ نہ کرے۔ پھر آہستہ سلام پھیر دے اور سنت یہ ہے کہ مقتدی بھی وہ عمل کرے جو اس کا امام کرے۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

واصحاب النبی ﷺ لایقولون بالسنة والحق الا لسنة رسول الله ﷺ ان شاء الله تعالیٰ

یعنی اصحاب نبی ﷺ کسی مسئلہ کے بارے میں کہیں کہ یہ سنت اور حق ہے تو اس کا مطلب محض یہی ہوتا ہے کہ یہ سنت نبوی ﷺ ہے۔ ان شاء اللہ۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأۃ آہستہ کرنا مسنون ہے اور سر انی نفسہ مخافتۃ کے الفاظ اس مسئلہ پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں۔

اور جہری قرأۃ کرنے کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ

سیدنا عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ

((صلی رسول ﷺ علی جنازۃ فحفظت من دعائه وهويقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه الحديث))

رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی میں نے آپ ﷺ کی دعا سے یاد کر لیا آپ کہہ رہے تھے اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر اور اس کو عافیت و معافی سے نواز دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابی نے آپ ﷺ کے جنازہ پڑھانے سے یہ دعا حفظ کی اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب آپ ﷺ نے جہری پڑھا ہو۔

بہر کیف سری پڑھنا حدیث سے صراحتاً اور جہری پڑھنا استدلالاً ثابت ہے۔ اس لیے آہستہ پڑھنا زیادہ قوی و بہتر ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب (احکام الجنائز) ملاحظہ کریں۔

(آپ کے سوال قرآن و سنت کی روشنی میں ص225ج1)

اس عبارت کو مکرر پڑھیئے اور غور کیجیے کہ ہمارے بھائی کیا کہہ رہے ہیں اور ابو بلال صاحب اس سے کیا کشید کر رہے ہیں۔ مولانا ربانی نے جو کچھ بھی زیب رقم فرمایا ہے وہی اکابر اہل حدیث کا مؤقف ہے۔ جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے (نیل الاوطار ص70ج4) میں 'نوابؒ صاحب نے (السراج الوہاج ص300ج1) میں' محدث عظیم آبادی نے (عون المعبود ص389ج3) میں' محدث مبارکپوری نے (تحفۃ الاحوذی ص142ج2) میں' محدث رحمانیؒ نے (مرعاۃ ص383ج5) میں اور محدث روپڑیؒ نے (فتاویٰ اہل حدیث ص121ج2)

میں اپنے تائیدی فتویٰ میں صراحت کی الغرض سیدنا عوف بن مالکؓ کی صحیح حدیث (مسلم ص 311ج 1) سے نماز جنازہ کا بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے مگر حنفی اس سنت کے منکر ہیں اور ابوبلال عیاری سے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وتروں میں قنوت کا محل

فرماتے ہیں سارے وہابی کہتے ہیں بلکہ اس پر عامل ہیں کہ دعاء قنوت وتروں میں رکوع کے بعد ہونی چاہیے لیکن لشکر طیبہ کے مفتی مبشر صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع سے پہلے بہتر ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب:- اولاً:- خاکسار بلکہ یہاں کی پوری جماعت اہل حدیث وتروں میں قنوت رکوع سے پہلے کرتی ہے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ غلط بیانی کی ہے کہ سارے وہابی رکوع کے بعد مانگنے پر عامل ہیں۔

ثانیاً:- مولانا مبشر احمد ربانی نے (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1182 ونسائی ص235ج 3ودار قطنی 131ج 2وبیہقی 40ج 3) سے سیدنا ابی بن کعبؓ کی صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر میں قنوت رکوع سے پہلے مانگتے تھے (آپ کے سوال الخ ص167ج 1)۔ لہٰذا ابوبلال کا اسے ربانی صاحب کی طرف نسبت کر کے اہل حدیث کو مطعون کرنا غلط بیانی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو زیب رقم فرمایا ہے وہ حدیث نبوی ہے۔ جو عین اہل حدیث کا مسلک ہے۔

ثالثاً:- جن لوگوں نے رکوع کے بعد دعا کا محل بتایا ہے وہ قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں فرق کے قائل نہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے (صحیح بخاری کتاب   میں باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ) میں جن احادیث کو بیان کیا ہے ان کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے۔ اسی ترجمہ باب سے ہی بعض اہل حدیث کو اشتباہ ہوا ہے اور انہوں نے سیدنا انسؓ سے مروی روایات کو قنوت وتر پر محمول کیا ہے (صلوٰۃ الرسول) حالانکہ محقق (صلوٰۃ الرسول نے ص 589) پر

اس کی مفصل تردید بھی کی ہے۔ باقی رہا مؤلف (تحفہ اہل حدیث) کا اسے اختلاف باور کرانا تو جواباً عرض ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں بھی مختلف فیہ تھا۔ جیسا کہ (فتح الباری ص393 ج 2) میں ہے اور صحابہ کرام مؤلف تحفہ ٔاہل حدیث ' کے نزدیک معیار حق ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص53)

فما کان جوابکم فھو جوابنا

بغیر خطبہ کے نماز جمعہ

تحریر کرتے ہیں شوکانی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ بغیر خطبہ کے جمعہ ہو جاتا ہے۔ روضہ الندیہ' اور 'وحید الزمان فرماتے ہیں کہ بغیر خطبہ کے جمعہ نہیں ہوتا۔

(ھدیہ المھدی' تحفہ اہل حدیث ص67)

الجواب:- اولاً:- نواب صاحب نے تو بلاشبہ یہ بات کہی ہے مگر علامہ شوکانی کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے۔ ہاں انہوں نے اس کے وجوب سے انکار ضرور کیا ہے۔ اور سنت مؤکدہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے (نیل الاوطار ص282ج3)

ثانیاً:- نواب صاحب کے قول کے برعکس تعامل اہل حدیث ہے اور اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی ہے کہ فلاں مقام پر اہل حدیث بدون خطبہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ بلکہ محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ حق جمہور کے ساتھ ہے کہ خطبہ واجب ہے۔ (عون المعبود ص429 ج1)

ثالثاً:- بدون خطبہ کے جواز نماز جمعہ کے قول میں نواب صاحب منفرد ہی نہں بلکہ معروف تابعی امام حسن بصری اور امام ابن سیرین اور داؤد ظاہری اور علامہ ابن حزم ان کے ساتھ ہیں۔ (المحلی بالاثار ص264ج3)

پس جو جواب مؤلف امام حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقوال کا دے گا وہی جواب ہماری

طرف سے نواب صاحب کا سمجھ لیجیے گا۔

رابعاً:- حنفیہ جن دلائل سے جمعہ کے لیے خطبہ کا وجوب ثابت کرتے ہیں انہیں دلائل سے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا اور خطبہ کھڑے ہو کر دینا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مگر کتنے ستم کی بات ہے خطبہ کو تو یہ لوگ فرض وواجب قرار دیتے ہیں مگر درمیان بیٹھنے کو سنت کہتے ہیں۔

امام ابن حزم ان کے تناقض پر بات کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

(ثم تناقض فقالا ان خطب جالسا اجزاه وان خطب خطبة واحد اجزاه وان لم يخطب لم يجزه)

(المحلی بالا ثار ص263ج3)

پھر ان کے اقوال میں تناقض ہے کہتے ہیں کہ اگر خطبہ بیٹھ کر دیا جائے یا ایک ہی خطبہ دیا جائے تو کفایت کر جاتا ہے۔ اور اگر خطبہ نہ دیا تو جائز نہیں۔ (حالانکہ ان کا ثبوت تو ایک ہی دلیل سے ہے)

خامساً:- حضرت نواب صاحب کثیر التصانیف تھے اور (الروضۃ الندیۃ) ان کے دور اول کی کتاب ہے۔ جبکہ شرح مسلم ان کی آخری کتب میں سے ہے۔ جسے مؤلف نے 1298ھ میں تحریر کرنا شروع کیا اور 1301ھ میں مطبع الصدیقی بھوپال سے شائع کیا تھا۔ جس میں انہوں نے امام حسن بصری وغیرہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے خطبہ فرض اور شرط ہے۔

(السراج الوہاج ص262 تا263ج1)

جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنے پہلے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔ فلا اعتراض

لیکن اگر اب بھی ابو بلال صاحب کی تسلی نہیں ہوئی اور وہ اسے اختلاف ہی کہتے ہیں اور نواب صاحب کے پہلے فتویٰ پر ہی بضد ہیں تو سنیے کہ حنفیہ کے نزدیک خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط (فرض) ہے اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اس کا آنحضرت ﷺ سے

ترک ثابت نہیں۔

(ھدایہ مع فتح القدیر ص28ج2)

یہی دلیل امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ) میں دی ہے۔ مگر علامہ ماردینی حنفی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجرد فعل نبوی ﷺ سے اس کا وجوب ثابت کرنے میں نظر ہے۔

(الجوہر النقی ص196ج3)

لیجیے انہوں نے وجوب سے ہی انکار کر دیا ہے۔

فماکان جوابکم فھو جوابنا

سادساً:- آپ کو نواب صاحب کا فتویٰ تو بھولتا نہیں مگر اپنی فقہ پر آپ نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ان کے فتویٰ سے ہزار گنا بدتر فتوے فقہ حنفی میں ہیں۔ مثلاً

یہی کہ خطبہ بغیر طہارت کے جائز ہے۔ بلکہ اگر غسل جنابت بھی نہ کیا ہو تب بھی خطبہ جائز ہے۔ پھر آپ کے نزدیک خطبہ بھی صرف ایک ہی فرض ہے اور وہ صرف الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھی ہو جاتا ہے۔

(حلبی کبیر ص556 تا 557 و فتاویٰ شامی ص150ج2)

اگر آپ حنفی ہیں تو ایسا عمل کر کے دکھایئے کہ اذان کے بعد خطبہ بدون غسل پڑھیے جو صرف الحمد للہ وغیرہ ہی ہو۔ پھر غسل جنابت کر کے آیئے اور لوگوں سے کہیے کہ میں نے فقہ حنفی پر عمل کیا ہے۔ پھر قدرت الٰہی کا نظارہ دیکھنا کہ ہر کلمہ گو خواہ دیوبندی ہو یا کوئی اور وہ آپ کو کیا کچھ کہتے ہیں۔ مگر قوی امید ہے کہ آپ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔

نماز میں قرأۃ قرآن کا مسنون طریقہ

فرماتے ہیں وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے (ھدیۃ المھدی) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ابتداء نماز میں مسنون اور بس۔

(الروضہ الندیہ 'تحفہ اہل حدیث ص68)

الجواب:- اولاً:- قاضی ابویوسف کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے جس کی وجہ سے اسے امام اور مقتدی دونوں ہی پڑھیں گے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ تعوذ قرأۃ کے لیے ہے اس لیے امام ہی پڑھے گا۔

(حلبی کبیر ص303 و فتاویٰ شامی ص490ج1)

ظاہر ہے کہ یہ شدید اختلاف ہے اس کا حل تم نکال دو تو مذکورہ اختلاف کا حل ہم سے وصول کر لینا۔ اگر آپ کہہ دیں کہ فتویٰ قول امام پر ہے اور قاضی ابویوسف کی بات کو ہم قبول نہیں کرتے تو ہم کہتے ہیں کہ

نواب صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے ہم نے قبول کیا اور وحید الزمان کے قول کو ہم نے بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ حضرت نواب صاحب فرماتے ہیں کہ

(فقد ثبت بالاحاديث الصحيحة ان النبی ﷺ كان يفعله بعد الاستفتاح قبل القرأة ولفظه اعوذبالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه)

(کما اخرجہ احمد واہل السنن من حدیث ابی سعید الخدری 'الروضۃ الندیہ ص100ج1)

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے افتتاح کے وقت قرأۃ سے پہلے تعوذ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد اور سنن اربعہ میں یہ روایت حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے۔

ثانیاً:- وحید الزمان ہی آنکھ کا شہتیر کیوں بنا ہوا ہے جبکہ حضرت حسن بصری عطاء بن ابی رباح اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی مؤقف ہے کہ ہر ہر رکعت کے ابتداء میں تعوذ مستحب ہے۔

(نیل الاوطار ص205ج2 و مرعاۃ ص99ج3)

بلکہ امام ابن حزم نے تو امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

(المحلی ص278ج2 مسئلہ نمبر363)

رکوع وسجدہ میں ذکر کی مشروعیت

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع وسجدہ کی تسبیحات سنت ہیں بدور الاہلہ۔ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ واجب ہیں۔

(ہدیہ المھدی' تحفہ اہل حدیث ص68)

الجواب:- اولاً:- کیاان میں سے کسی نے ان تسبیحات کی مشروعیت سے بھی انکار کیا ہے۔ جب انکار ہی منقول نہیں تو لفظی بحث کو آپ اختلاف باور کرار ہے ہیں۔ پھر آپ پہ واضح ہو کہ نواب صاحب نے واجب کو راجح قرار دیا ہے۔

(السراج الوہاج ص200ج1)

اسی طرح امام اسحٰق بن راھویہ' امام احمد بن حنبل' امام حسن بصری اور علامہ خطابی کا بھی یہی مؤقف ہے۔

(عون المعبود ص324ج1)

واجب کی دلیل یہ ہے کہ تسبیحات پر رسول اللہ ﷺ کی مواظبت ہے۔ اگر ان کے بغیر نماز ہو جاتی تو آنحضرت ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی ان کا ترک بھی کرتے۔ آپ کو شاید یاد ہو کہ نہ ہو کہ اسی دلیل سے آپ نے نماز جمعہ کے لیے خطبہ کو فرض و واجب ثابت کیا تھا۔ مگر یہاں اسی دلیل سے جب تسبیحات واجب ثابت ہو رہی ہیں تو آپ کو اس سے تکلیف ہو رہی ہے۔

ثانیاً:- آپ کو اختلاف سے غرض نہیں اصل آپ کے لیے واجب تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک فقط جھکنے سے ہی رکوع ہو جائے گا۔

علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ

(اوترك التسبيح بالكلية جازت صلوته لعدم ركنيته)

(مستملی ص316)

یعنی اگر رکوع و سجود کی تمام تسبیحات کو (جان بوجھ کر) چھوڑ دے۔ تو اس کی نماز جائز (ہو جاتی) ہے۔

پھر اس کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ لطیفہ سے کم نہیں کہ قرآن میں رکوع کرنے کا ذکر ہے اور رکوع فقط جھکنے سے لغوی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ (مستملی ص 280)

اناللہ وانا الیہ راجعون

مگر ان کی شان میں کون گستاخی کر کے پوچھے کہ حضرت رکوع عبادت کا معاملہ ہے۔ اسے لغت کی بجائے اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ابی مطیع بلخی کا قول ہے کہ رکوع و سجود کی تسبیحات نماز کا رکن اور فرض ہیں۔ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح منیۃ المصلی فرماتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے۔ (مستملی ص 281)

شکر ہے انہوں نے شاذ ہی کہا ہے اگر آج کا کوئی متعصب حنفی ہوتا تو غیر مقلد' وہابی' نجدی' آئمہ کا گستاخ' اور جاہل جیسے القاب سے نوازتا۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کا افتراء

فرماتے ہیں کہ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ لکھنا جائز ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 68)

الجواب :- اولاً :- اگر فقط لفظ ہی لکھنے کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ اور کعبہ دونوں طرح ہی لکھنا جائز ہے۔ اور یہ الفاظ قرآن نے بیت اللہ کے لیے استعمال کیے ہیں۔ اور اگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ نواب صاحب نے کسی عالم اور استاذ کو قبلہ و کعبہ لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے تو ابو بلال صاحب نواب صاحب کی کوئی ایسی تحریر بغیر تاویل کے ثابت کریں۔ ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈریں۔

ثانیاً :- اہل حدیث کا موقف ہے کہ دین حق کے احکام ظاہر پر ہیں۔ شریعت کا کوئی حکم باطن

پر مبنی نہیں۔ جس کی وجہ سے اہل حدیث میں کوئی فتویٰ و قول فقط خصوصی محفل تک ہی محدود نہیں رہتا کہ وہ حکم شریعت عوام تک نہ پہنچے بلکہ تعامل اہل حدیث جو باہر ہوتا ہے وہی باطن اور خصوصی محفل میں بیان کیا جاتا ہے۔ الغرض ہمارا ظاہر و باطن ایک ہی ہے۔ اگر ہمارے نزدیک کسی عالم کو قبلہ و کعبہ کے جواز کا فتویٰ ہوتا تو ہم اسے برملا بیان کرتے اور اپنے جلسہ و کانفرنس میں علماء کے القاب کے ساتھ اس کا لاحقہ بھی کرتے مگر کسی اشتہار اور رسالہ اور کتاب کی اشاعت پر ہم نے کسی بھی عالم و محقق کے القاب میں اسے قبلہ و کعبہ تحریر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کی جا سکتی۔ الغرض تعامل اہل حدیث بھی اس کے کذب و افتراء ہونے کی واضح دلیل ہے۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم

ابتداء اسلام میں آنحضرت ﷺ نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آپ علیہ السلام نے زیارت قبور کی اجازت دے دی۔ حضرت بریدہ اسلمیٰ ؓ راوی ہیں کہ

(قال رسول الله ﷺ كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلے تم کو زیارت قبور سے منع کرتا تھا مگر اب زیارت کیا کرو۔

(صحیح مسلم ص314ج1)

اس حدیث کی توضیح و تشریح میں اختلاف ہے کہ آیا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ امت مرحومہ میں ابتدا سے ہی اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ ؓ مطلق جواز کی قائل ہیں اور جمہور کا یہی مؤقف ہے۔

(نیل الاوطار ص119ج4)

جبکہ بعض اہل علم کا خیال ہے اس اجازت میں عورتیں شامل نہیں اوروں کو چھوڑیئے آپ

کے علامہ عینی حنفی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ

(وحاصل الکلام ان زیارة القبور مکروهة للنساء بل حرام فی هذاالزمان)

یعنی خلاصہ کلام یہ کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور مکروہ ہے بلکہ اس زمانہ میں حرام ہے۔

(عمدۃ القاری بحوالہ عون المعبود ص212ج3)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ

(سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لایسئال عن الجواز والفساد فی مثل هذا وانما یسأل عن مقدار ما یلحقها من اللعن فیها واعلم انها کلما قصدت الخروج کانت فی لعنة الله وملائکة اذا خرجت تحفها الشیاطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنها روح المیت واذارجعت کانت فی لعنة الله)

یعنی امام قاضی سے سوال ہوا کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ ایسی جگہ پر جواز اور عدم جواز کا سوال نہیں کرتے۔ یہ سوال کرو اس عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبرستان کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے جب گھر سے باہر نکلتی ہے تمام طرفوں سے شیطان اس کو گھیر لیتے ہیں' جب قبرستان پہنچتی ہے تو میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے' جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(بحوالہ مستملی شرح منیۃ المصلی ص594)

حالانکہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور کی رخصت ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ص350ج5و مبسوط سرخسی ص10ج24 کتاب الاشربۃ باب الرخصۃ فی زیارۃ القبور' ودرس ترمذی ص328ج3)

اس وجہ سے اکابر دیابنہ نے اقرار کیا ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے۔

شارح مشکوٰۃ مولانا قطب الدین حنفی فرماتے ہیں کہ

اور بعضے کہتے ہیں کہ اجازت عام ہوئی مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی پس یہ نہی پہلے تھی اب درست ہے عورتوں کو زیارت قبور کی اور بعضے کہتے ہیں کہ اجازت مردوں ہی کو ہوئی عورتوں کے حق میں نہی باقی ہے۔......

ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے۔

(مظاہر حق ص238ج1)

اسی طرح مولانا محمود حسن خاں صاحب حنفی دیوبندی نے (الوردالشذی ص 182) میں' مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی نے (درس ترمذی ص 327ج 3) میں' برملا اعتراف کیا ہے کہ حنفیہ میں عورت کے زیارت قبور کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ ہمارے معاصر ابوبلال کو یہ گھر کا تو اختلاف نظر نہیں آیا مگر علماء اہل حدیث کے اختلاف کو دھر لیا ہے کہ

مولوی ثناء اللہؒ جواز کے اور مولوی شرف عدم جواز کے قائل ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص315'316ج1)(تحفہ اہل حدیث ص68)

اختلاف سے قطع نظر ذرا دیکھئے کہ جھنگوی صاحب کا لہجہ کتنا گستاخانہ ہے۔ ملت اسلامیہ کا مرد مجاہد جس نے ساری زندگی کفار کی تردید کرتے ہوئے گزاری اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے وہ امت مرحومہ کا ہیرو تھا۔ جن کی وفات پر مولانا محمد سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا تھا کہ مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے جس نے بھی اسلام پر حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطاء فرمائے۔ آمین

(معارف 1948ء مندرجہ یادرفتگاں ص......)

مولانا عبدالماجد دریاآبادی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

فن مناظرہ کے تو کہنا چاہئے امام تھے۔ خصوصاً آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں

'جو علاوہ بد فہم و بے علم ہونے کے بدزبان بھی ہوتے تھے۔اور شروع صدی میں ان کا فتنہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اگر مولوی ثناء اللہ ان کے سامنے آنہ جاتے تو مسلمانوں کی مغلوبانہ مرعوبیت خدا جانے کہاں تک پہنچ جاتی۔

(معاصرین ص124)

اس سلسلہ میں اگر اکابر دیابنہ کی شہادتوں کو جمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ تیار ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ جھنگوی صاحب اس غازیٔ اسلام کو مولوی ثناء اللہ کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کر رہے۔

ان کی روش سے ثابت ہوا کہ بریلوی حضرات کا یہ اعتراض کہ

آل دیوبند گستاخ ہیں اس میں شائبہ صدق ضرور ہے۔

ہاں جی! بات ہو رہی تھی علماء اہل حدیث میں اختلاف کی تو بھائی عرض ہے کہ اگر اس اختلاف کو آپ انتشار کا نام دیتے ہیں تو اسی مسئلہ میں فقہاء احناف کے اختلاف کا جواب دیجیے۔

فما کان جوابکم فھو جوابنا

جمعہ کی اذان اول

فرماتے ہیں جمعہ کی اذان اول بدعت ہے۔ جمعہ کی اذان اول سنت ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص435 ج1 و ص179 ج2' تحفہ اہل حدیث ص67)

الجواب:- اولاً:- ہم نے فتاویٰ ثنائیہ کی مراجعت کرلی ہے جلد دوم میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں۔

ثانیاً:- اسے بدعت کسی نے بھی نہیں کہا۔ شیخ الاسلام نے اسے سنت عثمانی لکھا تھا۔ جس پر تعاقب کرتے ہوئے حکیم عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ

اگر شہر کے باہر بازار میں اذان دلوائی جائے تو سنت عثمانی ہوگی ورنہ یقینی طریقہ رائجہ بدعی ہوگا۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص435 ج1)

الغرض بدعت کہنے والے نے اذان عثمانی کو بدعت نہیں کہا بلکہ عام مروجہ طریقہ کو بدعت قرار دیا ہے۔ مگر بات کا بتنگڑ بنانا جھنگوی صاحب کے بائیں ہاتھ کی بات ہے۔ انہوں نے علی الاطلاق اذان کو ہی بدعت کہہ ڈالا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ہیں سچائی کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرنے والے۔ اور دستار باندھ کر علماء کی صف میں شامل ہونے والے۔ جن کی علمی لیاقت یہ ہے کہ وہ اردو عبارت کو سمجھ نہیں پائے ۔ اور للکار رہے ہیں جبال علوم اہل حدیث کو۔

جرابوں پر مسح

فرماتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب' قائل اور شرف الدین قائل نہیں۔

(بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ ص 441 ج 1' تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً:- بلاشبہ مولانا شرف الدین مرحوم نے حضرت امر تسری رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے اور اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ حضرت امر تسریؒ کی پیش کردہ حدیث کو انہوں نے معلول قرار دیا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعاقب درست نہیں اور جرابوں پر مسح کی احادیث صحیح ہیں۔ تفصیل (ارواء الغلیل ص 137 ج 1' اور جرابوں پر مسح' مؤلفہ الشیخ محمد یحیی گوندلوی حفظہ اللہ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً:- عمل اہل حدیث بھی حضرت امر تسری کے فتویٰ پر ہے بلکہ بعض حنفی شدید سردی میں تو پکے غیر مقلد بن کر جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں امام ابو حنیفہ نے بھی عدم جواز کے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا ابو مقاتل سمر قندی بیان کرتے ہیں کہ

(دخلت علی ابی حنیفة فی مرضه الذی مات فیه فدعابماء فتوضأوعلیه جوربان فمسح علیهما)

یعنی میں امام ابو حنیفہؒ کی مرض الموت میں ان کی تیمارداری کے لیے گیا تو آپ نے پانی منگوا کر

وضو کیا پاؤں پر جرابیں تھیں تو آپ نے ان پر مسح کیا۔

(سنن ترمذی، نسخہ علامہ سندھی بحوالہ درس ترمذی ص335ج1)

صاحب ہدایہ نے بھی اس رجوع کا ذکر کیا ہے کہ

(وعنه انه رجع الى قولهما وعليه الفتوىٰ)

(ھدایہ مع فتح القدیر ص139ج1)

یعنی امام ابو حنیفہ نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر کے کہا ہے کہ جرابوں پر مسح جائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔

مگر عام حنفی اس کے منکر ہیں اور وہ اپنے امام کے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہیں جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا اپنے امام سے اختلاف ہے۔

فما کان جوابکم فهو جوابنا

مسجد میں محراب کا حکم

فرماتے ہیں کہ فتاویٰ ثنائیہ ص476ج1 میں لکھا ہے کہ مسجد کا محراب یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ جبکہ جوناگڑھی لکھتے ہیں کہ جائز ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص68)

الجواب:- اولاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا یہ صریحاً جھوٹ اور سو فیصد فراڈ ہے کہ فتاویٰ ثنائیہ میں 'مروجہ محراب مسجد کو تشبہ یہود و نصاریٰ کہا گیا ہے۔ بلکہ فتاویٰ ثنائیہ میں تو ایک درجن کے قریب علماء کے فتاویٰ ہیں کہ مروجہ محراب مسجد جائز ہے۔ اگر محمدی صاحب فتاویٰ ثنائیہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیں تو ہم ان کو انعام دیں گے ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین" کا انعام وصول کر لیں۔

ثانیاً:- ہاں البتہ آپ کے نزدیک یہ بدعت ہی ہے ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ

(ان المحاريب من المحدثات بعده ﷺ ومن ثم كره جمع من السلف اتخاذها والصلاة فيها)

(مرقاۃ ص224ج2)

یعنی مسجد میں محراب بنانا بدعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اختیار کیا گیا ہے اور تمام آئمہ (حنفیہ) اس کے بنانے اور اس کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

(قلت ماقاله القاری من ان المحاریب من المحدثات بعدﷺفیه نظرلان وجودالمحراب زمن النبی یثبت من بعض الروایات اخرج البیهقی فی السنن الکبریٰ......)

(وایضاً لایکره الصلوة فی المحاریب ومن ذهب الی الکراهة فعلیه البنیة ولایسمع کلام احد من غیردلیل ولابرهان)

(عون المعبود ص180ج1)

یعنی میں کہتا ہوں کہ ملا علی القاری کا محراب کو بدعت میں شمار کرنے میں کلام ہے۔ کیونکہ محراب کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے اور اسی طرح اس (محراب) میں نماز ادا کرنا بھی مکروہ نہیں اور جو کراہت کی طرف گیا ہے اس پر اس کی دلیل دینا واجب ہے۔ بغیر دلیل و برہان کے کسی کی بات نہیں سنی جاتی۔

حضرت محدث عظیم آبادی نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص30ج2) میں موجود ہے۔

الغرض اہل حدیث کے نزدیک مسجد میں مروجہ محراب بنانا جائز ہے اس کو بدعت اور اس کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ کہنے والے جھنگوی صاحب کے اکابر ہیں۔ یہ اب ان کی مرضی ہے کہ اپنی مساجد میں محرابوں کو گرا کر بدعت کو ختم کریں یا مبتدعین میں اپنا شمار کریں اور محراب میں نماز پڑھ کر فعل حرام کے مرتکب رہیں یا اس سے توبہ کریں۔ اگر ہم سے

پوچھتے ہو تو ہم آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ سرے سے حنفیت کو ہی ترک کریں اور عمل بالحدیث پر اپنی زندگی کا مدار بنائیں۔ کیونکہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں اراء الرجال کو حجت قرار دینا بدترین دینی بدعت ہے۔ اللہ آپ کو توفیق دے اگر آپ اس مشورہ کو قبول کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ محراب کو گرانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی فعل حرام کے مرتکب ہونگے۔

منی کی طہارت اور نجاست

فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث) منی ناپاک ہے۔

(ایضاً ص42ج1) (تحفہ اہل حدیث ص69)

الجواب:- اولاً:- جس معنی میں امام ابو حنیفہ وغیرہ نے منی کو نجس کہا ہے بایں معنی کسی اہل حدیث نے بھی منی کو نجس قرار نہیں دیا سب طاہر ہی کہتے ہیں۔ ہاں بایں معنی اس کو نجس کہتے ہیں کہ اس کے دفع ازالہ کے لیے دھونا' رگڑنا مشروع طریقہ ہے۔ محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ

(قلت لاشك ان المنى نجس بمعنى انه مامور بازالته غسلااومسحا اوفر كااو حتااو سلتا اوحكا لكن من قال بنجاسته كالامام ابى حنفية والامام مالك لم يقل بنجاسته بهذاالمعنىٰ ابكارالمنن ص ٤١)

یعنی میں کہتا ہوں کہ بلاشک و شبہ منی بایں معنی نجس ہے کہ اس کے دھونے یا ملنے یا رگڑنے یا کریدنے یا پونچھنے کا انسان شرعی طور پر مامور ہے۔ لیکن جو اسے نجاست کہتے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ' یا امام مالک رحمہ اللہ اس معنی میں کوئی بھی اسے نجاست قرار نہیں دیتا۔ (انتھی)

یہی بات علامہ شوکانیؒ نے (نیل ص 54ج 1) میں اور مولانا عبید اللہ رحمانی نے (مرعاۃ ص 196ج 2) میں کہی ہے۔ افسوس کہ جھنگوی صاحب جہالت کی وجہ سے بات تو خود نہیں سمجھ پاتے اور مورد الزام علماء اہل حدیث کو ٹھہراتے ہیں۔

ثانیاً:- بلاشبہ حنفیہ کے نزدیک منی نجس ہے مگر اس کی نجاست کو وہ بھی شدید نہیں کہتے۔
فتاویٰ عالم گیری میں ہے

(والصحیح بقاء اثر المنی بعد الفرك لایضر)

(عالم گیری ص 44 ج 1)

یعنی جب منی خشک ہو تو صحیح یہ ہے کہ ملنے اور رگڑنے کے بعد جو اثر باقی رہے گا وہ مضر (نقصان دہ) نہیں ہے۔

(الباب السابع فی النجاسۃ واحکامها)

ظاہر ہے کہ خشک نجاست کو رگڑنے اور ملنے سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ بالخصوص جب کپڑے وغیرہ پر اس کے اثرات بھی باقی ہوں۔ معلوم ہوا کہ حنفی بھی اس کی شدت نجاست کے قائل نہیں ہیں۔

ثالثاً:- ظاہر ہے کہ منی کو نجاست قرار دیکر پھر اس کے اثرات کو غیر مضر کہنا دو متضاد اقوال ہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا

اہل حدیث میں تنظیمی امور پر اختلاف

انسان کمزور و ناتواں اور عاجز ہے۔ اس کی عقل و علم اور وسائل محدود ہیں جس کی وجہ سے انسان میں فرق مراتب ہے اور ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ راشد اور جاں نثار صحابی ہیں۔ ان کی عظمت و بزرگی پر اہل سنت میں سے کسی کو بھی آج تک حرف گیری کرنے کی جرأت و ہمت نہیں ہوئی بلکہ تمام مکاتب فکر فقہی اختلاف کے باوجود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سابقین الاولین میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے وہ سرشار، اتباع رسول ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسی پیروی اسوہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دنیا میں جنت کی بشارت دی بلکہ ان کی سنت کو اپنی سنت میں داخل کیا۔

لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کفار کی تمام سنگین سے سنگین شرائط کو بھی قبول کر لیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں اختلاف کیا۔ بلکہ عموماً صحابہ کرام نے اس صلح کو اسلام کے لئے کمزوری تصور کیا۔ تو کیا کسی کو یہ کہنے کا حق مل گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ان کے وفادار نہ تھے۔ وہ ان سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔

مگر ہم کہیں گے کہ نہیں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مدبرانہ اور وحی الٰہی کے تحت تھا جس تک صحابہ کرامؓ کی نگاہ نے کام نہ کیا۔ آئندہ حالات نے واضح کر دیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط مسلمانوں کے حق میں تھیں۔

الغرض بعض تنظیمی امور میں اختلاف رائے ہونے کو فرقہ کے نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے دو فرقے بن گئے تھے۔

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ناواقف کا لاعلمی کی وجہ سے کسی چیز سے انکار کر دینا شرعاً فرقہ اور اختلاف کی زد میں نہیں آتا۔ مثلاً زید کہتا ہے کہ عدنان' جمیلہ کا رشتہ میں ماموں لگتا ہے۔ جبکہ عمر کہتا ہے عدنان والدہ جمیلہ کا حقیقی بھائی نہ تھا بلکہ جمیلہ کے نانا نے عدنان کو منہ بولا بیٹا بنایا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کا ماموں نہیں لگتا اور عدنان و جمیلہ کا نکاح جائز ہے۔ کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ یہ اختلاف رائے ہے ہر سمجھ دار یہی کہے گا کہ زید' عدنان اور جمیلہ کے رشتہ داری سے ناواقف ہے اور عمر واقف کار ہے۔

جب قبلہ تبدیل ہوا تو حالت نماز میں ہی صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں منہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کی طرف کر لیے۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اس شخص کا انصار کی ایک جماعت پر گزر ہوا وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے ر دل

اللہ علیہ السلام کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ تو اس جماعت انصار نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

(صحیح بخاری ص 57 ج 1)

اب کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اس جماعت انصار نے رسول اللہ علیہ السلام سے اختلاف کیا تھا اور تحویل قبلہ کے وقت مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ نہیں ہرگز نہیں! کیونکہ اختلاف کے لیے علم شرط ہے۔ ہر جاننے والا یہی کہے گا کہ جماعت انصار کو تحویل قبلہ کا علم نہ تھا۔

اس طرح کی امثلہ ہم امت مرحومہ میں سے بیسیوں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارے جھنگوی صاحب ہر بات کو ہی اختلاف باور کراتے ہیں۔ جہاں دو اہل حدیثوں میں تنظیمی امور میں بعض جزوی مناسبت نہ ہو یہ اختلاف باور کراتے ہیں۔ لشکر طیبہ 'یوتھ فورس' وغیرہ بھی ان کو اختلاف نظر آتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں یہ کذب بیانی کرتے ہوئے بھی ذرا شرم وحیا کو کام میں نہیں لاتے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

"جماعت مسلمین کے غیر مقلد دوسرے غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ۔دوسرے غیر مقلدین کے ساتھ رشتے ناطے کو حرام سمجھتے ہیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں"۔

(تحفہ اہل حدیث ص 71)

مگر اس کے لیے کوئی ثبوت تو وہ نادارند۔ اگر آپ کے قول میں شائبہ صداقت ہے تو ان کے کسی مقتدر عالم کا قول بحوالہ بیان کیجیے ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈریں کہ آپ نے مر کر قبر میں پڑنا ہے۔

کسی جاہل و نادان کی بات حجت نہیں ہوا کرتی۔ 1981ء کی بات ہے کہ خاکسار حافظ آباد سے متصل ریلوے اسٹیشن گاجر گولا پر ریل کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ایک شخص نے بنچ پر جنوب کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ جب اس نے سلام پھیرا تو راقم نے اس کو مسئلہ

سمجھایا وہ کہنے لگا کہ میں آج ہی قرآن پڑھ رہا تھا وہاں ایک آیت کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا ہوا تھا کہ

جہاں بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کا منہ ہے ؟ خاکسار نے اسے آیت فرقانی کا مفہوم سمجھایا۔ سعادت مند تھا مان گیا اور شکریہ ادا کیا۔ یقین جانیے بارلیش تھا اور حنفی طریقہ کے مطابق اس نے نماز ادا کی تھی۔

یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ بریلوی تھا یا دیوبندی' یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ وكفى بالله شهيداً تو کیا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک بیت اللہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ۔یا کم از کم ان میں بعض کا عمل یہی ہے۔ نہیں ہر گز نہیں کیونکہ جاہل کا قول اور عمل حجت نہیں ہوتا۔ آپ ماضی قریب میں مرتب شدہ کسی بھی فتاویٰ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے عوام علماء سے ایسے ایسے سوال کرتے ہیں کہ مفتی کو عوام کے دینی حالات پر رونا آجاتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کا انکار ہے۔

تو کیا ان چیزوں کو پلے باندھ کر ایک دوسرے گروہ کو مطعون کرنا جائز ہے۔ ہر گز ہر گز نہیں کیونکہ عوام کا عمل شریعت میں معتبر ہی نہیں! ورنہ ملک پاکستان میں اکثریت حنفیت کی ہے۔ اس کی پارلیمنٹ میں اکثریت بھی ان لوگوں کی ہے جو حنفیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر جب نواز شریف نے نفاذ شریعت کی کوشش کی اور پارلیمنٹ سے اس کی منظوری لینے کا وقت آیا تو وہ بری طرح ناکام ہوا۔ تو کیا اب ہمیں یہ کہنے کا حق مل گیا کہ حنفیت نفاذ شریعت کو نہیں چاہتی۔ میرے بھائی نہیں۔ مگر افسوس جھنگوی صاحب دین و دنیا سے بے بہرا ہیں۔ ان کو کہیں سے بھی قول مل جائے وہ اس کو رد وہابیت کے لیے کھینچ لاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ یوتھ فورس اور لشکر طیبہ کے درمیان جو اختلاف ہے اللہ کی پناہ ایک دوسرے کے خلاف نعرہ بازی' ایک کی جماعت کا مولوی قتل ہو جائے تو دوسرے کہتے ہیں وہ مردار ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف لعنت تک بھیجی گئی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 72)

معلوم نہیں کہ جھنگوی صاحب کو یہ تمام چیزیں شیطان کی طرف سے القاء ہوئیں ہیں۔ ورنہ لشکر طیبہ یا یوتھ فورس کے کسی مفتی کا اس پر فتویٰ نقل کرتے۔ یہ راقم پورے جزم ویقین کیساتھ اس کی تردید کرتا ہے کہ جھنگوی صاحب اپنے اس دعویٰ پر کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے۔ یہ سب باتیں ان کی سینہ گزٹ ہیں۔

مگر ہم آپ کو بتاتے ہیں برصغیر میں حنفیت کی دوشاخیں ہیں۔ بریلوی اور دیوبندی۔ بریلویت کے بانی نے پوری دیوبندیت کے کفروارتداد کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ بلکہ حرمین شریفین سے بھی اس نے ان کے کفروارتداد کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جو حسام الحرمین کے عنوان سے مطبوعہ اور دستیاب ہے۔ اور دیوبندیوں نے بریلویوں کو جن القابات سے نوازا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ بدعتی 'مشرک' قبروں کی عبادت کرنے والے وغیرہ تو ان کے علماء عام تقاریر میں استعمال کرتے ہیں۔ دونوں ہی حنفی ہیں 'دیوبندی کہتے ہیں ہم پکے حنفی ہیں' بریلوی کہتے ہیں یہ کچے اور گلابی وہابی ہیں۔ اور حنفیت کے واحد ٹھیکے دار ہم ہیں ۔ مگر تقلید کے وجوب کے جب دلائل دیتے ہیں تو دونوں فریق کہتے ہیں کہ تقلید کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ انتشار سے بچاتی ہے۔

مگر ان سے کون پوچھے کہ حضرت آپ کے گھر کو تو اس نے انتشار سے نہ بچایا۔ پہلے آپ حنفی تھے' پھر دیوبندی و بریلوی ہوئے پھر حیاتی و مماتی بن گئے۔ حیاتی کہتے ہیں مماتی مشرک ہیں اور مماتی کہتے ہیں کہ حیاتی مشرک ہیں۔ اس بات کی معقولیت پر تو جھنگوی صاحب کو حرف گیری کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ بریلوی غیر مقلد ہیں۔ ان کی غیر مقلدی کی دلیل یہ عنایت کرتے ہیں کہ ان کی بعض رسومات فقہ حنفی سے ثابت نہیں ہیں۔ حالانکہ ہوائے نفس ان دونوں پارٹیوں میں موجود ہے۔ فقہ حنفی کے بعض مسائل کو یہ دونوں پارٹیاں نہیں مانتیں۔ مثلا

(۱) فقہ میں تعلیم قرآن اور امامت وخطابت پر اجرت لینا جائز لکھا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ہی پارٹیاں اجرت وصول کرتی ہیں۔

(۲) فقہ میں غائبانہ نماز جنازہ کو ناجائز لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں ہی پڑھتے ہیں۔

(۳) فقہ حنفی میں گاؤں میں نماز جمعہ اور عیدین نہیں ہوتیں۔ حالانکہ دونوں پارٹیاں گاؤں میں جمعہ و عیدین کو قائم کرتے ہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے بچی اور بچہ کا عقیقہ نہ کیا جائے۔ (الجامع الصغیر ص534) فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے یہ کراہت (حرام) کی طرف اشارہ ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ص 362ج5وشرح صحیح مسلم ص 44ج 1)للمولوی غلام رسول سعیدی بریلوی' حالانکہ دونوں پارٹیاں عقیقہ کو مسنون جان کر کرتی ہیں۔

(۵) امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف جائز نہیں۔ ھدایہ میں ہے کہ

(قال ابوحنیفة لایزول ملك الوقف عن الوقف الاان یحکم به الحاکم)

یعنی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وقف کرنے والے کے وقف کرنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم کا حکم نہ ہو جائے۔ (انتھی)

اسی کی شرح میں ابن ھمام فرماتے ہیں کہ

(فی المبسوط من قوله کان ابوحنیفة لایجیز الوقف وھومااراد المصنف)

یعنی مبسوط میں ہے کہ امام ابو حنیفہ وقف کو جائز نہیں جانتے تھے۔ اور یہی مراد (مذکورہ قول) مصنف ہدایہ کی ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ ص419ج5 کتاب الوقف)

مگر بریلوی اور دیوبندی دونوں ہی وقف کے قائل ہیں اور ان کے مدارس و مساجد کی اکثریت کا نظم و نسق ہی وقف کی آمدن پر ہے)

(۶) شوال کے ابتداء میں چھ روزے رکھنا امام ابو حنیفہ نے مکروہ کہا ہے۔

(البحر الدائق ص258ج2)

مگر دیوبندی و بریلوی دونوں ہی رکھتے ہیں اور سنت و مستحب کہتے ہیں۔

(۷) امام ابو حنیفہ مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں (ہدایہ ص 408ج 2) مگر بریلوی و دیوبندی دونوں ہی مزارعت کے قائل ہیں۔

(۸) حج کے دس دنوں میں بال اور ناخن نہ کٹوانے کو امام ابو حنیفہ نے محض مباح کہا ہے حالانکہ دیوبندی و بریلوی ان کو سنت جان کر نہیں کٹواتے۔

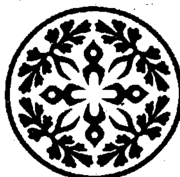
(۹) امام ابو حنیفہ کے نزدیک انڈے کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص58ج6 کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

مگر اس کے برعکس حنفی بریلوی اور حنفی دیوبندی دونوں ہی انڈے کی فروخت کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بعض نے تو اسے مستقل کاروبار بنا رکھا ہے۔

(۱۰) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی تقلید سے منع کیا۔ جبکہ آپ دونوں گروہ امام صاحب کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ:- ان دس مسائل کو ہم نے بطور نمونہ نقل کیا ہے۔ اگر اس پر ہم لکھنا شروع کر دیں تو بفضلہٖ تعالیٰ ہم سینکڑوں امثلہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر مجرد کسی جگہ پر اختلاف امام سے انسان مقلدیت سے خارج ہو جاتا ہے تو آپ دونوں حضرات ہی غیر مقلد ثابت ہوتے ہیں اور آپ کا دعویٰ تقلید جھوٹا ہے۔



فصل ششم

فقہ علامہ وحید الزمان اور علماء اہل حدیث

بلا شبہ علامہ وحید الزمان ایک فاضل شخص تھے۔ قرآن کریم اور صحاح خمسہ کا ترجمہ کر کے انہوں نے بہترین خدمت سر انجام دی ہے۔ لیکن ان کے ذاتی اجتہادات اور کتب فقہ مرتب کرنے کو علماء اہل حدیث نے ابتداء سے ہی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔
چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ
”مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے کتاب ہدیۃ المھدی تالیف کی ہے تو اہل حدیث کا ایک بڑا گروہ جیسے مولوی شمس الحق مرحوم، عظیم آبادی اور مولوی محمد حسین صاحب لاہوری اور مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولوی فقیراللہ صاحب پنجابی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرھم تم سے بددل ہوگئے ہیں اور عام اہل حدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے“۔

(لغات الحدیث ص50ج2 کتاب 'ش' مادہ شر)

مزید تفصیل دیکھنی ہو تو 'حیات وحید الزمان ص 100 مؤلف محمد عبدالحلیم چشتی طبع نور محمد اصح المطابع کراچی 1957ء کی مراجعت کریں۔

الغرض علامہ وحید الزمان عمر کے آخری حصہ میں بعض اعتقادی اور جزوی مسائل میں جمہور محدثین کرام کے مسلک سے الگ تھلگ ہوگئے تھے چنانچہ آخری تصانیف میں سے 'ھدیۃ المھدی میں ایسے ایسے عقائد انہوں نے بیان کیے ہیں جو محدثین کا مسلک قطعاً نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

(وحکی عن ابن تیمیة انه ینزل کماانانزل من المنبر) ص ۱۱

یعنی امام ابن تیمیہ سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کا نزول عرش سے ایسے ہی ہوتا ہے جیسے میں منبر سے اترا ہوں۔ (ھدیۃ المھدی ص 11)

حالانکہ عرش سے نزول کی تمثیلی کیفیت کا کوئی بھی اہل حدیث قائل نہیں ۔اورامام ابن تیمیہ پر تو یہ سراسر افتراء ہے۔جس کی تفصیل حیات شیخ السلام ابن تیمیہ ص 793 تا 898 میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہمارے شیخ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے عقیدہ اہل حدیث ص 217 میں کردی ہے۔خود امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جو کہتا ہے کہ اللہ کا نزول میرے نزول کی طرح ہے وہ خبیث گمراہ' اللہ کی صفات کو باطل کرتا ہے۔

(الماتریدیہ ص516ج3)

الغرض علامہ وحید الزمان بقول مولانا عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ تعالیٰ علم کا کباڑ خانہ تھے۔ان کے تراجم تو مستند ہیں مگر فقہ میں وہ صحیح وضعیف' درست اور باطل کا فرق کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔

مذکورہ صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔

ہمارے بھائی ابوبلال صاحب کا پیرو مرشد اور فن مغالطہ کا امام مولوی محمد امین صفدر اوکاڑوی لکھتا ہے کہ

"نواب وحید الزمان نے ہدیۃ المھدی 'نزل الابرار اور کنز الحقائق وغیرہ کتابیں لکھیں مگر ان کتابوں کا جو حشر ہوا وہ خدا کسی دشمن کی کتاب کا بھی نہ کرے۔ نہ ہی غیر مقلد مدارس نے ان کو قبول کیا کہ ان میں سے کسی کتاب کو داخل نصاب کر لیتے نہ ہی غیر مقلد مفتیوں نے ان کو قبول کیا کہ اپنے فتاویٰ میں ان کو لیتے اور نہ ہی غیر مقلد عوام نے ان کو قبول کیا۔وہ مرزا قادیانی اور سوامی دیانند کی کتابوں سے اتنا نہیں جلتے جتنا ان کتابوں سے جلتے ہیں"۔

(ملخصاً تجلیات صفدر ص621ج1)

ماسٹر امین کی یہ بات سوفیصد صحیح ہے۔واقعی یہ کتب ہماری مسلمہ نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کسی اہل حدیث ناشر نے وحید الزمان کی اشاعت کے بعد ان کو شائع نہیں کیا۔ان

کو دیوبندی شائع کرتے ہیں یا بریلوی حضرات۔اگر ہم ان پر مطمئن ہوتے تو ان کی کثرت سے اشاعت کرتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ مگر ہمارے جھنگوی صاحب ایسے فضول انسان ہیں کہ غیر مسلمہ کتب سے عبارات نقل کر کے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو بات کسی کی مسلمہ ہی نہیں اس کو بنیاد بنا کر کسی کو طعن کرنا ہی فضول اور بے کار ہے۔ مگر جھنگوی صاحب کا مقصود اہل حدیث کو دعوت فکر دینا نہیں بلکہ ان کا منشور اہل حدیث کے خلاف نفرت پھیلانا ہے۔جس کی وجہ سے وہ ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ پھر ان غیر مسلمہ کتب کی طرف جو انہوں نے مسائل منسوب کیے ہیں وہ تمام کے تمام کذب وافتراء اور مفہوم کو بیہودانہ حد تک بگاڑا گیا ہے۔

جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا افتراء

یا علی یا رسول اللہ کہہ سکتے ہیں ۔(ھدیۃ المھدی ص 24)اور یہی عقیدہ شیعہ کا ہے۔(تحفہ اہل حدیث ص75)

الجواب :- اولاً :- ھدیۃ المھدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ یا علی اور یا رسول اللہ استعانت کے لیے پکارنا جائز ہے۔بلکہ علامہ وحید الزمان تو فرماتے ہیں کہ

(فان قالوا بانه حاضر فی کل مکان وانه یسمع نداء کل من ناداه فی السمٰوت والارض فهم مشرکون خارجون عن دائرة الاسلام بلا شك)

اگر یہ کہے کہ علیؓ اور محمد مصطفیٰ ﷺ ہر جگہ حاضر ہیں اور وہ پکار کو سنتے ہیں۔خواہ پکارنے والا زمین میں ہو یا آسمانوں میں تو ایسے لوگ بلاشک وشبہ مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

(ہدیۃ المھدی ص24)

دیکھیے وحید الزمان کیا کہہ رہے ہیں اور ہمارے جھنگوی صاحب کیا بتا رہے ہیں۔

اس پرانہیں شرم ہے نہ حیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ثانیاً:- آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں شیعہ سے عقیدہ کن کا ملتا ہے ؟ آپ کے شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔

(تفسیر عثمانی ص2)

جملہ مبتدعین خواہ شیعہ ہیں یا بریلوی ان سے پوچھ لیجیے وہ مزارات پر دعائیں اور ان کو پکارتے اور استعانت غیر مستقل سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ نہ شیعہ حضرت علی کو رب کہتے ہیں نہ ہی بریلوی علی ہجویری کو خدا کہتے ہیں۔

دوسرا افترا

فرماتے ہیں کہ تفضیل شیخین پر اجماع نہیں '(ہدیۃ المھدی ص 94)اور یہی عقیدہ شیعہ کا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص76)

الجواب:- اولاً:- وحید الزمان تو فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ ھدیۃ المھدی ص94 مگر جھنگوی صاحب کلی نفی نقل کرتے ہیں جو صریحاً جھوٹ ہے۔

جہاں تک وحید الزمان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان صحابہؓ سے افضل ہیں جن کی وفات آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئی ۔اور جو صحابہ آنحضرت ﷺ کے سامنے گزر گئے جیسے حضرت حمزہؓ 'سعید بن معاذ وغیرہ ان سے بھی ابو بکر افضل ہیں یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔

(لغات الحدیث ص96ج 1 کتاب الف)

کیا شیعہ کا یہی مؤقف ہے ؟

ثانیاً:- متعدد اکابر اہل سنت تفضیل شیخین کے قائل نہ تھے۔ امام نسائی جن کی السنن صحاح ستہ میں شامل ہے انہوں نے تو اس پر مستقل ایک کتاب بھی تحریر کی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

تیسرا افترا

فرماتے ہیں خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر بدعت ہے۔
(ھدیۃ المھدی ص90)اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔(تحفہ اہل حدیث ص76)
الجواب:- یہ سب جھوٹ ہے۔"ھدیۃ المھدی" کے مذکورہ صفحہ میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔

چوتھا افترا

متاخرین علماء صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔(ھدیۃ المھدی ص 118)اور یہی شیعہ کا مؤقف ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص76)

الجواب:- اولاً:- مذکورہ صفحہ پر ایسی کوئی عبارت نہیں۔ہاں البتہ ھدیۃ المھدی کے صفحہ 90 پر وحید الزمان فرماتے ہیں کہ
علم و معرفت میں عوام صحابہ کرام سے متاخرین علماء کا علم و معرفت بڑھ سکتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ

(والمحقق ان الصحابی له من فضیلة الصحبة مالا یحصل للولی)

(ھدیۃ المھدی ص90)

یعنی تحقیقی قول یہ ہے کہ صحابی کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی فضیلت حاصل ہے جو کسی ولی کو حاصل نہیں۔(انتہی)

الغرض وحید الزمان نے صحابی کی عظمت سے بڑھ کر ہونے کی سرے سے بات ہی نہیں کی بلکہ وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ عوام صحابہ سے متاخرین علماء کا علم و معرفت بڑھ سکتا ہے ۔یہی حنفیہ کا مؤقف ہے۔ایمان سے کہنا کہ آپ کے نزدیک فقہ واجتہاد میں "امام ابو حنیفہ

بڑھ کر ہیں یا عوام صحابہ کرام؟ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ ابو حنیفہ فقہ و اجتہاد میں عام صحابہ کرام سے بڑھ کر تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ ابو ہریرہ اور حضرت جابر بن سمرہ غیر فقیہ تھے اور جبکہ احناف کے نزدیک ابو حنیفہ افقہ الناس ہیں۔

بلکہ خود امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ کے آثار کے مقابلہ میں اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتا۔

(المیزان الکبریٰ ص54 ج1 وما تمس الیہ الحاجۃ ص8)

ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ ان صحابہ کرام کے بالمقابل اپنے آپ کو افقہ و اعلم جانتے تھے۔ ورنہ ان کے آثار کے بالمقابل اپنے فتویٰ پر ضد کے چہ معنی؟

ثانیاً:- نارنگ منڈی کے "دار العلوم عربیہ حنفیہ" کے سابقہ مہتمم قاری محمد حنیف حنفی دیوبندی کا مؤقف ہے کہ یہ بات جو اہل سنت میں مشہور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ابو بکر افضل ہیں۔ میں اس بات کا قائل نہیں بلکہ مقام کے لحاظ سے آج بھی کوئی شخص ان سے افضل ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ فتویٰ مولوی محمد عیسیٰ مفتی نصرۃ العلوم، مصدقہ مولانا سر فراز خاں صفدر مؤرخہ 21 اگست 1988ء صفحہ 2)

اصل فتویٰ ہمارے پاس محفوظ ہے اگر جھنگوی صاحب دیکھنا چاہیں تو ہم خندہ پیشانی سے دکھادیں گے۔ (ان شاء اللہ) قاری صاحب آج کل جلو موڑ (لاہور) میں رہتے ہیں۔

پانچواں افترا

فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں بیوی سے لواطت جائز ہے (ھدیۃ والمھدی ص 118) شیعہ کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب:- اولاً:- ھدیۃ المھدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ بیوی سے لواطت جائز ہے۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

ثانیاً:- علامہ وحید الزمان فرماتے ہیں کہ

(قالت الحنابلة فی الدبرمثله وعندنالایکون حکم الوطی فی الدبر کحکم الوطی فی الحیض لان حرمة الاخیر قطعیة بخلاف حرمة الاول فانها ظنية)

(نزل الابرار ص67ج2)

یعنی حنابلہ کے نزدیک دبر میں جماع کرنا حیض میں وطی کرنے کی طرح ہے اور ہمارے نزدیک ایسا نہیں۔ کیونکہ اول میں جماع نہ کرنے کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ جبکہ دوم میں وطی کرنے کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔ (انتھی)

ترجمہ بخاری کتاب التفسیر باب نساء کم حرث لکم ...... کے تحت فرماتے ہیں دخول فرج میں ہونا چاہیے نہ دبر میں۔ اکثر علماء نے اس آیت کے یہی معنی رکھے ہیں۔ بعض نے کہا 'انی' 'این' کے معنوں میں ہے۔ یعنی جہاں چاہو' قبل یا دبر میں اور وطی فی الدبر کو انہوں نے جائز رکھا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

(تیسیر الباری ص380ج4 مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور 1977ء)

چھٹا افتراء

فرماتے ہیں کہ آپ بھی متعہ کے قائل ہیں۔ (ھدیۃ المھدی ص118) اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص76)

الجواب :- اولاً :- ھدیۃ المھدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ متعہ جائز ہے۔ یہ جھنگوی صاحب کا کھلا افتراء ہے۔

ثانیاً:- علامہ وحید الزمان ترجمہ سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النھی عن انکاح المتعہ کے تحت فرماتے ہیں کہ

متعہ کا نکاح یہ ہے کہ ایک معیاد معین تک نکاح کرے جیسے ایک دن دو دن ایک ہفتہ ایک ماہ ایک سال تین سال کے لیے یہ نکاح اوائل اسلام میں حلال تھا پھر حرام ہوا' پھر حلال ہوا' پھر حرام ہوا' پھر قیامت تک حرام ہو گیا۔

(ترجمہ سنن ابن ماجہ ص76 ج2 طبع اسلامی اکادمی 1990ء)

مزید فرماتے ہیں کہ اب رہا نکاح متعہ تو وہ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا' پھر جنگ خیبر کے بعد حرام ہو گیا' پھر فتح مکہ یعنی یوم اوطاس میں حلال ہوا پھر تین دن بعد ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا۔اس میں صرف روافض کا اختلاف ہے۔

(لغات الحدیث ص9 ج4 کتاب 'م' مادہ متعہ)

یہی بات انہوں نے سنن ابی داؤد ص132 ج2 کے ترجمہ میں فائدہ کے تحت لکھی ہے۔

ساتواں افترا

اس سے بھی بڑھ کر سنیے! غیر مقلد عالم وحید الزمان نے لکھا ہے ہم شیعان علی ہیں ۔ہدیۃ المھدی ص100 اب بتاؤ شیعہ اور ہم ایک ہیں یا شیعہ اور آپ ایک ہیں۔ ٹھنڈے دل سے انصاف کیجیے۔اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیے۔ (تحفہ اہل حدیث ص76)

الجواب :- اولاً:- ہم نے ٹھنڈے دل سے غور بھی کر لیا اور اللہ سے ہدایت کے بھی ہم طلب گار ہیں۔

ثانیاً:- بلاشبہ علامہ وحید الزمان نے یہ لکھا ہے کہ

(اهل الحديث هم شيعة علىؓ يحبون اهل بيت رسول الله ﷺ)

(ہدیۃ المھدی ص100)

یعنی اہل حدیث حضرت علیؓ کا گروہ ہے جو اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ (انتھی)

مگر یہاں انہوں نے رافضیوں کی بات نہیں کی بلکہ خارجیوں کے بالمقابل شیعان

علی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور یہ رافضیت قطعاً نہیں کیونکہ ہم جنگوں میں سیدنا علی مرتضٰی کو حق بجانب اور گروہ حضرت معاویہؓ کو مخطی تصور کرتے ہیں اور خارجیوں کو کافر و مرتد یقین کرتے ہیں اور ان کے بالمقابل سیدنا علی مرتضٰیؓ کے گروہ میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں اگر یہ رافضیت ہے تو تمام اہل سنت رافضی ہیں؟ کیونکہ سیدنا علیؓ مرتضٰی سے محبت ایمان کا جزو ہے۔ کیونکہ سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ

(ان لایحبنی الامومن ولایبغضنی الامنافق)

(صحیح مسلم ص60ج1)

یعنی مجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور مجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔ (انتھی)

ثالثاً:- اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب یہ باور کرا رہے کہ وحید الزمان نے اہل سنت کے بالمقابل شیعہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ کہ اہل حدیث کا گروہ رافضیوں کا ٹولہ ہے۔ حالانکہ اسی (ھدیۃ المھدی کے اسی صفحہ 100 پر انہوں نے لکھا ہے کہ ہم ازواج النبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں وہ تمام کی تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور اس پر ہمارا ایمان ہے جیسے وہ دنیا میں نبی ﷺ کی بیویاں تھیں ایسے ہی آخرت میں وہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہونگی اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ باقی ازواج سے عظمت و بزرگی میں بڑھ کر تھیں۔ (انتھی)

اب جھنگوی صاحب بتائیں کیا شیعہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ نے علامہ وحید الزمان پر افترا و کذب بیانی کر کے ان کی طرف مذکورہ تمام مسائل منسوب کیے ہیں۔ ان کا دامن ان خرافات سے پاک ہے آیئے میرے ساتھ تحریری گفتگو کر لیجیے اور میں اپنی طرف سے حضرت استاذی المکرّم مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی حفظہ اللہ کو منصف تسلیم کرتا ہوں۔

آپ اپنی طرف سے جس کو چاہیں مصنف مقرر کریں، تیسرا سرپنچ مسلمہ فریقین،

ہوگا اور منصفوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں اسی کا فیصلہ حرف آخر ہوگا اگر منصف فیصلہ آپ کے حق میں دے دیں تو خاکسار اپنی طرف سے فی مسئلہ ایک صد روپیہ نقد انعام دے گا ورنہ اللہ کا خوف کیجیے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈر جائیے۔ مگر قارئین کرام یاد رکھنا کہ جھنگوی مرنا تو قبول کرے گا مگر مردِ میدان بن کر کبھی بھی گفتگو پر راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا دل اس کے جھوٹوں پر گواہ ہے۔

آٹھواں افترا

فرماتے ہیں کہ نواب نورالحسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں صحابی کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی ص 207 ج 1) اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ (تحفۂ اہل حدیث ص 75)

الجواب:- جھنگوی صاحب نے اس قول کو علی الاطلاق ان کی طرف منسوب کر کے یہ باور کرایا ہے کہ جیسے کلی طور پر شیعہ کے نزدیک اقوال صحابہ حجت نہیں ہیں۔ اسی طرح اہل حدیث کے نزدیک بھی صحابی کا قول حجت نہیں۔ حالانکہ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ نواب صاحب نے یہ بات قطعاً نہیں کہی۔ یہ ان کا کھلا افترا اور ان کے کلام کی یہودانہ روش پر تحریف کی گئی ہے۔ سنیئے اہل حدیث کا مؤقف یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

ثانیاً:- نواب صاحب نے لوطی کی حد بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ فاعل ومفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر وہ فقہاء کا اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض نے اس کی مختلف سزائیں بیان کی ہیں جن پر کوئی حدیث دلیل نہیں اور صحابی کا اجتہاد حجت نہیں۔ (عرف الجادی ص 207 ج 1) ان کے قول کا مقصد تو یہ ہے کہ حدیث مرفوع کے بالمقابل صحابی کا قول حجت نہیں۔ مگر جھنگوی صاحب نے سیاق وسباق سے قطع نظر ان کی عبارت کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا ہے۔ حالانکہ حنفیہ کا مؤقف بھی یہی ہے۔

علامہ ابن ھمام فرماتے ہیں کہ

(ان قول الصحابی حجة مالم ینفه شیئ من السنة)

(فتح القدیر ص37ج2)

یعنی صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت میں سے کوئی چیز نفی نہ کرے (انتھی)

یہی بات مولانا عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص 222) میں' وظفر الامانی ص 180)' مولانا اشرف علی تھانوی نے (احیاء السنن ص 39) میں 'مولوی ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص116' 134' 509' ج 1) میں' ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص234ج2 طبع قدیم) میں اور جھنگوی صاحب کے استاذ المکرّم مولانا سرفراز خاں صفدر نے (حکم الذکر بالجہر ص 105) میں کہی ہے۔ الغرض اگر یہ شیعہ کا عقیدہ ہے تو خیر سے اس کے آپ کے اکابر کے علاوہ مولانا صفدرؒ کا بھی یہی عقیدہ ہے ان اکابر کی بدیت کے لیے کوئی بہانہ تلاش کیجئے۔

نانواں افتران

فرماتے ہیں کہ آپ بھی اجماع کے منکر ہیں۔ شیعہ بھی اجماع کے منکر ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص66)

الجواب :- اولاً:- ہمارے معاصر نے اس کے ثبوت میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جس کی طرف ہم مراجعت کرتے۔

ثانیاً:- جہاں تک اہل حدیث کے مؤقف کی بات ہے وہ صاف وشفاف ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ ہی قیاس۔ ہمارے نزدیک اجماع کا تیسرا درجہ ہے اس کے ہم قائل ہیں بشرطیکہ اجماع ثابت ہو زبانی جمع خرچ نہ ہو۔ اور چند فقہاء کے اقوال کو اجماع باور نہ کرایا گیا ہو' اس کے برعکس آپ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم اجماع کے قائل ہیں مگر دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی اجماع کا منکر نہیں عدم تقلید پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ (تفصیل معیار الحق ص 157) میں دیکھیے۔

کوئی صحابی بھی تقلید کا قائل نہ تھا۔ اس پر آپ ایک مثال بھی بسند صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ اس اجماع کے خلاف وجوب تقلید کے قائل ہیں۔ بلکہ اپنے مذہب کی بنیاد ہی اس اجماع کے خلاف رکھی ہے۔ الغرض ہم اجماع کے تو قائل ہیں ہاں البتہ ہمارا اور حنفیہ کا شرائط اجماع میں اختلاف ضرور ہے۔

فصل ہفتم

مذہب اہل مدینہ اور اہل حدیث

ہمارے معاصر جھنگوی صاحب نے مدینے والوں ' سے اہل حدیث کے اختلافات بھی گنوائے ہیں۔اس کے تحت وہ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے درمیان اختلاف ثابت کرتے ہیں۔حالانکہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے صرف امام مالکؒ ہی نہیں بلکہ متعدد امام ہیں جو صحابہ کی اولاد سے ہیں۔ مگر ابوبلال صاحب کو مدینہ طیبہ میں صرف ایک ہی عالم نظر آیا ہے اور ان کے مؤقف کو ہی وہ اہل مدینہ کا مؤقف باور کراتے ہیں۔جو ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاشبہ امام مالکؒ ایک عظیم الشان امام ہیں۔سنت کے فدائی اور قرآن کے عالم ہیں۔ مگر حق کا ان میں حصر نہیں۔اور نہ ہی تعامل اہل مدینہ صرف امام مالک رحمہ اللہ کے مؤقف کا نام ہے'کیونکہ امام مالک کا مدینہ کے علماء میں شمار ہوتا ہے۔الغرض علماء مدینہ کا وہ جزو تو ہیں مگر کل نہیں۔

اب آیئے ترتیب وار ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں جن کی جھنگوی صاحب نے وضاحت کی ہے۔

مسئلہ رفع الیدین:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے۔

(صحیح بخاری ص102ج1)

اس حدیث کے راوی امام مالک رحمہ اللہ ہیں اور اس حدیث پر ان کا عمل ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(روی ابن وهب والولیدبن مسلم وسعید بن ابی مریم واشهب وابوالمصعب عن مالك انه كان يرفع يديه على حديث ابن عمر هذاالى ان

مات.)

یعنی امام ابن وھب' امام ولید بن مسلم' امام سعید بن ابی مریم' امام اشہب اور امام ابو مصعب' امام مالک سے بیان کرتے ہیں کہ وہ ابن عمر کی حدیث کے موافق نماز میں رفع الیدین کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

(التمہید ص213ج9)

پگڑی پر مسح :- فرماتے ہیں کہ آپ پگڑی پر مسح کے قائل ہیں جبکہ مدینہ کا امام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

(موطا امام مالک ص23' تحفہ اہل حدیث ص77)

الجواب :- بھائی اگر امام مدینہ حضرت امام مالکؒ کو اس سنت کا علم نہیں ہو سکا تو کیا ہوا جبکہ مہاجر مدینہ اور امام الانبیاء اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے پگڑی پر مسح کرنا ثابت ہے۔

(۱) حضرت عمرو بن امیہؓ بیان کرتے ہیں کہ

((رایت النبی ﷺ یمسح علی عمامته وخفیه))

یعنی میں نے نبی ﷺ کو عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

(بخاری شریف ص33ج1)

(۲) حضرت بلالؓ راوی ہیں کہ

((ان رسول الله ﷺ مسح علی الخفین والخمار))

یعنی بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے (وضو میں) موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا۔

(صحیح مسلم ص134ج1' وابو عوانہ ص260ج1' ونسائی ص17ج1' وترمذی مع تحفہ ص106ج1)

(۳) حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو بھیجا۔ ان کو سردی لگ گئی جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو

((امرھم ان یمسحوا علی العصائب والتساخین))

نبی علیہ السلام نے ان کو پگڑی اور جرابوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔
(سنن ابی داؤد مع عون ص 56 ج 1 و مسند احمد ص 277 ج 5 و بیہقی ص 62 ج 1 و مستدرک حاکم ص 169 ج 1)
امام حاکم و ذھبی فرماتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔
(۴) حضرت سلیمانؓ فارسی بیان کرتے ہیں کہ
((فانی رایت رسول الله ﷺ یمسح علی خماره وعلی خفیه))
یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔
(صحیح ابن حبان ص 261 ج 3 رقم الحدیث (1341,1342) و مسند طیالسی ص 91 رقم الحدیث (656)
(۵) حضرت خزیمہ بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ
((ان النبی ﷺ کان یمسح علی الخفین والخمار))
بلا شبہ نبی ﷺ موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔
(معجم طبرانی الاوسط ص 256 ج 2 رقم الحدیث (1454)
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ص 256 ج 1
آپ کے استاذ المکرم فرماتے ہیں کہ اپنے وقت میں اگر علامہ ھیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔ (حاشیہ احسن الکلام ص 290 ج 1 طبع چہارم 1413ھ)
پگڑی پر مسح کرنے کی روایات متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جو تقریباً بیس کے لگ بھگ ہیں۔ اگر فریق ثانی نے اس کا جواب تحریر کیا اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو جواب الجواب میں خاکسار اس پر مفصل بحث کر دے گا۔ ان شاء اللہ اور مبتدعین کی جملہ تحریفات و تاویلات فاسدہ کو طشت ازبام کر کے رکھ دے گا۔ ان شاء اللہ
امام ترمذی پگڑی پر مسح کے قائلین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، انس بن مالکؓ، امام اوزاعی، امام احمد، امام اسحٰق، امام وکیع بن الجراح،

پگڑی پر مسح کے قائل تھے۔

(ترمذی مع تحفہ ص105ج1)

اسی طرح امام ابی ثور امام داؤد بن علی' حضرت ابی امامةؓ' حضرت سعدؓ' حضرت ابی درداءؓ' حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز' قتادہ مکحول (عون المعبود ص56ج1)
حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ' حضرت علیؓ' امام سفیان ثوری' امام حسن بصری بھی پگڑی پر مسح کے قائل تھے۔

(المحلی بالاثار ص306ج1)

سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ بالخصوص خلفاء الراشدین آپ کے نزدیک مدینہ طیبہ کے باشندے نہ تھے۔ کہ آپ ہمیں مذہب اہل مدینہ سے اختلاف کا طعنہ دے رہے ہیں۔

مزید سنیے کہ امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔ اگر سر کا کچھ حصہ مسح کرنے سے رہ گیا تو وضو نہیں ہو گا۔

(التمہید ص125ج20)

ظاہر ہے کہ یہ مؤقف حنفیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک سر کا چوتھائی حصہ فرض ہے۔ علاوہ ازیں امام مالک مطلق پگڑی پر مسح کے قائل نہیں۔

(موطا ص23)

حالانکہ حنفی ناصیہ کے ساتھ ملا کر پگڑی پر مسح کے قائل ہیں۔

فما کان جوابکم فھو جوابنا

<u>تیمم میں ایک ضرب کا ثبوت:۔</u> فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک تیمم کی ایک ضرب ہے جبکہ مدینہ کے امام کے ہاں دو ضربیں ہیں۔

(موطا' تحفہ اہل حدیث ص77)

الجواب:۔ عبدالرحمٰن بن ابزی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک شخص

آیا۔اس نے کہامیں جنبی ہو گیااور پانی نہیں پاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایاکہ تو نماز ادانہ کر (یہاں تک پانی ملے)۔ تب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے کہاکہ اے عمر فاروقؓ وہ واقعہ یاد کرو جب میں اور تم ایک سریہ میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے تو نماز ادانہ کی لیکن میں نے مٹی پر لیٹ کر نماز پڑھ لی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھاکہ

(یکفیك ان تضرب بیدك الارض ثم تنفخ ثم تمسح بھما وجھك و کفیك)

تجھے اتناہی کافی تھا کہ توزمین پر ہاتھ مارتااور ہاتھوں کو پھونک مار کر (جھاڑ) لیتا پھر ان دونوں ہاتھوں سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لیتا۔

(بخاری ص48ج1و مسلم ص161ج1' واللفظ للمسلم)

یہی حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(بخاری ص50ج1و مسلم ص161ج1)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ایک ضرب سے تیمم کرنے کے قائل حضرت علیؓ' حضرت عمارؓ' حضرت ابن عباسؓ' اور متعدد تابعین ہیں اور یہی قول ہے امام احمد اور امام اسحٰق کا۔

(ترمذی مع تحفہ ص133ج1)

یہی فتویٰ ہے قتادہ' سعید بن میبّب اور عروۃ بن زبیر کا۔

(المحلی ص376ج1)

آپ سے بھائی سوال یہ ہے کہ امام الانبیاء اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ 'حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت عمار بن یاسرؓ' امام سعیدؒ بن میبّب اور عروۃؒ بن زبیر' مدنی نہیں۔ اگر واقعی ان کو آپ مدنی نہیں جانتے تو پھر آپ کسی دماغی ہسپتال میں داخلہ لیجیے تصنیف آپ کے بس کاروگ نہیں۔ اگر یہ مدنی ہیں یقیناً ہیں تو پھر کس منہ سے ہم پر مذہب اہل مدینہ سے اختلاف کا آوازہ کس رہے ہو۔

پھر یہ واضح ہو کہ امام مالکؒ سے ایک ضرب سے تیمّم کرنے کی روایت بھی موجود

ہے۔جس کا اعتراف مولانا محمد تقی عثمانی نے کر رکھا ہے۔ملاحظہ ہو (درس ترمذی ص 383ج1)

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ احناف کے نزدیک تیمّم میں دو ضربیں رکن ہیں۔جس کا یہ مطلب ہے کہ ایک ضرب سے تیمّم جائز ہی نہیں۔جبکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک ضرب سے بھی تیمم جائز ہے۔

امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ

(وقال مالك ان مسح وجهه ويديه بضربة واحدة اجزاه وان مسح يديه الى الكوعين اجزاه)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی ضرب سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرلیا جائے تو یہ کفایت کر جاتا ہے اور اگر نصف ہاتھوں کا مسح کرے تب بھی کفایت کر جاتا ہے۔

(التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ص282ج19)

حالانکہ حنفیہ کے نزدیک مسح کہنیوں تک کرنا فرض ہے اور اسی طرح ایک ضرب سے تیمم کے یہ قائل بھی نہیں۔مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث اپنے گھر کا تو جائزہ نہیں لیتا لیکن فریق ثانی پر امام مالکؒ سے اختلاف ثابت کر کے مذہب اہل مدینہ سے بغاوت کا الزام لگا رہا ہے۔

اے جی اگر یہ بغاوت ہے تو سب سے زیادہ اس کے مرتکب آپ ہیں۔

نماز میں سورۃ فاتحہ کا بیان:- فرماتے ہیں کہ آپ جہری و سری نمازوں میں مقتدی کے لیے فاتحہ کو فرض کہتے ہیں جبکہ امام مدینہ جہری نمازوں میں فاتحہ کی مقتدی کو اجازت نہیں دیتے۔(تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب:- اولاً:- بلا شبہ امام مالک کا یہی معروف مسلک ہے۔لیکن امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں کہ

(الصحيح من هذه الاقوال قول الشافعي واحمدومالك فى القول الاخر ان الفاتحة متعينة فى كل ركعة لكل احدعلى العموم)

یعنی ان اقوال میں صحیح قول امام شافعی امام احمد اور ایک قول میں امام مالک کا قول ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔

(تفسیر قرطبی ص119ج1)بحوالہ توضیح الکلام ص65ج1)

علامہ قرطبی فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں۔ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بھی بڑی جسارت ہے۔

ثانیاً:- امام مالک کا نام کس منہ سے لیتے ہو جب کہ آپ کو اقرار ہے کہ وہ سری میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔حالانکہ احناف کے نزدیک مقتدی پر سرے سے واجب ہی نہیں بلکہ متاخرین کے اقوال تو اس کی حرمت (حرام) پر ہیں۔

ثالثاً:- احناف کے نزدیک آخری دو رکعت میں مطلق قرأت فرض ہی نہیں۔خواہ امام ہو یا مقتدی بلکہ احناف کے نزدیک اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہوں اور امام دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقتدی آخری دو رکعتوں میں بھی قرأۃ کے مجاز نہیں۔حالانکہ امام مالک چاروں رکعت میں فاتحہ کو واجب کہتے ہیں۔علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

(واجمع العلماء على ايجاب القرأة فى الركعتين الاوليين من صلاة اربع ......واختلفوا فى الركعتين الاخرتين فمذهب مالك والشافعى واحمد واسحق وابى ثور وداؤد ان القرأة فيهما بفاتحة الكتاب واجبة ومن لم يقرا فيها بفاتحة الكتاب واجبة ومن لم يقرا فيهما بها فلاصلاة له وعليه اعادة ماصلّى)

یعنی چار رکعتوں کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں قرأۃ تمام علماء کے نزدیک واجب ہے۔ہاں البتہ آخری دو رکعتوں میں اختلاف ہے۔امام مالک‘امام شافعی‘امام احمد‘امام اسحٰق‘امام ابو ثور‘امام داؤد‘وغیرہ کا مذہب ہے کہ آخری دو رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور جس شخص نے ان آخری دو رکعت میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ نماز ادا کرے۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص194 ج20)

امام مالک رحمۃ اللہ کے اقوال کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کو مطعون کرنے والے سنیو! مدینہ کا امام کیا کہہ رہا ہے اور تم کس طرف جا رہے ہو؟

رابعاً:- یہ مسئلہ تو امت مرحومہ میں مختلف فیہ ہے۔ آپ کے استاذ المکرّم فرماتے ہیں کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا۔ مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں۔

(احسن الکلام ص156 ج2)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھے اور مدینہ طیبہ کے باشندے تھے۔ معروف بدری صحابی ہیں۔ (تقریب ص164)

مذہب اہل مدینہ سے اختلاف ثابت کرنے والو پہلے اپنے استاد کی کتاب کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا کرو۔

خامساً:- مولانا سر فراز خاں صاحب صفدر کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ جبکہ مؤلف تحفہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ یہ مؤقف و مذہب شیعہ کا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص75)

معلوم ہوا کہ آپ بھی شیعہ کے عینی بھائی ہیں۔

سادساً:- مناظروں میں آپ حضرات فاتحہ سے جس طرح جان چھڑاتے ہیں وہ قابل دید ہے۔ اس بات پر بڑا اصرار کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت کریں۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ مناظرہ جلال پور بھٹیاں میں آپ کی پوری ٹیم نے اس پر اصرار کیا تھا۔ جس پر راقم نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ بلا شبہ ہمارا مسلک یہی ہے کہ امام و مقتدی اور منفرد پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازمی و ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کا اصرار ہے کہ صرف مقتدی کا فاتحہ پڑھنا ثابت کریں۔ ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں ابھی یہاں ہی

بات پہنچی تھی تو آپ اپنے جمع حواریوں کے اس پر بڑے خوش ہوئے تھے۔ لیکن جب میں نے اپنی بات کو پورا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ لہٰذا آپ یہ ثابت کریں گے کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اس پر آپ حضرات گھٹنے ٹیک گئے تھے۔

بالآخر آپ نے عوام کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ جیسے یہ فیصلہ کریں گے۔ جس پر عوام نے یہی فیصلہ کیا کہ اہل حدیث امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا ثابت کریں گے جبکہ حنفی امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ نہ پڑھنا ثابت کریں گے۔ جس پر آپ کو چار و لاچار مناظرہ کرنا پڑا لیکن حسب وعدہ ایک بھی صحیح حدیث مقتدی کے فاتحہ نہ پڑھنے پر پیش نہ کر سکے۔ ہاں البتہ آپ نے اس مناظرہ میں بددیانتیاں ضرور کی تھیں۔

<u>مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے کہ نہیں؟</u>:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں رکوع میں ملنے والے کی رکعت نہیں ہوتی جبکہ امام مدینہ کے ہاں ہو جاتی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب:- اولاً:- پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں رکعت میں سورہ فاتحہ کو پڑھنا واجب ہے۔ جبکہ حنفی آخری دو رکعتوں میں کلی قرأۃ کے ہی سرے سے منکر ہیں۔ فماکان جوابکم فھو جوابنا؟

ثانیاً:- حدیث صحیح مرفوع متواتر میں ہے کہ

((لاصلاۃ لمن یقرا بفاتحۃ الکتاب))

(بخاری ص104ج 1 و مسلم ص169ج1)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔

یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امام و مقتدی اور منفرد کو شامل ہے۔ لہٰذا رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو شمار کرنا، اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ آپ ذرا ہمت کیجیے اور پورے ذخیرہ احادیث کو پڑھ کر کسی ایسی حدیث صحیح، مرفوع، متصل کی نشان دہی کیجیے جس میں اس امر کا بیان ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع میں ملنے

والے کی رکعت کو شمار کرنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ مگر یقین جانیے کہ پوری دنیا کے مبتدعین دیابنہ سر توڑ کوشش بھی کریں تو ایسی حدیث ثابت نہیں کر سکتے۔

جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأۃ :- فرماتے ہیں آپ کے ہاں جنازہ میں قرأت فاتحہ فرض ہے جبکہ امام مدینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر مدینہ میں اس پر عمل نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب:- اولاً:- حضرت طلحہ بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ

((صلیت خلف ابن عباسؓ علی جنازة فقرأ بفاتحة الکتاب وقال لتعلموا انها سنة))

یعنی میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ کو بھی نماز جنازہ میں پڑھا۔ اور کہا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری ص 178 ج 1)

جب صحابی یہ کہے کہ یہ کام سنت ہے تو اس سے مراد بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ مفصل دیکھیے (دین الحق ص 671 ج 1)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ امت مرحومہ نے ان کو حبر الامت کے لقب سے نوازا ہے۔ جھنگوی صاحب سے سوال ہے کہ کیا ابن عباسؓ مدنی نہیں ؟ اگر ہیں یقیناً ہیں' تو پھر کس منہ سے ہم پر اختلاف مذہب اہل مدینہ کا طعنہ دے رہے ہو کچھ تو شرم کرو۔

ثم اقول' طلحہ بن عبداللہ مدنی ہیں۔ تقریب ص 157 ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خاص مدینہ طیبہ میں صحابہ کی جماعت اور کثیر تابعین کرام اولاد صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا ہو گا مگر کسی کا ابن عباسؓ پر انکار ثابت نہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ تمام اہل مدینہ کا یہی مؤقف و مذہب تھا۔ لیکن جھنگوی صاحب اناڑیوں کی طرح ہمیں للکارتے ہوئے اہل مدینہ کی مخالفت کا سینہ

گزٹ واویلہ کر رہے ہیں۔

نماز جنازہ میں قرأۃ کے قائل ابن مسعودؓ، حسنؓ بن علی، سھل بن حنیفؓ علی مرتضیٰؓ، ابوہریرہؓ، ابودرداءؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہؓ بن عمروؓ، مسور بن مخرمہ تابعین سے سعید بن مسیب، حسن بصری وغیرہ ہیں۔

(فتح الباری ص158 ج3، والمحلی لابن حزم ص353 ج3 ومرعاۃ ص380 ج5 ومصنف ابن ابی شیبہ ص295 تا298 ج3)

صحابہ کرام کے علاوہ تابعین کے گروہ میں سے بتایئے سعید بن مسیّب کا شمار مدینہ منورہ کے چوٹی کے فقہاء میں ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں تو کثرت سے ' رب زدنی علما' کا وظیفہ کیا کریں۔ ساتھ ساتھ معجون نجاح بھی استعمال کریں۔ ان شاءاللہ آپ کو تقلیدی تعصب کی بیماری سے شفا ہوگی۔ اور آپ کتب طبقات علماء کو پڑھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کون تھے؟

مسجد میں نماز جنازہ:۔ فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں مسجد میں جنازہ پڑھا جاسکتا ہے جبکہ امام مدینہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص78)

الجواب:۔ اولاً:۔ آپ جس مسجد کے پیش امام اور خطیب ہیں اس کے موسس مکرم حافظ عبدالشکور صاحب مرحوم کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی گئی تھی۔ بلکہ ان کو دفن بھی مسجد کے صحن میں کیا گیا تھا۔ بتایئے جناب مسجد میں دفن کرنے میں اہل مدینہ میں سے کونسے امام وبزرگ آپ کے ساتھ ہیں۔

ثانیاً:۔ ام المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

((واللہ لقد صلی رسول اللہ ﷺ علی ابنا بیضاء فی المسجد سھیل واخیہ))

اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے بیٹوں سہیلؓ اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔

(صحیح مسلم ص313 ج1)

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

(ویدل علی صحة ذلك ان ابابکر صلی علیه عمر فی المسجد وصلی صهیب علی عمر فی المسجد بحضر جلة الصحابة من غیرنکیر منهم ولیس من انکرذلك بعد هم بحجة علیهم فصاربماذ کرهنا سنة یعمل بها قدیما فلایجوز مخالفتها)

اورام المومنین کی حدیث کی صحت پر دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نماز جنازہ عمر فاروقؓ نے مسجد (نبوی) میں پڑھائی اور عمر فارق کی نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے مسجد (نبوی) میں پڑھائی کبائر اوراجل صحابہ کرام کی موجودگی میں بغیر کسی کی نکیر کے اور بعد والوں کاانکار کرناان پر حجت نہیں ؟لہٰذا جو یہاں مسجد میں جواز جنازہ کاذکر ہے وہ سنت ہے ۔جس پر قدیم سے عمل ہے پس اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص222ج21)

اس کی وضاحت تو جھنگوی صاحب ہی کر سکتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ام المومنین حضرت عائشہؓ عمر فاروقؓ صہیبؓ اور دیگر جلیل القدر اوراجل صحاب کرام مدنی تھے یا کہ نہیں ؟اگر یہ تمام مدنی تھے یقیناً تھے تو پھر کس منہ سے مدینے والوں سے اختلاف کہتے ہو۔

وتر کی رکعات کی تعداد :- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں وتر ایک ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں وتر کم ازکم تین ہیں۔(تحفہ اہل حدیث ص78)

الجواب :- اولاً:- حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب تم میں سے کسی کو طلوع فجر کا خوف ہو تو

((صلی رکعة واحدة توترله ماقدصلی))

وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے یہ رکعت اس کی پہلی نماز کو طاق کردے گی۔

(بخاری ص135ج1و مسلم ص257ج1)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے

((الوتر رکعة من اخر اللیل))

یعنی وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں۔

(مسلم شریف ص 257ج1' ونسائی ص200ج1)

ایک رکعت وتر کے قائل مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ تھے۔

(۱) ابو بکر صدیقؓ (۲) عمر فاروقؓ (۳) عثمان غنیؓ
(۴) علی مرتضیٰؓ (۵) عبداللہ بن عمرؓ (۶) ابی بن کعبؓ
(۷) زید بن ثابتؓ (۸) معاذ بن جبلؓ (۹) امیر معاویہؓ
(۱۰) سعدؓ بن ابی وقاص (۱۱) ابن عباسؓ (۱۲) فضلؓ بن عباس
(۱۳) ابودرداءؓ (۱۴) معاذ القاریؓ (۱۵) فضالہ بن عبیدؓ
(۱۶) حذیفہؓ بن یمان (۱۷) ابن مسعودؓ (۱۸) عقبہؓ بن ولید
(۱۹) عبداللہ بن زبیرؓ (۲۰) ابو موسیٰ الاشعریؓ (۲۱) ابوامامہؓ
(۲۲) ابوہریرہؓ (۲۳) تمیمؓ الداری (۲۴) ابوایوبؓ الانصاری
(۲۵) سائبؓ بن یزید (۲۶) ام المومنین حضرت عائشہؓ

(طرح التعریب للعراقی ص28ج2' وترمذی مع تحفہ ص340ج1 و مرعاۃ ص259ج4 وعون المعبود ص534ج1' وابن ابی شیبہ ص292ج 2' وقیام اللیل ص205 والمجموعہ شرح المہذب ص23ج4' والدلیل الواضح ص52)

اگر تابعین کرام کی فہرست کو اس میں شامل کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ تیار ہو جائیگا۔ مگر ہم صحابہ کرام پر ہی اکتفا کرتے ہوئے جھنگوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ حضرات مدنی تھے یا عجم کے رہنے والے تھے؟

ثانیاً:- بلاشبہ موطا میں امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ لیکن ان کے پڑھنے کی تفصیل نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے صراحت کی ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد ایک عدد وتر پڑھنے کے قائل ہیں۔ انہوں نے صحیح سند سے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے

کہ اگر کسی کے وتر رہ جائیں اور صبح ہو جائے تو کیسے ادا کرے۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ اگر تو اس نے رات کو کچھ نوافل وغیرہ پڑھے تھے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے اور اگر رات کو نفل نہ پڑھے تھے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر ایک رکعت وتر پڑھ لے۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص 251 ج 13)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام امالک رحمۃ اللہ کے نزدیک وتر تو ایک رکعت ہی ہے لیکن وتر کے ساتھ دو رکعت کو ملا کر پڑھنا چاہیے۔ اس طریقہ وتر کے ہم بھی قائل ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک افضل طریقہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر ایک رکعت سے لے کر سات رکعات تک جائز ہیں۔

(درس ترمذی ص 215 ج 2)

اگر امام مالکؒ کے نزدیک وتر تین رکعات ہی ہیں تو صراحت کیجیے مولانا عثمانی نے جھوٹ بولا ہے؟ نہیں بھائی انہوں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ امام مالک کا موقف ایک رکعت کا ہی ہے۔ اسی قول کو امام ترمذی نے (السنن ص 340 ج 1) میں' ابن حزم نے (المحلی ص 89 ج 2) میں امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

گھوڑے کی حلت و حرمت:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں گھوڑا حلال ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں گھوڑا حرام ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 78)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ امام مالکؒ گھوڑے کے گوشت کو مکروہ کہتے ہیں۔ مگر حضرت یہ تو بتایئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا کیا موقف ہے۔ ان کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں جن میں سے ایک کا مفاد یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ دوسرے کا مفاد مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتح القدیر ص 422 ج 8)

ظاہر ہے کہ ان میں شدید اختلاف ہے۔ کیونکہ مکروہ تحریمی حرام کے قریب تر ہوتا ہے اور تنزیہی حلال کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس میں آپ کس کو ترجیح دیتے ہیں۔

پھر آپ کی معتمد کتاب در مختار جس کے بارے میں آپ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار علامہ علاؤالدین نے روضہ رسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھی ہے۔ دیکھیں نہ آپ مدینہ کے امام کی مانتے ہیں اور نہ ہی مدینہ کی کتاب کو مانتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 79)

شکر ہے کہ آپ در مختار کو معتبر مانتے ہیں۔ اسے مدینہ کی تصنیف کہتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو ماشاء اللہ طعن بھی کر رہے ہیں۔ مگر بھائی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

(ان اباحنیفة رجع عن حرمته قبل موته بثلاثة ایام وعلیه الفتویٰ)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے گھوڑے کی تحریم سے رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار ص 305 ج 6 کتاب الذبائح)

دیکھئے اب آپ ہی اپنی معتبر کتاب اور مدینہ کی تصنیف کو مانتے ہیں کہ نہیں؟ مگر قارئین کرام آپ یقین جانئے کہ یہ صرف ہاتھی کے دانت ہیں۔ جھنگوی صاحب اپنی مدنی کتاب پر اعتماد کبھی بھی نہیں کریں گے۔

ثانیاً:- قاضی ابو یوسف اور امام محمد دونوں ہی گھوڑے کو حلال کہتے ہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 420 ج 8)

بتائیے یہ مدینہ کی عظمت و شرف کے منکر تھے؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا

ثالثاً:- حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ

((نحرنا فرساعلی عهد رسول الله ﷺ فاکلناه))

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں گھوڑے کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھایا۔

(بخاری ص 829 ج 2 و مسلم ص 150 ج 2)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ راوی ہیں کہ

((نهی النبی ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر و رخص فی لحوم الخیل))

نبی علیہ نے جنگ خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

(بخاری ص829ج2'ومسلم ص150ج2)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اماشافعی اور جمہور علماء سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت مباح ہے مکروہ نہیں۔ یہ مذہب ہے عبداللہ بن زبیرؓ 'فضالۃ بن عبیدؓ 'انس بن مالکؓ' اسماء بنت ابی بکرؓ 'سوید بن غفلۃؓ 'علقمہ 'اسود 'عطاء 'شریح 'سعید بن جبیر 'حسن بصری 'ابراہیم نخعی 'حماد بن سلیمان 'احمد 'اسحاق 'ابوثور 'ابویوسف 'محمد 'داؤد 'اور جمہور محدثین کرام کا ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص150ج2)

ابوبلال صاحب آپ سے سوال ہے کہ ان مذکورہ بزرگ ہستیوں میں سے کوئی حرمین شریفین کا بھی رہنے والا تھا کہ نہیں؟ اگر ہیں یقیناً ہیں تو پھر مدینہ کا نام لے کر کیوں جھوٹ بولتے ہو۔

رابعاً:- علماء احناف نے بھی آج کل گھوڑے کو حلال ومباح کہنا شروع کردیا ہے۔ چنانچہ بریلویت کے معروف مترجم مولوی غلام رسول صاحب شیخ الحدیث جامع نعیمیہ کراچی فرماتے ہیں کہ

صحیح یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہ کراہت تنزیہی بھی اس بناء پر تھی کہ جہاد میں گھوڑوں کی ضرورت پڑتی تھی اور اب ٹینک 'توپ 'ٹرک 'جیپ کا دور ہے اور گھوڑوں کی جہاد میں مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ تو اب امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بھی گھوڑوں کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں گھوڑے کا گوشت کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص104ج6)

آپ کے شیخ الہند مولانا محمود حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں کہ

اس میں بھی تحریمی وتنزیہی ہر دو روائتیں ہیں مگر راجح یہ ہے کہ اس میں کراہت

تنزیہی ہے۔ (الورد الشذی ص266)

اس عبارت کا واضح مفاد یہ ہے کہ گھوڑا حلال ہے حرام نہیں۔ مگر بھائی امام مالکؒ تو اس کو مکروہ (حرام) کہتے ہیں اس لیے مدینہ کے امام سے ہمارا ہی اختلاف نہیں جناب کا بھی ہے۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا

ایام قربانی:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں قربانی چار دن ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں تین دن ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص78)

الجواب:- اولاً:- چار دن کی قربانی کے قائل اہل حدیث ہی نہیں امت مرحومہ سے متعدد اہل علم کا بھی یہی مؤقف ہے۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام شافعی امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ قربانی چار دن ہے اور یہی مروی ہے علی بن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ، عطاءؒ، حسنؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے

(التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ص196ج23)

علامہ ابن حزم نے امام زہری سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ (المحلی ص41ج6)

ثانیاً:- حضرت جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قال کل ایام التشریق ذبح))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایام التشریق ذبح (قربانی) کے دن ہیں۔

(سنن دار قطنی ص284ج4، ومسند احمد ص82ج4، وابن حبان (الموارد 1008) وبیہقی ص296ج9 وطبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ص28ج4)

وطبرانی کبیر ص138ج2 رقم الحدیث 1583) ومسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ص254ج3 والتمہید ص197ج23)

علامہ ھیثمیؒ فرماتے ہیں کہ مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں۔ اور بزار کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

یہ بات فریقین کے مسلمات میں سے ہے کہ ایام التشریق یوم النحر کے تین دن بعد کے ہیں۔

جس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے چار دن ہیں۔اب اس کی وضاحت تو جھنگوی صاحب کریں گے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، اور امام زہری مدنی تھے یا نہیں؟

اگر مدنی تھے یقیناً تھے تو پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ اہل حدیث کا مدینے کے اماموں سے اختلاف ہے۔

دیوانے کی بڑ

فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ...... مدینہ میں نہیں لکھی گئیں بلکہ روس کے مختلف علاقوں میں لکھی گئیں۔مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب موطا امام مالک ہے۔جس کے ساتھ آپ کو زبردست اختلاف ہے۔دوسری کتاب فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار علامہ علاؤالدین نے روضہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھی ہے۔دیکھیں نہ آپ مدینہ کے امام کی مانتے ہیں اور نہ ہی مدینہ کی کتاب کو مانتے ہیں پھر بھی آپ اہل حدیث ہیں اور مدینے والے ہیں۔کتنا بڑا فریب ہے۔(تحفہ اہل حدیث ص 79)

الجواب:- اولاً:- کیا حنفی موطا امام مالک کے ایک ایک حرف کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور اس کے کسی مسئلہ سے اختلاف کو مدینہ سے بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔اگر نہیں کرتے یقیناً نہیں کرتے، تو پھر آپ کے اس لعن طعن کا مقصود کیا رہ جاتا ہے۔اس شخص سے بڑھ کر کون زیادہ جاہل و نادان ہے کہ جس بات پر اس کا اپنا عمل نہیں وہ مخالفؒ کو حجت باور کرائے۔

ثانیاً:-اگر آپ پلہ چھڑانے کی غرض سے یہ کہہ دیں کہ ہم موطا امام مالک کی ایک ایک بات کو تسلیم کرتے ہیں۔تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ مولوی ابوبلال کے علاوہ کوئی عالم بول ہی نہیں سکتا۔ویسے ہم نے آگے چند مسائل کی نشاندہی بھی کی ہوئی ہے جو موطا کے مسائل حنفیہ کے خلاف ہیں۔

ثالثاً:- موطا امام مالک میں مروی احادیث صحیحہ مرفوعہ کو ہم دل و جان سے قبول کرتے ہیں' اسے اپنا دین و ایمان جانتے ہیں۔ رہے موطا میں تابعین عظام اور امام مالک کے اقوال تو ان کو بھی ہم جو قرآن و سنت کے موافق ہیں قبول کرتے ہیں اور جو چیزیں قرآن و سنت سے متصادم ہیں ان کو ہم ترک کرتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کو مجتہد و عالم ہونے کی وجہ سے ماجور بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تحقیقات کو حرف آخر کا نام نہیں دیتے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

(وقد طلب المنصور من الامام مالك ان يجمع الناس على كتابه فلم يجبه إلى ذلك' وذلك من تمام علمه واتصافه بالانصاف وقال ان الناس قد جمعوا واطلعوا على اشياء لم نطلع عليها)

یعنی خلیفہ منصور نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے اجازت چاہی کہ وہ تمام لوگوں کو ان کی کتاب پر جمع کر دیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے اسے قبول نہ کیا۔ اس سے ان کے وسعت علم اور انصاف کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا لوگ جمع ہوئے اور مطلع ہوئے ان چیزوں پر جن پر ہم مطلع نہیں ہوئے۔

(اختصار علوم الحدیث ص 40)

اس واقعہ کو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے بھی قدرے الفاظ کے تغیر سے (حجۃ اللہ البالغہ ص 145 ج 1) میں بیان کیا ہے۔

دیکھئے مدینہ کا امام کیا کہہ رہا ہے اور جھنگوی صاحب کیا راگنی الاپ رہے ہیں۔ وہ تو اپنی تحقیق کو امت مرحومہ پر لازم و ضروری قرار نہیں دیتے مگر جھنگوی صاحب ان سے اختلاف کو مدینہ سے بغض و عداوت باور کراتے ہیں ۔

رابعاً:- امام بخاری نے صحیح بخاری کو مسجد حرام میں تصنیف کیا تھا اور تراجم ابواب کا کام مسجد نبوی میں روضہ رسول ﷺ اور منبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے درمیان انجام دیا تھا' (ھدیۃ الساری ص 490) لیکن اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب یہ غلط بیانی کرتے ہیں کہ

پوری صحاح ستہ روس میں لکھی گئی تھی' اس غلط بیانی اور جھوٹ کی کوئی حد اور کنارہ ہے' ہم پوری ذریت دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ کسی مسلمہ مؤرخ و محدث سے بسند صحیح ثابت کریں کہ پوری صحاح ستہ روس کے مختلف علاقوں میں لکھی گئی تھیں اور ان میں سے ایک حرف بھی ارض حرم میں نہیں لکھا گیا۔ اگر آپ یہ ثابت کردیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دیں گے۔ مگر یاد رہے پوری دنیا کے مبتدعین جمع ہو کر سر توڑ کوشش کریں تب بھی یہ لوگ کسی واضح دلیل سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کرسکتے یہ سب واہیات اور بکواس ہے جو منکرین حدیث سے ادھار لی گئی ہے کہ ذخیرہ احادیث اسلام کے خلاف عجم کی سازش ہے مفہوم مقام حدیث ص 22 بحوالہ آئینہ پرویزیت ص 177)

افسوس کہ مبتدعین کو صرف احادیث میں ہی عجمیوں کا دکھ ہے قراء سبعہ میں سے پانچ عجمی ہیں' الجواہر المضیہ ص 423 ج 2) عربی زبان کی امامت علماء اصول متکلمین اور مفسرین کی اکثریت عجمی ہے مقدمہ ابن خلدون ص 500' اوروں کو جانے دیجیے آپ کے امام اعظم بھی عربی النسل نہیں۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ انہیں محدثین کا عجمی ہونا تو کھٹکتا ہے لیکن جس کے مقلد ہونے کا دم بھرتے ہیں اس کی عجمیت پر انہیں فخر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے حنفیت کا اختلاف

ہم چند ایسے مسائل کی نشان دہی بھی کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں جمہور امت نے ان کو قبول کیا ہے۔ بالخصوص امام مالک رحمہ اللہ نے ان کو اختیار کیا ہے۔ لیکن حنفیت نے ان کو ترک کر کے امام مدینہ کی مخالفت کی ہے حالانکہ ان مسائل میں حنفیہ کے پاس قیاس فاسد اور تاویلات و تحریفات کے سوا دامن میں کچھ بھی نہیں ۔آیئے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ استسلف من رجل بکرا))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے جوان اونٹ کا بچہ ادھار لیا۔

(صحیح مسلم ص30ج2' ونسائی ص 219ج2' ومشکوۃ ص 251)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور ادھار لینا جائز ہے اور یہ جمہور علماء اسلام کا موقف ہے اور اسی پر امام مالک کا فتویٰ ہے۔

(شرح مسلم ص30 ومرقاۃ ص99ج6)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس باندی کے بارے سوال کیا گیا جو کہ محصنہ نہیں ہے اور زنا کرے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

((ان زنت فاجلدوھا))

اگر زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔

(الحدیث بخاری ص 1011ج2 ومسلم ص70)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آقا اپنی لونڈی پر حد قائم کر سکتا ہے۔

یہ مذہب ہے امام مالک اور جمہور علماء اسلام کا جیسا کہ ملا علی القاری نے مرقاۃ ص 138ج7 پر صراحت کی ہے۔

(۳) ارشاد ربانی ہے کہ

﴿ولا تباشروھن ......﴾

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجد میں اعتکاف سے ہو

(البقرۃ:187)

حدیث میں آیا ہے کہ

((لااعتکاف الافی مسجد جامع))

یعنی اعتکاف نہیں مگر جامع مسجد میں۔

(ابوداؤد ص335ج1 ودار قطنی ص201ج2 وبیہقی ص315ج4)

قرآن کی آیت اور حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اعتکاف فقط مسجد میں ہی

مشروع ہے۔ لیکن حنفیہ کا مذہب ہے کہ عورت گھر میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔ حالانکہ یہ مؤقف بھی امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کے خلاف ہے۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 371 ج 1 میں صراحت کی ہے۔

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((الا لایقتل المومن بکافر))

یعنی خبر دار مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔

(ابوداؤد ص 267 ج 2' و مسند احمد ص 122 ج 1' و نسائی ص 236 ج 2 و ترمذی مع تحفہ ص 312 ج 2 و ابن ماجہ ص 195)

یہ حدیث اس بات کی گواہ ہے کہ کافر کے بدلے میں مومن قتل نہ کیا جائے گا۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت مرحومہ کا۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 60 ج 2 میں اور ابن حجر نے فتح الباری ص 219 ج 12 میں صراحت کی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

((ان رسول الله ﷺ قضی بیمین و شاهد))

رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا ہے۔

(مسلم ص 74 ج 2' یہ حدیث تقریباً بیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔

(تنقیح الرواۃ ص 126 ج 3)

یہ حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اگر مدعی اثبات دعویٰ پر دو گواہ پیش نہ کر سکے تو ایک قسم اور گواہی پر دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔

یہ مذہب ہے امام مالک اور جمہور امت اسلام کا۔

جیسا کہ نووی نے شرح صحیح مسلم ص 74 ج 2 میں ابن عبدالبر نے التمہید ص 153 ج 2 میں صراحت کی ہے۔

(۶) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول الله ﷺ قال اذاشرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات بار دھویا جائے۔

(بخاری ص29ج1 و مسلم ص137ج1)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتا جس برتن کو چاٹ لے اس کو سات بار دھونا حکم نبوی ہے ۔یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کا۔

جیساکہ نووی نے شرح مسلم ص 137 ج 1 میں اور ابن عبدالبر نے التمہید ص268ج18 میں صراحت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تین بار دھونا ہی کافی ہے۔

(۷) ام المومنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ

نبی ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کچھ جھگڑنے کی آواز سنی تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں میرے پاس ایک مقدمہ آتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے تم میں سے کسی کی تقریر دوسرے سے عمدہ ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں پھر جس کو (ظاہری بھروسہ) پر دوسرے مسلمان کا حق دلادوں وہ اس کو لے لے یا چھوڑ دے (اس کے اختیار میں ہے)

((فانما قطعة من النار))

بلاشبہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ (بخاری ص332 و ص1064 و مسلم ص75ج2)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کا فیصلہ کسی ناجائز چیز کو جائز اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کا۔

جیساکہ نووی نے (شرح مسلم ص 75 ج 2 میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص149ج13 میں صراحت کی ہے۔

لیکن حنفیہ کا مؤقف ہے کہ قاضی کا فیصلہ باطن میں بھی نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی

عورت نے کسی مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور جھوٹے گواہ بھی گزار دیئے قاضی نے عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا یہ اس مرد کی عورت ہے تو اگر واقع میں نکاح نہیں ہوا تھا تاہم اس عورت کا اس مرد کے ساتھ رہنا سہنا اور جماع کرنا جائز اور درست ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص154ج3)

(۸) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ

((کان النبی ﷺ اذا صلی رکعتی الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی))

یعنی رسول اللہ ﷺ جب سنت فجر ادا فرما لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے۔

(الحدیث بخاری ص155ج1 و مسلم ص255ج1)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت فجر کے بعد انسان گفتگو کر سکتا ہے۔

یہ مؤقف ہے امام مدینہ اور جمہور امت کا جبکہ حنفیہ کے نزدیک سنت فجر کے بعد کلام کرنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص255ج1 میں صراحت کی ہے۔

(۹) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((اذا ادرك احدكم سجدة من صلوٰة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلاته واذا ادرك سجدة من صلوٰة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلاته))

یعنی جس نے نماز عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی (یعنی پڑھ لی) وہ عصر کی نماز کو پورا کرے اور جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت نماز صبح کی پالی (پڑھ لی) وہ صبح کی نماز کو پورا کرے۔

(بخاری ص79ج1 و مسلم ص221ج1)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر دوران نماز سورج طلوع ہو جائے یا غروب ہو جائے تو نمازی کی نماز ہو جاتی ہے۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت

مرحومہ کا۔ لیکن حنفی اس حدیث کے نصف حصہ کو تو قبول کرتے ہیں کہ اگر ایک رکعت نماز عصر کی سورج غروب ہونے سے قبل ادا کی تھی تو باقی نماز کو پورا کرلے لیکن باقی نصف تقلیدی جمود کی وجہ سے قبول نہیں۔ کہ اگر صبح کی نماز کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو نماز کو باطل کہتے ہیں۔ جمہور امت امام مدینہ اور حنفیہ کے مذہب کو امام نووی نے (شرح مسلم ص222ج1) میں بیان کیا ہے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زیدؓ راوی ہیں کہ

((ان رسول الله ﷺ خرج الی المصلی فاستسقی فاستقبل القبلة وقلب ردائه وصلی رکعتین))

یعنی نبی ﷺ طلب بارش کے لیے لوگوں کے ساتھ عیدگاہ کی طرف گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے اپنی چادر کو پلٹا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

(بخاری ص137ج1 و مسلم ص292ج1)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بارش طلب کرنے کے لیے دو رکعت نماز ادا کرنا سنت ہے۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت مرحومہ کا۔

جیساکہ امام ابن عبدالبر نے (التمہید ص172ج17) میں، نووی نے (شرح مسلم ص292ج1) میں، صراحت کی ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں ہے۔ (موطا امام محمد ص158)

تلک عشرۃ کاملۃ:- یہ وہ مسائل ہیں جن میں حنفیہ کا امام مدینہ سے اختلاف ہے حالانکہ امام مدینہ کے موافق جمہور امت کا تعامل بھی ہے اور قرآن و سنت کی واضح نصوص بھی ان کے مؤید ہیں۔



فصل ہشتم

در مختار پر ایک طائرانہ نظر

ہمارے مخاطب جھنگوی صاحب نے در مختار کی بھی تعریف کی ہے کہ یہ مدینہ کی تصنیف ہے۔ جس کے اہل حدیث منکر ہونے کی وجہ سے مدینہ کی عظمت وشرف کے منکر ہوگئے ہیں۔ ہم نو نقد نہ تیرا ادھار کے تحت یہیں در مختار کے حیاسوز مسائل کی نشان دہی بھی کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) (ولا عند وطی بهيمة)

یعنی جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے نہ وضو ٹوٹا ہے۔ جب تک انزال نہ ہو۔

(در مختار مع شامی ص166ج1 طبع ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اس کے خلاف سنت اور اجماع ہے کہ غسل واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اصحاب کے نزدیک بہر حال غسل واجب نہیں ہوتا۔ پھر احادیث صحیحہ کی تاویلات کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

(فقال علماؤنا ان الموجب للغسل هو انزال المنی کماافاده الحديث الاول)

یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدون انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔

(البحر الرائق ص59ج1)

مولوی قطب الدین فرماتے ہیں کہ

اگر چار پائے اور مردے کے آگے یا پیچھے داخل کرے تو منزل (منی خارج) ہونے سے (غسل) لازم آتا ہے ورنہ نہیں۔

(مظاہر حق ص150ج1)

شارح منیہ کہتے ہیں کہ یہی اصح ہے کہ غسل واجب نہیں ہوتا۔

(حلبی کبیر ص42)

الغرض در مختار کا یہ فتویٰ حنفیہ کا متفق اور مفتی بہ فتویٰ ہے کہ چارپائے سے بد فعلی کی (کس مہذب انداز میں رخصت دی جارہی ہے کہ) اگر انزال نہ ہو تو

غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔

(۲) وأفادكلامه طهارة جلد كلب وقيل وهوالمعتمد)

یعنی صاحب تنویر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے۔اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں۔ تصحیح کے لحاظ سے یہی اصح ہے۔

(ردالمختار ص204ج1)

مطلع صاف ہے کہ اگر جھنگوی صاحب کتے کی کھال کی جیکٹ بنوائیں یا ٹوپی خواہ ڈول یا دستر خوان یا اپنی کتب پر جلدیں بندھوائیں سب جائز ہے۔

بلکہ اگر اس کھال کا مصلی بھی بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۳) (ثم الاحسن زوجة)

یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ پھر آگے لکھا ہے کہ

(ثم الاكبر راسا والاصغر عضوا)

یعنی اگر ان تمام شرائط میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔

پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے۔

(در مختار مع ردالمختار ص558ج1)

الغرض بقول مصنف در مختار حنفیہ کا یہ مؤقف ہے کہ امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی خوبصورت ہو سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو۔

اگر پیمائش کے پیمانہ کی تفصیل بھی بتادیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔

(۴) (ولو خاف الزنی یرجی ان الاوبال علیه)

اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشت زنی کرنی واجب ہے۔

نوجوانوں کے لئے کتنا تیر بہدف نسخہ ہے۔

(در مختار مع ردالمختار ص399ج2)

(۵) (اوجامع فیما دون الفرج ولم ینزل)

یعنی اگر روزے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (در مختار ص398ج2)

کیا ہی فراخ دلی کا مظاہرہ ہے۔

(۶) (اوادخل ذکره فی بهیمة اومیته)

یعنی اگر کوئی شخص چوپائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر میت (مردے) کے ساتھ بد فعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔

(در مختار ص399ج2)

کیسے مہذب معاشرے کی بنیاد رکھی جارہی ہے۔

مولوی قطب الدین حنفی در مختار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اور اگر منزل (انزال) نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا (جانور سے وطی کرنے سے) بلا خلاف

(مظاہر حق ص158ج2)

(۷) (یباح اسقاط الولدقبل اربعة شهر)

یعنی چار مہینے سے پہلے حمل کو گرا دینا مباح (جائز) ہے۔ (در مختار)

کنڈوم سسٹم رائج کرنے والوں نے شائد یہاں سے ہی راہنمائی لی ہو۔

(۸) (ومواضع تربصة عشرون)

یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑیگی۔

(در مختار مع شامی ص503ج3)

پندرھویں صدی کے مقلدو! ذرا بتلاؤ تو سہی کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے۔ جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہوگا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے۔ جو عدت کا کہہ رہے ہو۔

(۹) (اوزنی فی دارالحرب اوالبغی)

یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔

(در مختار مع ردالمختار ص28ج4)

(۱۰) ولاحدبالزنا غیر مکلف بمکلفة مطلقا)

یعنی اگر نابالغ وغیرہ غیر مکلّف مرد اگر کسی مکلفہ بالغہ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں۔

(در مختار مع ردالمختار ص29ج4)

زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حیلہ ہے۔

تلک عشرة کاملة:- یہ دس مسائل ہم نے در مختار سے منتخب کر کے تحریر کر دیئے ہیں۔ اگر جھنگوی صاحب میں ہمت ہے تو ان مسائل کو خطبہ جمعہ میں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں کہ ہماری فقہ کے یہ معتبر مسائل ہیں کہ ہر حنفی پہ لازم ہے کہ وہ ان پر عمل کرے۔ کیونکہ یہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر لکھیں گئے ہیں جو ان پر عمل نہیں کرے وہ مدینہ کی کتاب کا منکر ہو گا۔ مگر یقین جانئے کہ جھنگوی مرنا تو قبول کرلے گا مگر ان مسائل کو علی الاعلان بیان نہیں کرے گا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شاستر لکھی گئی ہے۔ اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔



فصل نہم

فقہ حنفی کی مجلس شوریٰ کی حقیقت

جھنگوی صاحب فقہ حنفی کی وجہ ترجیح اور دیگر آئمہ کی بجائے امام ابو حنیفہ کی تقلید کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس لیے کہ امام صاحب کی فقہ شورائی ہے۔امام صاحب نے علماء کی ایک مجلس شوریٰ بنائی ہوئی تھی جو مسئلہ پیش آتا اسی شوریٰ میں رکھا جاتا۔شوریٰ جو بھی فیصلہ کرتی اور جس مسئلہ پر متفق ہو جاتی وہ مسئلہ مدون کرلیا جاتا۔بخلاف دوسرے آئمہ کرام کے ان کی فقہ غیر شورائی ہے ہر ایک نے اکیلے اکیلے بیٹھ کر لکھی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص79)

الجواب:- اولاً:- جھنگوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ مجلس شوریٰ کتنے ارکان پر مشتمل تھی؟اور اس میں کون کون سے فقہا شامل تھے؟ پھر ان کی علمی لیاقت کیا تھی؟اور یہ کب اور کہاں شوریٰ بنائی گئی تھی؟حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھا ان تمام چیزوں کی صراحت کرتے اور اس پر معتبر حوالے نقل کرتے۔مگر یہ تمام باتیں محض جھوٹ کا پلندہ اور سینہ گزٹ تھیں اس لیے جھنگوی صاحب نے محض لکھ دینا ہی کافی جانا۔

ثانیاً:- علماء دیوبند کی طرف سے انوار الباری' میں اس مجلس شوریٰ کی داستان لکھی ہوئی ہے ۔اب ترتیب وار ان ارکین کا حال ملاحظہ کریں۔

(۱) اسد بن عمرو کوفی وفات 190ھ

یہ اس داستان شوریٰ کا رکن ہے جیسا کہ (انوار الباری ص186 ج1 میں ہے)

اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسد محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(کتاب الضعفاء ص285)

امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ اللہ اس سے فارغ ہو چکا ہے۔(احوال الرجال ص76)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق احادیث وضع کرلیا کرتا تھا۔

(میزان ص206ج1)

(۲) حبان بن علی عنزی وفات 172ھ

اس کو بھی رکن مجلس شوریٰ کہا گیا ہے۔ انوار الباری ص164ج1' یہ شیعیت کی طرف مائل تھا۔ محدثین نے اسے ضعیف و متروک قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص174ج2 و میزان ص449ج1)

(۳) حسن بن زیاد لولوی وفات 204ھ یہ بھی داستان شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص203ج1)

اس کے بارے امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی نہ جائے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ دار قطنی متروک کہتے ہیں۔ امام ابن معین' امام یعقوب' امام عقیلی اور ساجی کہتے ہیں کہ کذاب ہے۔

(لسان ص208,209ج2)

امام نسائی فرماتے ہیں خبیث اور کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء ص289,310)

(۴) حفص بن عبدالرحمٰن بلخی ولادت 119 وفات 199ھ یہ بھی شوریٰ کے رکن تھے۔ (انوار الباری ص202ج1)

اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ بھلا جو شخص کوفہ سے دور دراز کے علاقہ بلخ میں 109ھ میں پیدا ہوا وہ کب کوفہ آیا ہو گا اور کب کسب فیض کر کے مجلس شوریٰ کا رکن بنا ہو گا۔

(۵) امام حفص بن غیاث قاضی' معروف محدث اور فقیہ ہیں ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص200ج1)

حالانکہ یہ حنفی قطعاً نہ تھے بلکہ ان سے بسند صحیح ثابت ہے کہ میری امام ابو حنیفہ سے مجلس تھی۔ وہ ایک ایک مسئلہ میں دس دس فتوے دیتے تھے۔ ہم نہیں جان سکتے تھے کہ

ان میں سے کس فتویٰ پر عمل کریں اور وہ خود بھی ان سے رجوع کر لیتے۔ایک مجلس میں ایسا ہوا کہ انہوں نے ایک ہی مجلس میں پانچ فتوے دیئے میں نے جب ان کی یہ حالت و کیفیت دیکھی تو ان کو ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔

(کتاب السنہ ص205,220ج1لابن احمد بن حنبل)

(۶) ابو مطیع حکم بن عبداللہ ولادت 115ھ وفات 199ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص202ج1)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ مرجیوں کا سرغنہ تھا اور محدثین سے بغض رکھتا تھا۔امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کذاب اور مرجئ تھا۔امام جوزجانی فرماتے ہیں سنت سے دشمنی اور احادیث گھڑا کرتا تھا۔ذھبی کہتے ہیں نہایت کمزور اور واہ تھا۔اس نے احادیث وضع کی ہیں۔

(میزان ص574ج1ولسان ص334ج2)

(۷) حماد بن دلیل قاضی مدائن یہ بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص205ج1)

موصوف فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے ذھبی نے ثقہ کہا ہے۔

(الکاشف ص187ج1)

لیکن ابوداؤد کے علاوہ کسی معروف کتاب میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں اہل الرائے سے تھے۔اہل حدیث نہ تھے۔میں نے صرف دو حدیثیں ان سے سنی ہیں۔

(تہذیب ص 8ج3)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے۔اہل الرائے ہونے کی وجہ سے اس سے کراہت کی گئی ہے۔

(تقریب ص82)

اس کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ کب پیدا ہوئے اور کب تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور عمر کے کس حصہ میں انہوں نے مجلس شوریٰ کی رکنیت اختیار کی۔

(۸) حماد بن ابی حنیفہ وفات 176ھ یہ بھی رکن شوریٰ ہیں۔

(انوار الباری ص175ج1)

امام ابن خلقان فرماتے ہیں کہ اپنے والد کے مذہب پر تھے۔ نیک اور بہتر آدمی تھے۔

(بحوالہ لسان ص347)

ابو رجا کہتے ہیں کہ میں نے امام جریر سے حماد کی ایک روایت بیان کی تو امام جریر کہنے لگے کہ حماد نے جھوٹ بولا ہے۔ ان سے کہہ دو تمہارا احدیث سے کیا تعلق تم تو محض جھگڑالو ہو۔

(الکامل لابن عدی ص669ج2)

ذھبی فرماتے ہیں کہ حماد کو ابن عدی اور دیگر محدثین نے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

(میزان ص590ج1)

امام شریک فرماتے ہیں کہ حماد 'افاک' یعنی جھوٹ گھڑنے والا ہے۔

(کتاب المجروحین ص72ج3)

(۹) خالد بن سلیمان بلخی ولادت 115ھ وفات 199ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص203ج1)

ان کے حالات رجال کی معروف کتب سے دستیاب نہ ہو سکے۔ ان کے متعلق بعض حقائق مولانا محمد رئیس ندوی نے (اللمحات ص531ج4) میں بیان کیے ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ خالد پر حدیث غالب تھی ان کا بطور فقیہ کوئی شمار نہیں۔ امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث موضوع و من گھڑت روایات کے مشابہ ہیں۔

(الکامل لابن عدی ص915ج3)

(۱۰) امام داؤد بن نصیر طائی وفات 160ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص162ج1)

معروف محدث تھے۔ لیکن انہوں نے امام ابوحنیفہ کی زندگی میں ہی ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔اور اپنی کتب کو بصیرت تامہ کے بعد دریا برد کر دیا تھا۔

(حلیۃ الاولیاء ص336ج6)وتاریخ بغداد ص347ج8وتہذیب ص203ج3)

قاسم بن معن نے امام داؤد طائی سے پوچھا کہ آپ نے اپنے استاذ کی صحبت و مجلس کو کیوں چھوڑ دیا جس نے آپ کو علم سکھایا؟امام داؤد طائی نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص اور اس کے اصحاب کے دلوں کو غافل پایا اور ان کے یہاں سنن نبویہ کو مردہ پایا'ان کے اغراض ومقاصد میں خدا طلبی کے بجائے مختلف دنیاوی مطامع کو مخفی پایا'ان میں دنیا طلبی کا ترجیحی ذوق پایا وغیرہ لہٰذا میں نے ان کی مجلس و مصاحبت چھوڑ کر گوشہ گیری و خانہ نشینی ہی میں عافیت محسوس کی اور عبادت میں لگ گیا۔

(اخبار ابی حنیفۃ للصیمری ص113)

(۱۱) امام زفر بن ھذیل ولادت 110ھ وفات 158ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص160ج1)

امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور قیاس کے ماہر تھے۔

امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ زفر کے قیاس نہ لیا کرو۔ ورنہ تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھو گے۔

(بحوالہ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص74ج4)

ان کی ثقات مختلف فیہ ہے امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔(لسان ص437ج2)

امام ثوری اس سے روایت لینے سے منع کرتے تھے۔ (عقیلی ص98ج3)

ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں کچھ بھی نہیں۔ (میزان ص71ج2)

بہر حال موصوف صدوق قسم کے راوی ہیں۔

(۱۲) امام زہیر بن معاویہ ولادت 100وفات 172ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص164ج1)

حالانکہ یہ مسلک محدثین پر تھے۔امام سفیان ثوری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے۔ اہل عراق امام ثوری کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ جب سفیان ثوری فوت ہوگئے تو زہیر ان کے جانشین ہونگے۔ (تہذیب ص352ج3)

امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اعتقادی وفروعی اختلافات' پھر امام ثوری کا امام ابو حنیفہ سے مخالفانہ مؤقف اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان دونوں کی آپس میں راہیں الگ تھلگ تھیں۔اگر زہیر بھی مجلس شوریٰ کا رکن ہوتا تو اہل عراق ان کو امام ثوری کا جانشین کبھی خیال نہ کرتے بلکہ حق یہ ہے کہ ان کا شمار اہل الرائے کی بجائے محدثین اور اصحاب سنت سے ہے۔ جیسا کہ امام ابن عیینہ اور ابو حاتم نے صراحت کی ہے۔

(تہذیب ص352ج3)

الغرض انہیں مجلس شوریٰ کا رکن کہنا خالص جھوٹ اور سولہ آنے غلط بیانی ہے۔

(۱۳) شریک بن عبداللہ القاضی ولادت 95وفات 177ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص166ج1)

بلاشبہ شریک ایک فاضل اور قاضی تھے عدل وانصاف سے متصف تھے۔ سنت کے حامی اور بدعت کا قلع قمع کرنے والے تھے۔ مسلک محدثین کے پابند تھے۔ مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ حسن درجہ کے راوی ہیں۔ مگر انہیں مجلس شوریٰ کا رکن کہنا غلط ہے۔ وہ تو

حنفیت کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ

کوفہ کے ہر محلّہ میں مجھے شراب فروشی تو گوارہ ہے مگر وہاں کسی حنفی کا ہونا گوارہ نہیں۔

(کتاب السنہ ص203' 204' 215 وابن عدی ص1324 ج3)

ابو حنیفہ کے یار قمی چوروں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں اور یہ کہ احناف کا مذہب احادیث کو رد کرنے کا ہے۔

(کتاب السنہ ص304 ج1)

مگر یار لوگ انہیں بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہتے ہیں۔

(۱۴) امام شعیب بن اسحٰق دمشقی ولادت 118 وفات 189ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن باور کرائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص202 ج1)

معروف محدث اور ثقہ ہیں لیکن عقیدہ کے لحاظ سے مرجی تھے۔ ان کی ولادت شام کے شہر دمشق میں کوفہ سے بہت زیادہ دور ہوئی تھی۔ یہ کب پروان چڑھے اور کب کوفہ آکر انہوں نے مجلس شوریٰ کی رکنیت اختیار کی۔ یہ سب باتیں تاحال پردہ غیب میں ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شورائی کہانی ہی داستان ہے۔

(۱۵) ابوعاصم ضحاک بن مخلد ولادت 122ھ وفات 212ھ۔ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص204 ج1)

یہ بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ ان کے امام سفیان ثوری سے گہرے مراسم تھے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے' وہیں سے امام ابن جریج کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر بصرہ تشریف لے گئے اور تادم وفات وہیں رہے۔

(تہذیب ص451 ج4)

ان کا امام ابو حنیفہ سے تلمذ ثابت ہی نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان

کو شوریٰ کا رکن کہنا محض تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہے۔

(۱۶) امام عافیہ بن یزید وفات 180ھ۔ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص166 ج1)

حدیث میں ثقہ ہیں، مگر جب 120ھ میں یہ مجلس شوریٰ قائم ہوئی تو کیا یہ پیدا ہو چکے تھے۔ان کی کتنی عمر تھی؟ تحصیل علم کے بعد یہ کب رکن بنے؟ ان تمام باتوں کا سرے دست کسی حنفی کو بھی علم نہیں۔جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ داستان شورائی ہی سرے سے افسانہ ہے۔

(۱۷) امام عبداللہ بن ادریس ولادت 120ھ وفات 192 ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن قرار دیا گیا ہے۔

(انوار الباری ص199 ج1)

حالانکہ امام عبداللہ محدثین کے مذہب و مسلک سے وابستہ تھے۔اہل الرائے سے ان کا مذہباً کوئی تعلق نہ تھا۔امام یعقوب فرماتے ہیں کہ عابد اور فاضل تھے ان کے اکثر فتوے مذہب اہل مدینہ پر تھے۔ان کے اور امام مالک کے درمیان دوستی تھی۔

(تہذیب ص148 ج5)

ظاہر ہے کہ مدینہ والوں کا مذہب اعتقاد اور احکام میں اہل الرائے سے بہت مختلف ہے۔الغرض وہ سنت کے فدائی مرجی مذہب سے بیزار اور نبیذ کو حرام کہتے تھے۔ان سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا وہ کذاب ہے۔

(تاریخ بغداد ص393 ج13)

مزید فرماتے ہیں کہ

(الایمان یزید وینقص)

یعنی ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

(کتاب السنہ ص336ج1)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب الرجاء پر نہ تھے بلکہ الرجاء کے حاملین کو کذاب کہتے تھے۔ مگر مؤلف انوار نے صرف انہیں کوفہ کے مقیم ہونے کی وجہ سے شوریٰ میں شامل کرلیا ہے۔ حالانکہ ان کی ولادت 120ھ میں ہوئی تھی۔

(تذکرہ ص284ج1)

اور بقول مؤلف انوار الباری یہ شوریٰ 120ھ میں تشکیل پائی تھی۔ مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ اسی سال پیدا ہونے والے کو بھی رکن باور کرایا جارہا ہے۔

(۱۸) امام عبداللہ بن مبارک ولادت 119ھ وفات 181ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(سیرۃ النعمان ص363)

ثقہ، ثبت، فقہی، امام، قرآن کے خادم، سنت کے فدائی، پوری امت مرحومہ کے عظیم محسن یہ ان بزرگ ہستیوں میں شامل ہیں جن پر امت کو بجاطور پر فخر ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث کا شرف حاصل ہے۔ صحاح کے ایک اہم راوی ہیں۔ عراق میں پیدا ہوئے۔ سنت کے علمبردار تھے۔ اہل بدعت کا خوب رد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ سے عقائد سے لے کر احکام تک بہت زیادہ اختلاف رکھتے تھے۔ بلکہ امام ابو حنیفہ کو انہوں نے مرجی المذہب کہا ہے۔

(تاریخ بغداد ص380ج13)

ایک بار انہوں نے چند احادیث بیان فرمائیں۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ امام ابو حنیفہ تو ان احادیث کے مخالف ہیں۔ یہ سن کر امام عبداللہ غصے میں آگئے اور فرمانے لگے۔ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بیان کررہا ہوں اور تو میرے سامنے ایسے شخص کو پیش کرتا ہے جو امت محمدیہ پر تلوار کو جائز سمجھتا ہے۔

(کتاب السنہ ص213ج1)

آپ فرماتے ہیں کہ میں چپکے چپکے امام ابو حنیفہ کی مجلس میں جایا کرتا تو میرے ساتھیوں کو جب علم ہوتا تو وہ مجھے اس پر ملامت کرتے۔

(کتاب السنہ ص212ج1)

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبداللہ جس حلقہ سے منسلک تھے اس حلقہ میں امام صاحب کی فقہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ امام صاحب کی مجلس احادیث واثار کی بجائے محض قیاس پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس کا ادراک امام ابن مبارک کو بھی ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ کے ایک فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ڈاکہ ڈال لینا اس سے بہتر ہے۔

(کتاب السنہ ص214ج1)

امام ابن مبارک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔

(ترمذی مع تحفہ ص256ج1)

رفع الیدین پر تو امام ابو حنیفہ سے ان کا مناظرہ معروف ہے۔

(بیہقی ص82ج2 وجزء رفع الدین ص124)

بہر حال امام ابن مبارک نے امام ابو حنیفہ کو ترک کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل کتاب السنہ جلد اول اور تاریخ بغداد جلد 13 میں صحیح اسناد سے ثابت ہے۔

بلکہ انہوں نے امام ابو حنیفہ پر جرح کرتے ہوئے کہا کہ وہ علم حدیث میں یتیم تھے۔ قیام اللیل ص212، مگر یار لوگ انہیں بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہتے ہیں۔

(۱۹) عبدالحمید بن عبدالرحمٰن ولادت 120 وفات 202ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص203ج1)

بحیثیت راوی صدوق ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے مرجی تھے۔

(تقریب ص197)

علامہ ذھبی کی تحقیق کے مطابق عبدالحمید 120ھ میں خوارزم میں پیدا ہوئے (سیر اعلام النبلاء ص540ج10) کوفہ سے دور خوارزم میں 120ھ میں پیدا ہونے والے نے کس سے کسب علم کیا؟ اور کمیٹی کے قواعد وضوابط کے مطابق محدث وفقہی بن کر کب وہ رکن بنے تھے؟ جبکہ بقول مؤلف انوار اس شوریٰ کا قیام بھی 120ھ میں ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شوریٰ کا سرے سے وجود ہی نہ تھا یہ سب خرافات اور تاریخ ورجال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

(۲۰) علی بن ظبیان وفات 192ھ ان کو اس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص200ج1)

ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہو مگر اس کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ کذاب اور خبیث ہے۔ امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ نسائی متروک قرار دیتے ہیں۔ ابوزرعہ واہی الحدیث کہتے ہیں۔ ابوحاتم متروک اور ساجی منکر روایات بیان کرنے والا کہتے ہیں۔

(تہذیب ص322ج7)

(۲۱) امام علی بن مسھر ولادت 120-119 وفات 189ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن قرار دیا گیا ہے۔

(انوار الباری ص198ج1)

یہ محدث تھے صحاح کے مرکزی راوی ہیں۔ لیکن ان کا شوریٰ میں ہونا ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ یہ تو 120ھ کی حدود میں پیدا ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ص485ج8)

اور اسی سال اس شوریٰ کی تشکیل بتائی جاتی ہے۔ وہ جوان کب ہوئے؟ شوریٰ کی رکنیت کی شرائط کے اہل کتنی دیر میں ہوئے؟ الغرض یہ داستان شوریٰ ہی سرے سے جھوٹی اور من گھڑت افسانہ ہے۔

(۲۲) امام عمر بن میمون بلخی وفات 171ھ ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔ بغداد آکر امام اعظم کی خدمت میں رہے۔

(انوار الباری ص163)

امام ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ترمذی میں ان کی روایت ہے۔ مولانا محمد رئیس ندوی فرماتے ہیں کہ بغداد کی تعمیر 145ھ سے شروع ہو کر 149 کے لگ بھگ مکمل ہوئی۔ امام صاحب اپنی عمر کے آخری پندرہ دن بغداد رہے۔ اگر اس سے پہلے کسی دن عمر اور امام صاحب کے مابین بغداد میں چند لمحات کی ملاقات ہوئی بھی ہو تو 145 کے بعد ہی ہوئی ہو گی۔ جبکہ عمر وہاں شیخ الحدیث کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے۔ اور اس سے پہلے کوفہ میں یا کہیں اور امام صاحب سے موصوف کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔

(اللمحات ص41ج4)

ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کو علویوں کی حمایت کے الزام میں 145 یا 146ھ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا تھا اور آپ کی وفات بھی جیل میں ہوئی۔ تو اب بتایئے جناب عمر بن میمون بلخی نے امام صاحب سے کب اور کہاں حدیث وفقہ کی تحصیل کی اور وہ کس دور میں اس فرضی کمیٹی کے رکن بنے۔ صاحب انوار کی اپنی تحریر نے بھی اس افسانوی کہانی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔ (داستان حنفیہ ص149)

(۲۳) امام فضل بن موسیٰ سینانی ولادت 115ھ وفات 192ھ ان کو بھی مؤلف انوار نے مجلس شوریٰ کا رکن کہا ہے۔

(انوار الباری ص199ج1)

مذہباً اہل سنت تھے۔ ثقہ اور آئمہ حدیث سے ہیں۔ تہذیب ص286ج8 جہمی معتزلی یا مرجی نہ تھے سنت کے فدائی تھے۔ امام صاحب سے مجلس بھی تھی لیکن ان کے بارے حسن ظن نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان کی نظر میں امام صاحب حدیث نبوی کو استہزاء اور تمسخر سے ٹھکرا دیتے تھے۔ ان سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے سنا وہ کہتے

تھے کہ میرے بعض شاگرد ایسے ہیں اگر پیشاب کریں تو دو مٹکے پانی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو ٹھکرایا جائے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو پلید نہیں ہوتا۔

(تاریخ بغداد ص405ج13)

ان کی ولادت 115 میں خراسان میں ہوئی تھی۔ (تہذیب ص287ج8)

کوفہ سے دور خراسان میں 115ھ میں پیدا ہونے والے شخص کو کوفہ میں 120ھ میں شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے جب کہ وہ عمر کے لحاظ سے ابھی پانچ سال کا بچہ تھا۔ جس مجلس شوریٰ کے نابالغ بچے بھی رکن ہوں ان کی علمی حیثیت کیا ہوگی؟

(۲۴) فضیل بن عیاض ولادت 106ھ وفات 187ھ ان کو بھی شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص186ج1)

معروف محدث اور ثقہ ہیں۔ ابتدائی زندگی میں ڈاکہ زنی اور ایک لڑکی سے عشق تھا۔ پھر اللہ نے توبہ کی توفیق عطا کی اور مکہ مکرمہ میں کعبہ کے مجاور بن کر رہ گئے۔

(تہذیب ص295ج8 و فتاویٰ شامی ص58ج1)

مکہ میں چونکہ محدثین کرام ہی تھے۔ جو فقہا تھے وہ بھی محدث ہی تھے ان پر قیاس ورائے کا غلبہ کیا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور یہی اثر امام فضیل پر تھا۔ یہ مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ کتاب وسنت پر عمل کرتے بدعات سے نفرت تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایمان کا داخل اور خارج سے تعلق ہے۔ زبان سے اقرار دل سے قبول اور عمل کا نام ایمان ہے۔

(کتاب السنہ ص337ج1)

اس سے واضح ہے کہ وہ عقائد میں حنفیہ کے مخالف تھے۔ مگر یار لوگ ان کو بھی شوریٰ کا رکن باور کراتے ہیں۔ پھر ان کی ولادت 106ھ کی ہے اور زندگی کا ابتدائی حصہ ڈاکہ زنی کی نظر ہو گیا۔ توبہ کے بعد کب تحصیل علم کر کے یہ 120ھ میں بنائی گئی شوریٰ کے

رکن بنے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ سب داستان ہی وضعی اور افسانہ ہے۔ بالخصوص جب حسن بن عثمان سے مروی ہے کہ فضیل بن عیاض امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پر تجریح و تنقید کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ص152ج8)

(۲۵) امام قاسم بن معن وفات 175ھ ان کو بھی رکن شوریٰ کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص165ج1)

فقیہ ثقہ اور محدث تھے لیکن مرجی مذہب کی طرف جھکاؤ تھا۔

(تہذیب ص339ج8)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پوتے تھے۔ لیکن کسی معتبر خبر سے معلوم نہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ سے فقہ و عقائد میں کامل متفق تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ ارجاء کے معاملہ میں ان کا رجحان مرجیہ کی طرف تھا۔ فقہ حنفی کی کتب میں ان کے فتاویٰ نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ بھی اس کے پاسبانوں میں سے تھے۔ پھر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تشکیل شوریٰ کے وقت یہ پیدا ہو چکے تھے یا طالب علمی کے دور میں تھے۔ صرف اندازے اور قیاس سے بھائی ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہتے ہیں۔

(۲۶) امام مالک بن مغول وفات 159ھ کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص162ج1)

عابد و زاہد کوفہ کے بہترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ صحاح کے مرکزی راوی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق اہل سنت سے تھا۔ مرجی مذہب سے نفرت کرتے تھے۔ اہل علم نے انہیں سنت و جماعت کہا ہے۔

(تاریخ دمشق لابی زرعہ ص578ج1 بحوالہ اللمحات ص9ج4)

نیز امام عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان ثوری، اور امام مالکؒ کی مدح کرتے تھے۔ جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف حنفی مذہب کے پیرو نہ تھے کیونکہ یہ حضرات امام ابو حنیفہ اور مذہب ابی حنیفہ سے ناراض تھے۔

(اللمحات ص10 ج4)

نیز ابوالعباس احمد بن علی نے امام مالکؒ کو ان اہل علم میں شمار کیا ہے جو امام صاحب کے مخالف اور ان کا رد کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ص371 ج13)

ان تمام حقائق سے ثابت ہوا کہ انہیں مجلس شوریٰ کا رکن قرار دینا غلط بیانی ہے۔ پھر جس دلیل سے مصنف انوار نے ان کا امام صاحب سے تعلق ثابت کیا ہے اس میں حسن بن زیاد لولوی راوی کذاب ہے۔

(مناقب ابی حنیفہ للذھبی ص17)

(۲۷) امام محمد بن حسن شیبانی ولادت 135 وفات 189ھ ان کو مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص188 ج1)

فقہ حنفی کی نشر و اشاعت میں امام محمد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتی کہ فقہ حنفی کے تین ستونوں میں سے ایک ستون شمار کیے گئے۔ اور فقہ حنفی میں ان کے بہت سے فتاویٰ مفتی بھا قرار پائے۔

امام محمد چونکہ مکتب ابو حنیفہ کے تربیت یافتہ تھے گو بعض نامور محدثین سے بھی اکتساب کیا تھا۔ مگر ان پر امام صاحب کے مکتب کا رنگ غالب تھا۔ حدیث کی بجائے قیاس و آراء میں زیادہ انہماک رکھتے تھے۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو حنیفہ سے مجلس کی اور ان سے علم کو سنا، رائے میں غور و فکر کرتے تھے اور ان پر رائے غالب تھی حتی کہ یہی ان کی شناخت بن گئی۔ (بحوالہ مقدمہ تعلیق المجد ص29)

امام مزنی فرماتے ہیں کہ یہ فقہی تفریعات میں تمام آئمہ احناف سے بڑھ کر تھے۔ (ایضاً)

احادیث کا رد:- امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

(ابویوسف مضعفا فی الحدیث واما محمد بن الحسن وشیخه کانا مخالفین

للاثر)
یعنی قاضی ابویوسف حدیث میں ضعیف تھے اور امام محمد اور ان کے شیخ اثر (احادیث) کی مخالفت کرتے تھے۔

(لسان ص122ج5)

مذہب:- امام محمد بھی اپنے شیخ کی طرح ایمان میں اعمال کو شامل نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی ایمان میں کمی وزیادتی کے قائل تھے۔ الغرض مذہباً مرجی تھے۔ قاضی شریک مرجیہ کی شہادت قبول نہ کرتے تھے۔ جس کی بناپر انہوں نے امام محمد کی گواہی قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ایک موقع پر کہا تھا کہ

(انااجیز شهادة من یقول الصلوٰة لیست من الایمان)
یعنی میں اس شخص کی شہادت کیسے قبول کرلوں جو نماز کو ایمان سے نہیں کہتا۔

(ابن عدی ص2183 ولسان ص122ج6)

امام ابن حبان نے (کتاب المجروحین ص 276ج 2) میں اور ساجی نے (لسان ص122ج5) میں امام محمد کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

نظریہ تقلید:- امام محمد نے اپنے شیخ سے اسی (۸۰) فیصد مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ جس کی غالب وجہ یہ ہے کہ وہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے خود فرماتے ہیں کہ

(لوجاز التقلید کان من مضی من قبل ابی حنیفة مثل الحسن البصری وابراهیم النخعی احدی ان یقلدوا)
اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جو لوگ ابوحنیفہ سے پہلے گزر چکے ہیں جیسا کہ امام حسن بصری ابراہیم نخعی وغیرہ وہ زیادہ حق دار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔

(المبسوط للسرخسی ص28ج12) کتاب الوقف

جرح:- محدثین کرام نے ان پر سخت جرح کر رکھی ہے۔ امام یحیٰی بن معین (ابن عدی ص

3 8 1 2ج 5ولسان ص 2 2 1ج 5) اور ابن حبان نے (کتاب المجروحین ص 276ج2) کذاب کہا ہے۔ نسائی نے ضعیف۔ (کتاب الضعفاء ص310)

ہمیں تلاش کے باوجود کسی محدث سے ان کے غیر مشروط ثقہ ہونے کا قول نہیں مل سکا۔ اگر کسی نے کوئی ہلکا سا تعدیل کا درجہ بیان بھی کیا ہو تو ان پر جرح مفسر کو اٹھا نہیں سکتا بہر حال ہمارے نزدیک کذاب نہ تھے۔ ہاں سوء حفظ کی وجہ سے ضعفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

رکنیت:۔ امام محمد کی ولادت 135ھ میں ہوئی۔ جبکہ مجلس شوریٰ کو قائم ہوئے بقول مصنف انوار پندرہ برس بیت چکے تھے۔ امام محمد جب لکھنے پڑھنے اور شعور کی زندگی میں آئے تو امام ابو حنیفہ علویوں کی حمایت کے الزام میں جیل جا چکے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد کا تعلق شوریٰ اور امام ابو حنیفہ سے نہایت قلیل تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام محمد نے امام ابو حنیفہ کی صرف چند ایام شاگردی کی ہے۔

(کتاب المجروحین ص275ج2)

(۲۸) امام مکی بن ابراہیم بلخی ولادت 126ھ وفات 215ھ ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص204ج1)

جلیل القدر محدث تھے۔ 126ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب ص294ج10) سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم کی طرف رجحان ہوا (تذکرۃ الحفاظ ص366ج1)

گویا امام مکی 143ھ میں حصول علم میں مشغول ہوئے۔ ظاہر ہے کہ پہلے اپنے وطن بلخ کی درسگاہ میں داخل ہو کر پڑھے ہونگے۔ پھر کسی زمانہ 143ھ کے بعد موصوف نے عراق کے شہر کوفہ کی طرف رخ کیا ہوگا بھلاوہ کب درسگاہ ابو حنیفہ میں داخل ہو کر مجتہد و فقیہ بن کر 120ھ میں ہی رکن مجلس شوریٰ بن گئے تھے' معلوم ہوا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

(۲۹) مندل بن علی عنزی ولادت 103ھ وفات 168ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا

رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص163ج1)

عابد وزاہد تھے۔ لیکن حدیث میں ضعیف تھے۔ (تقریب ص347)

مذہب کے لحاظ سے مرجی تھے۔ (کتاب المجروحین ص25ج3)

شیعیت کی طرف میلان تھا۔ تہذیب ص299ج10)

103ھ میں پیدا ہونے والے نے کب تحصیل علم کیا اور محدث فقہی بن کر 120ھ میں تشکیل پانے والی شوریٰ کا رکن کس زمانہ میں منتخب ہوا۔ سردست ان چیزوں کا بھائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

(۳۰) نصر بن عبد الکریم وفات 169ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص163ج1)

امام ابو حنیفہ سے مصاحبت کی روایات ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی ضروری تفصیل (اللمحات ص 38ج4) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جس کے بارے کوئی واضح ثبوت اور معلومات ہی نہیں ان کو رکن قرار دینا محض مفروضہ ہے۔

(۳۱) قاضی نوح بن دراج وفات 182ھ ان کو بھی رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص185ج1)

ان کی فقاہت کے بارے تو معلوم نہیں ہاں البتہ آئمہ ناقدین اور محدثین عظام نے اس پر سنگین قسم کی جرح کی ہے۔ امام ابن معین کہتے ہیں کذاب اور خبیث ہے۔

(تاریخ بغداد ص317ج1)

امام حاکم فرماتے ہیں ثقہ راویوں کا نام لے کر من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔

(المدخل ص216)

علامہ ذھبی نے کذاب کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک ص144ج3)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات بیان کرتا۔ بسا اوقات یہ

خیال پیدا ہوتا ہے کہ بکثرت روایات بیان کرنے کے لیے ایسا جان بوجھ کر کرتا ہے۔

(کتاب المجروحین ص46ج3)

ایسے خبیث اور بدباطن نے شوریٰ میں بھی جو گل کھلائے ہونگے وہ عیاں راچہ بیاں

(۳۲) ابو عصمہ نوح بن ابی مریم ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص164ج1)

نوح بن ابی مریم فقہ حنفی سے بغض رکھتا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ابو حنیفہ کی فقہ میں مشغول ہوگئے ہیں اور قرآن سے اعراض کرلیا ہے تو میں نے قرآن کی فضیلت میں حدیث وضع کی۔

(المدخل لعلوم الحدیث للحاکم ص20 والکفایہ ص126 والفوائد البھیہ ص222 التقیید والایضاح ص130)

راقم کو اس کے بارہ میں کتب رجال میں سے کوئی ادنی سا کلمہ توثیق بھی نہیں ملا۔ تمام آئمہ جرح وتعدیل اس کو کذاب ودجال اور خبیث کہتے ہیں۔ دیکھیے عقیلی ص305ج4' ابن عدی ص2506ج7' میزان ص279ج4' تہذیب ص488ج10 وکتاب المجروحین ص48ج3)

ایسے دجال وکذاب بھی جس مجلس شوریٰ کے رکن ہوں ان کی علمی حالت بیان کرنے سے باہر ہے۔

(۳۳) امام وکیع بن جراح ولادت 129ھ وفات 198ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص200ج1)

ثقہ ثبت عابد وزاہد اور کبائر محدثین میں ان کا شمار ہوتا۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ مذہباً اہل سنت تھے۔ حنفیت کے مخالف تھے۔

(ترمذی معہ تحفہ ص107ج2)

میں شعار بدن کی حدیث کے سلسلہ میں اہل الرائے پر سخت تنقید فرمائی ہے

فرماتے ہیں کہ لوگو! ابو حنیفہ کی رائے سے بچو۔

(کتاب السنہ ص227ج1)

فرماتے ہیں کہ میرے علم کی حد تک امام ابو حنیفہ نے دو سو احادیث کی مخالفت کی ہے۔

(تاریخ بغداد ص408ج13)

مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

(کتاب السنہ ص310,336ج1)

امام ابو حنیفہ کے بارے حسن ظن نہ تھا۔ ان کو مرجی اور امت مرحومہ پر تلوار چلانے کو جائز سمجھنے والوں میں سے جانتے تھے۔

(عقیلی ص283ج4)

128ھ یا129ھ میں پیدا ہوئے۔ تہذیب ص130ج11

جب کہ مجلس شوریٰ ان کی ولادت سے آٹھ یا نو سال پہلے قائم ہو چکی تھی اور ان کے تحصیل علم کے وقت وہ اپنی طبعی عمر بھی پوری کر چکی ہو گی۔ ثابت ہوا کہ یہ ساری داستان ہی جھوٹ پر بنائی گئی ہے۔

(۳۴) قاضی ہشام بن یوسف وفات 197ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص201ج1)

صنعاء کے قاضی تھے معروف محدث ہیں۔ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ مسلم کے علاوہ باقی صحاح میں ان سے احادیث مروی ہیں۔ ان کا حنفی ہونا ثابت نہیں۔ علامہ ذھبی کی تحقیق کے موافق 120ھ کے بعد پیدا ہوئے۔

(سیر الاعلام النبلاء ص581ج9)

ان کا امام ابو حنیفہ کی زندگی میں کوفہ آنا بھی ثابت نہیں۔ بھلا جو شخص تاسیس شوریٰ کے سال پیدا ہوا ہو وہ عمر کے کس سن میں علم حاصل کر کے درجہ اجتہاد پا کر کمیٹی

کارکن بنا ہوگا۔ حالانکہ ان کی جوانی آبائی وطن یمن میں گزری تھی۔ تہذیب ص57ج11 میں ہے کہ جب امام ثوری یمن تشریف لائے تو ان کے لیے ہشام کو کاتب رکھا گیا۔ الغرض ان کو شوریٰ کارکن قرار دینا محض داستان سرائی ہے۔

(۳۵) ھشیم بن بشیر واسطی ولادت 105ھ وفات 183ھ ان کو بھی شوریٰ کارکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص185ج1)

ثقہ وثبت تھے البتہ تدلیس کرتے تھے۔ مذہباً کیا عقیدہ تھا معلوم نہیں ہو سکا۔
ایک روایت کے مطابق 105ھ میں واسط میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں حاصل کی۔ 123ھ یا 124ھ کو تحصیل علم کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

ان کا چار ماہ کے لیے کوفہ جانا تو ثابت ہے لیکن کوفہ میں مستقل رہائش اختیار نہ کی تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (اللمحات ص416ج4)
الغرض انکا شوریٰ میں شامل ہونا محض فرضی کہانی ہے۔

(۳۶) هیاج بن بسطام تیمی وفات 177ھ بقول مصنف انواریہ بھی رکن شوریٰ تھے۔ بڑے فصیح، سخی، رحم دل تھے۔

(انوار الباری ص165ج1)

ممکن ہے ان میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں۔ لیکن راوی حدیث کی حیثیت سے وہ ضعیف ہیں۔ ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔

(ابن عدی ص2592و عقیلی ص366ج4)

امام احمد نے متروک قرار دیا ہے۔ امام صالح نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب ص88ج11)

مذہباً مرجی اور اس کے داعی تھے۔ (کتاب المجروحین ص96ج3)

ایسا شخص جس کی سنہ ولادت معلوم نہیں مذہباً مرجی ہے اس کا مجلس شوریٰ کارکن ہونا تعجب

اور معنی خیز ہے۔

(۳۷) امام یحییٰ بن زکریا ابی زائدہ ولادت 120ھ وفات 183ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص185 ج1)

جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں۔بقول امام عجلی ثقہ' فقہ وحدیث کے جامع' مدائن کے قاضی اور حفاظ کوفہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ثقہ ثبت مفتی اور صاحب سنت تھے۔

(تاریخ الثقات ص471)

ان کی پیدائش کے سال تو مجلس شوریٰ کی بنیاد رکھی گئی تھی معلوم ہوا کہ ان کو مجلس شوریٰ کا رکن کہنا محض مفروضہ اور من گھڑت داستان ہے۔

(۳۸) امام یحییٰ بن سعید القطان ولادت 120ھ وفات 198ھ ان کو بھی رکن شوریٰ بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص201 ج1)

بالاتفاق ثقہ ثبت ہیں۔اکابر محدثین سے ہیں۔مسلک محدثین پر تھے۔عقائد میں اہل سنت تھے۔ مرجیہ کے مخالف تھے۔ایمان میں زیادتی اور کمی کے قائل اور قول وعمل کو ایمان کہتے تھے۔

(کتاب السنہ ص310 ج1)

امام سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں

(استتاب اصحاب ابی حنفیۃ ابا حنفیۃ مرتین) (ایضاً ص192 ج1)

امام ابو حنیفہ کی فقہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ہم بعض چیزوں میں امام صاحب پر عیب لگاتے ہیں اور جنہیں ہم اچھا سمجھتے ہیں ان میں موافقت کر لیتے ہیں۔

(الانتقاء ص131)

120ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے۔(تہذیب ص219ج11)ابتدائی تعلیم
ﯾﮩیں ہوئی۔امام شعبہ سے بیس سال تک تحصیل علم کیا۔
(تقدمہ الجرح والتعدیل ص249)

ان کی پیدائش کے سال تو مجلس شوریٰ کی تاسیس ہوئی۔ تعلیم کو شروع کیا تو بیس سال تک امام شعبہ سے منسلک رہے۔بصرہ میں اصحاب امام مالک میں ان کا شمار ہوتا تھا۔
(تہذیب ص220ج11)

بھلا یہ کب شوریٰ کے رکن بنے تھے معلوم ہوا کہ یہ محض داستانِ کاذبہ ہے۔

(۳۹) قاضی ابویوسف ولادت 113ھ وفات 182ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔ (انوار الباری ص174ج1)

مصنف انوار نے ان کو مجتہد مطلق کہا ہے۔احناف میں بہت بلند مقام کے حامل ہیں۔فقہ حنفی میں ان کے اقوال بکثرت موجود ہیں۔ بعض مقام پر ان کے اقوال پر فتویٰ ہے۔امام ابو حنیفہ سے عقائد واصول اور فروع میں اختلاف رکھتے تھے۔ایک زمانہ تک ارجاء کا اثر تھا(جیسا کہ ان کے استاذ ایمان میں کمی وبیشی اور اعمال کے ایمان میں داخل نہ ہونے کے مسئلہ میں مرجیہ کے حامی تھے)۔امام قاضی شریک ان کی گواہی کو اسی وجہ سے قبول نہ کرتے تھے کہ نماز وغیرہ کو ایمان میں داخل نہ مانتے تھے۔ (لسان ص210ج6)

لیکن بعدہ قاضی ابویوسف نے اہل سنت کا مذہب اپنا لیا تھا۔امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ امام قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ

(سمعت ابايوسف يقول الايمان قول وعمل يزيد وينقص)

میں نے قاضی ابویوسف سے سناوہ فرمارہے تھے کہ ایمان قول وعمل ہے جو کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

(کتاب الثقات ص645ج7)

امام ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابویوسف نے فرمایا کہ

جو یہ کہے کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان کے برابر ہے وہ بدعتی ہے۔

(الکامل لابن عدی ص2603ج7)

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ انہوں نے مذہب ارجاء کو ترک کر کے مسلک اہل سنت کو اختیار کر لیا تھا۔ہاں البتہ فروع میں امام صاحب کے درست فتویٰ کی موافقت کرتے تھے فرماتے ہیں کہ

(انما کان ابوحنیفة مدرسا فما کان من قوله حسنا قبلنا وماکان قبیحا ترکناه علیه)

امام ابو حنیفہ صرف ایک مدرس تھے (یعنی استاذ)ان کی اچھی بات کو ہم قبول کر لیتے ہیں اور قبیح کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(تاریخ بغداد ص375ج13)

(اناکنا ناتیه یدرسنا الفقة ولم نکن نقلده دینا)

ہم امام ابو حنیفہ سے فقہ کا درس لینے آتے مگر دین میں ان کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ص376ج13)

قاضی القضاۃ :- قاضی صاحب کی ابتدائی زندگی غربت وافلاس سے دوچار تھی۔کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا۔البتہ علمی ذوق تھا۔امام ابو حنیفہ سے تعلق قائم ہوا تو کچھ خوش حالی آگئی۔جس کی غالب وجہ امام صاحب کا مالی تعاون تھا۔166ھ میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔جو ان کے لیے اعزاز اور جاہ وجلالت کے ساتھ مؤثر ذریعہ معاش بھی تھا۔ اس منصب پر سولہ سال تک فائز رہے اور یہی چیز مشرق میں حنفیت کے پھیلنے کا واحد ذریعہ بنی ہے۔

طریق فیصلہ :- امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جب مسند خلافت پر خلیفہ ہارون الرشید متمکن ہوئے تو ان کا دل اپنے والد کی ایک لونڈی کی طرف مائل ہوا خلیفہ نے لونڈی کو اپنی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کی لیکن

لونڈی نے یہ کہہ کر خلیفہ کی خواہش کو رد کر دیا کہ میں آپ کے باپ کی لونڈی ہوں۔اور میں ان کے حرم میں رہ چکی ہوں اور وہ مجھ سے وطی کرتے تھے۔اس لیے میں آپ کے لیے حلال نہیں ہوں۔(خلیفہ کی نظر قاضی ابویوسف کی طرف اٹھی) اور قاضی ابویوسف کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا اور کہا کہ یہ صورت حال پیش آئی ہے کہ لونڈی نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ میں آپ کے باپ کی موطوہ رہ چکی ہوں۔کیا آپ کے پاس اس کا کوئی حل موجود ہے۔(قاضی صاحب نے مسئلہ حل کر دیا) اور فتویٰ دیا کہ امیر المومنین آپ اس لونڈی کی بات صحیح تسلیم نہ کریں لونڈی جو دعویٰ کرے تو آپ اس کی تصدیق کریں گے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اس حاکم پر تعجب کروں جس نے مسلمانوں کے خونوں اور مالوں میں ہاتھ ڈالا اور اپنے باپ کی حرمت کا بھی پاس نہ کیا بلکہ اس کے ریزہ ریزہ کرنے پر تلا ہے یا اس لونڈی سے جس نے خود کو امیر المومنین سے بے راغب رکھا یا اس فقیہ و قاضی (ابویوسف) پر جس نے امیر المومنین کو اپنے باپ کی حرمت پھاڑنے اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کا یہ فیصلہ دیا کہ اس کا گناہ میری گردن پر آنے دیں۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص 222)

امام عقیلی نے اس واقعہ کو صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن مبارک سے مختصر نقل کیا ہے۔

(الضعفاء الکبیر ص443ج4)

امام عبداللہ بن یوسف فرماتے ہیں کہ

خلیفہ ہارون الرشید نے ابویوسف سے کہا کہ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے اور استبراء رحم سے قبل میں اسے موطوہ بنانا چاہتا ہوں۔کیا اس کے جواز میں آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے؟ قاضی صاحب فرمانے لگے کیوں نہیں؟ آپ لونڈی کسی بچے کو ھبہ کر دیں اور پھر اس سے شادی کر لیں۔

امام اسحٰق بن راھویہ نے بیان فرمایا کہ

خلیفہ نے قاضی صاحب کو رات کے وقت بلایا اور مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ طلب کیا تو قاضی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا۔ تو خلیفہ نے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم نامہ جاری فرمایا۔ تو قاضی صاحب کہنے لگے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم صادر کرنا مناسب سمجھیں تو دے دیں؟ خلیفہ نے فی الفور ادائیگی کا حکم جاری کر دیا تو کسی نے کہا خزانچی تو اب گھر جا چکا ہے۔ اور دروازے بند ہیں۔ تو قاضی صاحب فرمانے لگے! ہمیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت بھی دروازے بند تھے۔ میں بھی تو دروازہ کھول کر ہی یہاں آیا ہوں۔

(تاریخ الخلفاء ص223)

شرعی احکام میں یہ حیلے بہانے محض خلیفہ کی خوشنودی اور غیر شرعی خواہشات کی تکمیل کے لیے تراشے گئے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھار قاضی صاحب خلیفہ کی رضاجوئی اور تقرب کے لیے اپنے فقہی مسلک کو بھی قربان کر دیتے تھے۔ اختصار کے پیش نظر ایک مثال عرض ہے کہ

خلیفہ ہارون الرشید نماز عید بارہ تکبیروں کے ساتھ ادا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے دادا عبداللہ بن عباسؓ کا مؤقف تھا۔ ایک عید کے موقعہ پر قاضی ابو یوسف بھی بغداد ہی میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نماز عید پڑھائی۔ خلیفہ بھی اس نماز میں شریک تھا تو قاضی صاحب نے اس نماز میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے موافق زوائد تکبیروں سے نماز عید پڑھائی۔

(حاشیہ ہدایہ ص173 ج1 والبحر الرائق ص160 ج2)

ابن عابدین نے تو یہی امام محمد سے بھی نقل کیا ہے۔

(فتاویٰ شامی ص172 ج2)

فقہ حنفی کے دو معتمد بزرگوں کا محض خلیفہ کی خوشامد و چاپلوسی کی غرض سے اپنے مؤقف کو بدل دینا۔ یہ ڈھیر سے مٹھی بھر بطور نمونہ عرض کیا گیا ہے۔ ورنہ کتب فقہ میں ایسی متعدد امثلہ موجود ہیں آج بھی حنفی علماء کا ایسا ہی کردار ہے۔ مثال کے طور پر ان کے نزدیک

غائبانہ نماز جناہ ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن جب کوئی امراء سے یا حکمران پارٹی سے وفات پا جاتا ہے تو ان کے اکابرین ان کا باقاعدہ اہتمام کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ جس کا زندہ ثبوت ضیاء الحق مرحوم کے سانحہ پر ان لوگوں نے باضابطہ اخبارات میں اشتہار دیکر لوگوں کو جمع کر کے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

جرح و تعدیل:- قاضی ابو یوسف کی تعدیل اور ان پر جرح کرنے والے دونوں حضرات موجود ہیں۔ بعض اس کو ثقہ و صدوق اور بعض کاذب کہتے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام نسائی ثقہ کہتے ہیں۔ امام عمرو 'صاحب سنت' کہتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث کو لکھا جائے۔ مزنی کہتے ہیں اپنے اصحاب میں سے حدیث کی سب سے زیادہ پیروی کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اہل الرائی میں ان سے زیادہ اثبت کوئی نہیں امام یزید بن ہارون کہتے ہیں میں ان سے روایت لیتا ہوں۔ ابن عدی کہتے ہیں جب یہ ثقہ سے روایت کریں اور ان سے روایت کرنے والا بھی ثقہ ہو تو پھر ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(میزان الاعتدال ص447ج4)

جبکہ اس کے برعکس امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ابو یوسف میری طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی ہوتیں۔

(تاریخ صغیر للبخاری ص210ج2 و ابن عدی ص2603ج6)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

(الکامل لابن عدی ص2603ج6)

امام ف۔رس فرماتے ہیں کہ صدوق ہیں مگر غلطیاں بہت زیادہ کرتے تھے۔

عبد اللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ ابو یوسف فاسق ہے۔

(لسان المیزان ص 351ج6)

ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کو نہیں پہچانتے تھے۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ اس سے حدیث نہ لی جائے۔

(عقیلی ص439'440ج4)

امام ابن مبارک نے کذاب کہا ہے۔ (ابن عدی ص2602ج6)

رکنیت:- قاضی صاحب کی ولادت 113ھ کی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے قاضی ابن ابی لیلی سے اکتساب علم کیا بعد میں امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ بقول احناف ان کی امام صاحب سے مصاحبت کا زمانہ سترہ سال ہے۔ تو اس حساب سے قاضی صاحب کا امام صاحب کی شاگردی میں آنا 133ھ میں بنتا ہے۔ جبکہ مجلس شوریٰ 120ھ میں قائم ہو چکی تھی۔ گویا مجلس شوریٰ قائم ہوئے تیرہ برس گزر چکے تھے۔ اب اس سے تعلیمی دور کو نکال دیا جائے تو باقی رفاقت تقریباً تین چار سال بنتی ہے۔ جس سے اس سارے افسانے کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ قاضی صاحب کمیٹی کے اولین ممبران میں سے تھے بلکہ کمیٹی کے محرر اور ناظم بھی تھے۔

(۴۰) یوسف بن خالد سمتی ولادت 123 وفات 190ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص198ج1)

مذہب کے لحاظ سے جہمیت کے حامی و موید تھے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی ایک کتاب دیکھی ہے جو جہمیہ کی تائید میں اس نے لکھی تھی۔ اس میں یوسف بن خالد سمتی نے قیامت اور وزن اعمال کا انکار کیا ہے۔ (میزان ص464ج4)

اسے آئمہ جرح و تعدیل نے کذاب و خبیث وغیرہ کہا ہے۔ چنانچہ امام عمرو بن علی 'امام ابو داؤد' امام معمر نے کذاب کہا ہے۔ (تہذیب ص411ج11)

ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔

(تاریخ صغیر للبخاری ص224ج2)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ شیوخ کے نام پر روایات گھڑتا تھا۔

(کتاب المجروحین ص13ج3)

حک واضافہ کے ساتھ منقول' از داستان حنفیہ' مؤلف حضرت استاذی المکرّم مولانا محمد یحیٰ گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ' واللمحات' مؤلفہ مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ۔

مجلس شوریٰ پر تبصرہ بلا تبصرہ

قارئین کرام یہ کیسی مجلس شوریٰ تھی جس کے تیرہ ممبر اور رکن دجال وکذاب وضع احادیث میں معروف عندالمحدثین متروک اور غیر ثقہ تھے۔ جیساکہ 1,2,3,6,8,9,20,30,31,32,36,39,40 وغیرہ نمبروں میں تفصیل گزر چکی ہے اور اس کے بعض ارکان حنفیت کے سخت مخالف تھے۔ اور بعض کا سال پیدائش ہی وہی ہے جس میں کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ بلکہ بعض کی پیدائش اس کے کئی سال بعد ہوئی۔ پھر سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ ان چالیس افراد کا تیار کردہ مجموعہ فقہ کہاں غائب ہو گیا؟ کیا شیعہ کے غائب امام کی طرح اس مجموعہ کو بھی کوئی شوریٰ کا رکن لے کر غار میں گھس گیا تھا۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ شوریٰ کے ان چالیس ارکان میں سے کسی رکن نے بھی اپنی کتب میں اس مجموعہ فقہ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی کتب تو دستیاب ہیں انہوں نے بھی اس مجموعہ کا نام تک نہیں لکھا۔ یہ کیسے لوگ حافظ وثقہ تھے کہ جن کو زبانی ایک مسئلہ بھی یاد نہ رہا کہ مجلس شوریٰ میں یہ مسئلہ بالاتفاق پاس ہو گیا تھا۔

پھر متاخرین کی کتب فقہ میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا کہ مجلس شوریٰ کا یہ اتحادی واتفاقی طے شدہ مسئلہ ہے اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ اقوال کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف صراحت پر صراحت کرتا جاتا ہے کہ فلاں شہر والوں کا یہ فتویٰ ہے فلاں شہر کے فقہاء کا یہ قول ہے۔ مگر کسی ایک بھی فقہ کی کتاب میں اس چالیس رکنی کمیٹی کے مسائل کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ فقہ حنفی کو شوریٰ کی فقہ کہنا محض یار لوگوں کی اختراع ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق وواسطہ نہیں۔

فصل دہم

تقلید کے دلائل

لفظ امام اعظم کی حقیقت:۔

فرماتے ہیں کہ ہم امام صاحب کو امام اعظم کہتے ہیں لیکن آئمہ کے مقابلے میں ہم تو امام صاحب کو صحابہ کرام کے مقابلے میں بھی امام اعظم نہیں کہتے چہ جائیکہ معاذاللہ حضور علیہ السلام کے مقابلے میں امام اعظم کہا جائے۔

اگر امام اعظم صرف محمد ﷺ ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اعظم کا لفظ لگانا گناہ ہے تو پھر فاروق اعظم بھی صرف حضرت محمد ﷺ ہونگے۔ بقول آپ کے حضرت عمر نہیں ہونگے۔ صدیق اکبر ابو بکر نہیں ہونگے بلکہ صدیق اکبر صرف نبی ﷺ ہونگے۔ قائداعظم بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہونگے۔ مناظر اعظم روپڑی صاحب نہیں ہونگے مناظر اعظم حضرت محمد ﷺ ہونگے۔ خطیب اعظم شیخوپوری صاحب نہیں ہونگے بلکہ صرف محمد ﷺ ہونگے۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نہیں ہونگے بلکہ پیران پیر حضرت محمد ﷺ ہونگے۔ شیخ الکل فی الکل نذیر دہلوی صاحب نہیں بلکہ شیخ الکل فی الکل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہونگے۔

خدا جب عقل لیتا ہے' حماقت آ ہی جاتی ہے ۔۔۔ آئمہ پر تبرا سے ضلالت آ ہی جاتی ہے

(تحفہ اہل حدیث ص 80,81)

الجواب:۔ اولاً:۔ لفظ "امام" ایک مشترک لفظ ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ہر متبوع پر بولا جاتا ہے۔ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ جس کی بھی پیروی واتباع کی جاتی ہو اسے امام کہتے ہیں۔ خواہ وہ قول میں ہو یا فعل میں۔

(لسان العرب ص 24ج 12)

اللہ تعالیٰ نے امامت کے لفظ کو نبوت کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

﴿انی جاعلك للناس اماما ﴾

(البقرۃ:124)

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہاں امامت سے نبوت مراد ہے۔ جبکہ آپ حضرات امام ابو حنیفہ کو علی الاطلاق امام اعظم کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ آپ ان کو انبیاء کرام اور صحابہ کرام سے معزز و برتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اعظم اسم تفصیل ہے جس کا معنی ہوتا ہے معزز ترین یا بہت بڑا بزرگ۔ مگر آپ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ بعض غالی مقلدین کا یہی موقف و نظریہ ہے امام علی بن جریر فرماتے ہیں کہ

(ترکت بالکوفة قومایذعمون ان اباحنیفة اعلم من رسول الله ﷺ)

(تاریخ بغداد 413ج13)

یعنی میں نے اہل کوفہ کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان میں سے بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ امام ابو حنیفہ (نعوذ باللہ) خاتم المرسلین ﷺ سے بھی زیادہ علم و معرفت رکھتے تھے۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (التنکیل ص350ج1)

ثانیاً:- بالفرض آپ کی بات کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی غلط ہے۔ آپ مقلد اعمیٰ ہو کر آئمہ دین میں سے کسی کو امام اعظم اور باقی کو فروتر قرار دینے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ اور آپ نے کس پیمانے سے ناپ لیا ہے کہ امام ابو حنیفہ دیگر آئمہ سے اعظم تھے۔ جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرہ اور بہت سے دیگر آئمہ امام ابو حنیفہ سے علم و فضل میں بڑھ کر تھے۔ بقول امام یحییٰ بن آدم امام سفیان ثوری امام شریک بن عبداللہ اور حسن بن صالح۔

(ادرکنااباحنیفة ومایعرف بشی من الفقه مانعرفه الا بالخصومات)

یعنی ابو حنیفہ فقہ سے واقف و آشنانہ تھے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ صرف خصومات سے واقف تھے۔

(تاریخ بغداد ص406ج13)

پھر شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ امام محمد نے امام شافعی رحمہ اللہ سے مناظرہ میں تسلیم کر لیا تھا کہ قرآنؐ سنت اور آثار صحابہ کرام کے بڑے عالم امام ابو حنیفہ نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔

(مقدمہ الجرح والتعدیل ص4)

ثالثاً:- لفظ امام اعظم چوتھی صدی ہجری کا ایجاد کردہ ہے۔ جو تھی صدی سے پہلے ابو حنیفہ پر کسی نے لفظ امام اعظم کا استعمال نہیں کیا اس کے خلاف ایک مثال بھی آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پھر اس لقب کی پروپیگنڈہ کے ذریعے تشہیر کی گئی کہ بعد میں آنے والے غیر احناف بھی غیر شعوری طور پر اس کا استعمال کرنے لگے۔

رابعاً:- جبکہ لفظ مناظر اور خطیب' امتی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک نہیں کہ آپ ان کی امثلہ دے رہے ہیں کہ مناظر اعظم اور خطیب اعظم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس لفظ امام مشترک ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات ظاہر ہے کہ حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ اپنے وقت کے اہل حدیث کے مناظر اعظم اور شیخوپوری خطیب اعظم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شیخوپوری کے الفاظ ہی مقید ہونے کی دلیل ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان بزرگوں کو ہم پوری امت مرحومہ کے بالمقابل مناظر اعظم اور خطیب نہیں کہتے۔ پھر ان کی وفات کے بعد تو اس لقب کا لاحقہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

خامساً:- آپ تقلید کے نشے میں ایسے مست ہیں کہ آپ کو معلوم ہی نہیں ہو رہا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق تو واقعہ معراج کے بعد پوری امت مرحومہ میں مشہور ہو گیا تھا بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی زبان اقدس سے ان کے حق میں صدیق کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث 3686)

صدیق کا لفظ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کے ساتھ اکبر کے لاحقہ کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن یہ علم وفہم کی باتیں آپ کو تقلیداً نہیں مل سکتیں۔ آپ کسی اہل حدیث کے مدرسہ میں داخلہ لے لیں۔ فاروق کا معنی ہوتا ہے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا تو حضرت عمرؓ نے ہی مکہ میں علی الاعلان اسلام کا اظہار کیا جس سے کفر واسلام میں تفریق ہو گئی۔ اسی وجہ سے آپ کو فاروق کہا جانے لگا۔

(لسان العرب ص303ج10)

اس وجہ تسمیہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر اس میں کوئی حرج وقباحت ہوتی تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ نے غلط بحث کی ہے۔ اصل جواب کی بجائے ادھر ادھر کی فضول بھرتی کر کے وقت کوٹالنے کی کوشش کی ہے۔ اصل اعتراض اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے کہ آپ حضرات امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کہتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوتے ہیں کہ اس سے توہین کا پہلو مترشح ہوتا ہے۔ بالخصوص جب امت کے ایک کثیر حصہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس کو ترک کیجیے۔

امام ابو حنیفہ اور علم حدیث:۔

قاضی ابو یوسف سے ایک طویل روایت مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ فقہ کے علاوہ جتنے علوم ہیں سب کے حاصل کرنے میں بڑی زحمتیں ہیں اور انجام کے اعتبار سے بے فائدہ بھی۔ نیز تمام علوم میں عیوب بھی ہیں۔ حتی کہ (نعوذ باللہ) تفسیر وحدیث کا بھی یہی حال ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ فقہ کے علاوہ کسی بھی علم کو حاصل نہیں کرونگا۔ حتی کہ علم حدیث کی بابت فرمایا

(لاحاجة لی فی هذا)
مجھے علم حدیث حاصل کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں۔لہٰذا میں نے صرف علم فقہ حاصل کیا۔
(تاریخ بغداد ص 331 تا 332 ج 13 وعقود الجمان ص 163 تا 164 واخبار ابی حنیفۃ للصیمری ص 6,5 والخیرات الحسان ص 64)

امام صاحب کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے فقہ کی طرف توجہ دی اوراسی میں ہی انہوں نے کمال پیدا کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

(وکان ابوحنیفۃؒ الزمهم بمذهب ابراهیم واقرانه لایجاوزه الاماشاء الله وکان عظیم الشان فی التخریج علی مذهبه دقیق النظر فی وجوه التخریجات مُقبلا علی الفروع اتم اقبال وان شئت ان تعلم حقیقة ما قلنا فلخص اقوال ابراهیم واقرانه من کتاب الاثار لمحمد رحمه الله وجامع عبدالرزاق ومصنف ابی بکر بن ابی شیبه ثم قاسه بمذهبه تجده لایفارق تلك المحجة الافی مواضع یسیر فهوفی تلك الیسیرة ایضاً لایخرج عماذهب الیه فقهاء الکوفة)

یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اوران کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے۔اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے۔ ابراہیم نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجوہ میں باریک بین تھے۔ فروع پر پوری توجہ اور انہماک تھا۔ اگر تجھے میری بات کی سچائی وتحقیق مطلوب ہے تو امام محمد کی کتاب الاثار عبدالرزاق کی جامع اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی اوران کے معاصر علماء کے اقوال کو چن ڈال۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے مقابلہ کر لو تو اس طریقہ سے کہیں فرق نہیں پائے گا۔ مگر چند مقامات پر اوران چند مقام پر بھی امام ابو حنیفہ دیگر فقہاء کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص146ج1)

اس عبارت پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اپنا مقصد واضح کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی پوری توجہ ابراہیم نخعی کے قواعد پر مسائل نکالنے پر لگائی۔ جس سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی معروف کتب بالخصوص صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت مروی نہیں۔ہاں البتہ بعض روایات تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی زیادہ مرسل، منقطع ضعیف ہیں۔ بلکہ اکثر جگہ پر تو امام صاحب کے استاذ کذاب راوی بھی ہیں۔ جن کی ضروری تفصیل خاکسار نے دین الحق ص61,62ج1 میں درج کر دی ہے۔

اور بعض جگہ پر امام صاحب مبہم راوی سے روایت کرتے ہیں مثلاً عن رجل یا عمن حدثہ کہہ کر روایت بیان کرتے ہیں مثلاً دیکھیے کتاب الاثار للامام ابو یوسف صفحہ 5,6,45, 46,50,63,68,92,93,80,84,91 پھر مرفوع روایات کی تعداد تو اس قدر کم ہے کہ وہ سندیں جیسی بھی ہیں کچھ زیادہ نہیں۔امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی دنیا بھر میں مسند روایات کی تعداد صرف ایک سو تیس ہے ان میں بھی ایک سو بیس میں غلطیاں کی ہیں۔ کسی کی سند بدل دی ہے اور کسی کا متن تبدیل کر دیا ہے۔

(کتاب المجروحین ص63ج3)

آل سعود اور مبتدعین دیوبند

ہمارے معاصر نے تحفہ اہل حدیث ص83 تا84 میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آل سعود بھی ہمارے موافق ہیں۔ پھر بعض جزوی و فروعی مسائل میں بزعم خود اختلاف ثابت کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اب بتاؤ تمہارے ہیں یا ہمارے۔ چلو ایک اور طریقے سے آزمالو آپ بھی امام خانہ کعبہ کے پاس چلو میں بھی چلتا ہوں۔ میں کہوں گا کہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مقلد ہوں۔ آپ کہیں چاروں آئمہ میں سے جو کسی کی تقلید کرے وہ

مشرک اور گمراہ ہے۔ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید سراسر گمراہی ہے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ امام کعبہ ہاتھ کس کے چومتا ہے اور جوتے کس کو مارتا ہے۔ پھر دیکھیں گے سعودیہ والے تمہارے ساتھ یا ہمارے ساتھ ہیں۔ انتھی بلفظہ

الجواب:- اولاً:- آیئے چلتے ہیں خرچہ آپ کے ذمہ رہا کیونکہ دعوت آپ نے دی ہے۔ کعبہ کے امام کو منصف مان لیتے ہیں۔ خاکسار اکابر دیوبند کے عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ کی نشان دہی کرے گا۔ پھر قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھنا کہ وہ آپ کے بارے میں کیا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔

ثانیاً:- تقلید کو صرف ہم نے ہی شرک نہیں کہا بلکہ متعدد اہل علم نے اس کے شرک ہونے کی صراحت کی ہے۔ اوروں کو جانے دیجیے آپ کے استاذ المکرّم مولانا محمد سرفراز خاں صفدر اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ نے بھی شرک کہا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً:- مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے 1324ھ میں علماء حرمین سے آپ کی تکفیر پر مشتمل فتویٰ حاصل کیا تھا جو حسام الحرمین کے نام سے شائع بھی ہو گیا تھا جو اب تک متعدد بار طبع ہو چکا ہے اور مارکیٹ سے دستیاب ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ معتبر ہے یا غیر معتبر ہے۔ اگر غیر معتبر کہتے ہو تو ہم کس طرح مان لیں کہ آج کے فتویٰ کو مان کر اپنے عقائد فاسدہ سے آپ رجوع کر لیں گے۔

رابعاً:- بیت اللہ اور مسجد نبوی کے اماموں سے ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ جتنی دیر سعودیہ والے غریب تھے تو دیوبندیوں کے اکابر آپ تمام حضرات پر فاسق و فاجر اور جاہل وغیرہ کا فتویٰ لگاتے تھے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کنوز الارض کھول دیئے ہیں جس کی وجہ سے آج کے دیابنہ نے زکوٰۃ و عشر' فطرانہ و صدقات وصول کرنے کی غرض سے منافقت کا روپ دھار لیا ہے۔ ورنہ یہ لوگ در پردہ آپ کی تکفیر کے قائل ہیں۔

مولوی انور شاہ کاشمیری کہتا ہے کہ

(اما محمد بن عبدالوهاب النجدى فكانه رجلا بليدا قليل العلم فكان

یتسارع الی الحکم بالکفر)

محمد بن عبدالوہاب نجدی نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت تیز تھا۔

(فیض الباری ص 171)

مولوی حسین احمد مدنی لکھتا ہے کہ

(۱) صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدا تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا..........وہ ایک ظالم اور باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔

(شہاب ثاقب ص42)

(۲) نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں ۔اگر بعد وفات ان کی حیات ہے تو وہی حیات ان کو برزخی ہے اور احاد امت کو ثابت ہے بعض ان کے حفظ جسم نبی کے قائل ہیں مگر بلا علاقہ روح۔

(شہاب ثاقب ص45)

(۳) زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریف و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام وغیرہ لکھتا ہے اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔

(لاتشددا الرحال الاالی ثلثة مساجد)

ان کا مستدل ہے بعض ان میں سے سفر زیارت کو معاذاللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں ۔اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰة وسلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰة والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص45,46)

(۴) وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب

بالشیخ وفناوبقاوخلوت وغیرہ اعمال کو فضول ولغواور بدعت وضلالت شمار کرتے ہیں۔اوران اکابر کے اقوال وافعال کوشرک وغیرہ کہتے ہیں اوران سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ ومستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص59)

(۵) وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کوشرک فی الرسالۃ جانتے ہیں اور آئمہ اربعہ اوران کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہوابو صھیب) استعمال کرتے ہیں۔اوراس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے ہیں۔چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیروکار ہیں۔وہابیہ نجد وعرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کااقرار کرتے ہیں لیکن عمل در آمدان کاہر گز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے۔بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول ہو گیاہے۔

(شہاب ثاقب ص62)

(٦) مثلاً علی العرش استویٰ وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوا ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتاہے۔جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتاہے۔(لعنۃ اللہ علی الکاذبین ابوصھیب)..........

علی ھذ القیاس مسئلہ نداء رسول اللہ ﷺ میں وہابیہ مطلق منع کرتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص64)

الغرض اس طرح کی متعدد عبارات ہیں جس میں مدنی صاحب نے خشیت الٰہی کو بالائے طاق رکھ کر دیار عرب کے لوگوں پر کذب وافترا کر کے ان کو فاسق وفاجر قرار دیاہے۔مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے (التصدیقات لدفع التلبیسات ص28'29 میں

بھی اسی طرح کے گل کھلائے ہیں ۔اور یہ ماشاء اللہ وہ کتاب ہے جس کی تصدیق کرنے والوں میں مولوی محمود حسن خاں، مولوی احمد حسن امروہی، مولوی عزیز الرحمٰن، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی شبیر احمد عثمانی اور حبیب الرحمٰن دیوبندی وغیرہ شامل ہیں۔اور مبتدعین دیابنہ اس کتاب کو' عقائد اہل سنت والجماعۃ' کے عام فہم نام سے شائع کرتے ہیں' مطبوعہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر 1۔

مگر ہمارے معاصر کو غالباً وہاں سے صدقات وصول کرنے کا شوق دامن گیر ہے جس کی وجہ سے اپنے اکابرین کے برعکس ہم کو للکار رہا ہے کہ آیئے امام کعبہ سے انصاف کروا لیتے ہیں۔

بھائی جب ہم نے پوری حقیقت کھولی تو یقیناً جوتے منافقین کو لگیں گے۔ہم اللہ کے فضل سے محفوظ رہیں گے۔(ان شاء اللہ)

تفسیر عثمانی کی اشاعت:۔

فرماتے ہیں کہ تفسیر عثمانی مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی تفسیر ہے۔شاہ فہد نے چھاپ کر پوری دنیا میں تقسیم کی ہے۔اگر تمہارے ہیں تو تمہاری تفسیر تقسیم کرتے۔ دیوبندی کی تفسیر کبھی تقسیم نہ کرتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 84)

الجواب:۔ اولاً:۔ علماء اہل حدیث کی متعدد کتب کو آل سعود نے شائع کیا اور لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم بھی کیا اگر ان کی فہرست بنائی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احسن البیان کو سعودی عرب والوں نے لکھوا کر لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے۔

ثانیاً:۔ بلاشبہ سعودی عرب والوں نے تفسیر عثمانی کو شائع کیا۔ مگر جب علماء اہل حدیث کی طرف سے وضاحت کی گئی کہ اس تفسیر میں بعض شدید قسم کے غلط و باطل عقائد ہیں بالخصوص صفات باری تعالیٰ میں تاویل و تحریف کی گئی ہے اور اس کے شروع میں ہی لکھا ہے کہ

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے"۔

(تفسیر عثمانی ص2)

اس عبارت میں غیراللہ سے استعانت کو جائز و صحیح کہا گیا ہے جو شرک کا چور دروازہ ہے۔ الغرض اس وضاحت کے بعد سعودی عرب والوں نے تفسیر عثمانی کی تقسیم بند کر دی۔ اب اگر اس کی اشاعت سعودیہ والوں سے کرادو تو ہم مان جائیں گے۔ مگر یہ کبھی بھی ممکن نہیں۔ ان شاءاللہ

تقلید کی دلیل اول:-

قرآن پاک میں ہے

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾

اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

پوچھ کر مان لینے کا نام ہی تو تقلید ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص85)

الجواب:- اولاً:- آپ ماشاءاللہ خطیب و امام ہیں لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں۔ کیا وہ آپ کے مقلد ہیں؟ اگر آپ کہہ دیں کہ چونکہ میں فقہ حنفی کے موافق فتویٰ دیتا ہوں لہٰذا وہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہوئے۔ تو جواباً عرض ہے کہ اس کی دلیل دیجیے کہ مسؤل امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دے۔ کیونکہ زیر بحث آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ مفتی قول امام ابو حنیفہ پر فتویٰ دے۔

ثانیاً:- عامی آپ سے سوال کرتا ہے کہ حضرت مولانا اللہ ایک ہے یا متعدد۔ آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ صرف ایک ہی ہے۔ یا عامی آپ سے پوچھتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہی کرنی چاہیے یا اس کے علاوہ بھی کسی کی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ آپ جواب دیتے ہیں

کہ عبادت خاص اللہ کی ہی کی جاتی ہے۔وہ آپ کی بات مان لیتا ہے۔بتائیے کہ یہ تقلید ہے کہ نہیں ؟اگر آپ کہہ دیں کہ یہ تقلید ہی ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہ خالص جھوٹ ہے کیونکہ عقائد میں آپ بھی تقلید کے قائل نہیں۔ آپ کے استاذ المکرّم فرماتے ہیں کہ اصول دین' عقائد اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید آئمہ کرام پر اکتفاء درست ہے۔

(الکلام المفید ص182)

ثالثاً:- مفتی سے جب مستفتی حکم شریعت دریافت کرے گا تو مفتی استفتاء میں قرآن وسنت سے جواب دے گا جو دلیل شرعی ہیں۔اور بادلیل بات کو ماننا تقلید نہیں جیسا کہ پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ تقلید کہتے ہیں کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا۔ مگر مفتی تو دلیل شرعی نقل کر رہا ہے اور مستفتی اس سے مطمئن ہو کر عمل کرتا ہے تو یہ دلیل کی پیروی ہوئی نہ کہ تقلید۔ لیکن جھنگوی صاحب اس کا نام تقلید رکھتے ہیں حالانکہ آئمہ اصول نے صراحت کی ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔اور یہ کہ مفتی کی طرف رجوع تقلید نہیں۔

(فالرجوع الی النبی اوالی الاجماع لیس منه وکذاالعامی الی المفتی والقاضی الی العدول)

(مسلم الثبوت ص350ج2)

یعنی نبی ﷺ کی بات ماننا یا اجماع پر عمل کرنا یا بے علم کا عالم کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا گواہوں کے قول پر اعتماد کرنا تقلید نہیں ہے۔

رابعاً:- ارشاد ربانی ہے کہ

﴿فسئل الذین یقراء ون الکتب من قبلك﴾

(یونس:94)

(یعنی اے محمد ﷺ) جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔

(94-10)

تو کیا معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اہل کتاب کی تقلید کا حکم ہے۔ حاشا وکلا معلوم ہوا کہ سوال کرنے کو تقلید کہنا ہی غلط ہے۔

خامساً:۔ آیئے ہم آپ کو مذکورہ آیت کا معنی ومفہوم سمجھاتے ہیں۔

﴿ومارسلنامن قبلك الارجالا نوحی الیهم فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ☆ بالبینت والزبروانزلناالیك الذکرلتبین للناس مانزل الیهم ولعلهم یتفکرون ☆

(النحل:44-43)

اور ہم نے تجھ سے پہلے مردوں ہی کو رسول کر کے بھیجا ہے جن کو ہم وحی کیا کرتے تھے۔ تمہیں اگر علم نہ ہو تو علم داروں سے پوچھ لو۔ کھلے کھلے نشان اور واضح مسائل لے کر آتے رہے اور ہم نے تیری طرف نصیحت کی بات اس لیے اتاری ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اترا ہے تو اس کو واضح کر کے بیان کر دے کہ وہ اس میں فکر کریں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے مخاطب منکرین نبوت محمدیہ ہیں اور اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اور منکرین کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ اگر تم اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ رسول بشر ہوتا ہے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو۔ کیونکہ وہ بوجہ آپ کو بتادیں گے کہ نبی آدمی و بشر ہی ہوتا ہے۔ پھر اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کا منصب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تیری طرف کتاب کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو سمجھا دیں اور جن کی طرف نازل ہوا ہے وہ اس میں فکر و تدبر کریں۔

بھائیوں کا دعویٰ ہے کہ ان آیات میں تقلید علماء کا ذکر ہے حالانکہ غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے جبکہ تقلید محض حسن ظن اور اندھی عقیدت کا نام ہے جس میں غور و فکر اور تدبر کو یکسر دخل ہی نہیں۔

تقلید کی دوسری دلیل:۔

دوسری جگہ فرمایا کہ

﴿یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مجتہدین کی۔

(تحفہ اہل حدیث ص85)

ہمارے مہربان نے اولی الامر کا معنی مجتہدین کیا ہے جس پر دلیل یہ قائم کی ہے کہ قرآن پاک مین اولی الامر سے مراد اہل استنباط ہیں۔

(النساء:83)(بلفظہ تحفہ اہل حدیث ص85)

الجواب:- اولاً:- " اوالی الامر " ولی الامر کی جمع ہے ولی بمعنی کسی کو کسی علاقہ کا حاکم والی یا بادشاہ بنانا۔ مگر ہمارا معاصر اس سے منکر ہے۔ پھر صریحاً جھوٹ بولا کہ قرآن میں انہیں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ حالانکہ سورہ النساء کی آیت 83 میں اوالی الامر کا معنی شاہ عبدالقادر نے حاکم سردار شاہ رفیع الدین نے صاحب حکم، مولوی محمود حسن دیوبندی نے حاکموں کیا ہے۔ مگر جھنگوی صاحب اتنے بے شرم ہیں کہ قرآن میں معنوی تحریف کرتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔

ثانیاً:- آپ نے پوری آیت نقل نہیں کی۔ آگے الفاظ ربانی ہیں

﴿فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول﴾

(النساء:59)

اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

(59-4)

ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ حکمران کی بھی معصیت میں اطاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف امر معروف میں ہی اس کی اتباع کی جائے گی جو دراصل اللہ ورسول کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(ومن یطع الامیر فقد اطاعنی)

یعنی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری ہی اطاعت کی۔

(الحدیث بخاری ص415ج1 و مسلم ص124ج2)

معصیت اور معروف میں امتیاز کے لیے نصوص کی طرف رجوع کے بغیر چارہ نہیں۔اور یہ اجتہاد ہے نا کہ تقلید۔الغرض اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو وہ تقلید کا بطلان اور اجتہاد کی تلقین

کیا تقلید کا لفظ قرآن میں ہے ؟:-

پہلے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ تقلید کا لفظ قرآن میں نہیں ۔پھر جواب تحریر کرتے ہیں کہ جنازہ کا لفظ قرآن پاک میں نہیں ہے۔لہٰذا جنازے کا کوئی فائدہ نہ ہوا آپ کو بغیر جنازہ کے دفن کر دیں گے فکر مت کریں۔

(تحفہ اہل حدیث ص86)

الجواب :- اولاً :- سوال تو بڑا معقول تھا کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کو فرض وواجب کہا ہے تو کیا تقلید کا لفظ قرآن میں ہے یا کہ نہیں۔

جھنگوی صاحب اصل جواب دینے کی بجائے فضول بحث لے کر بیٹھ گئے ہیں کہ جنازہ کا لفظ بھی قرآن میں نہیں۔حالانکہ ارشاد ربانی ہے کہ

﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ﴾

(التوبہ:84)

تصل سے مراد نماز جنازہ ہے۔جملہ مترجمین نے اس کا یہی معنی کیا ہے۔کسی مفسر و محدث و فقیہ کا اس میں اختلاف نہیں۔گویا اس پر امت مرحومہ کا اجماع ہے انکار ہے تو صرف جھنگوی صاحب کو۔

پھر متعدد احادیث میں جنازہ کا لفظ موجود ہے۔(بخاری۔مسلم) مگر تقلید کا لفظ تو کسی حدیث میں بھی نہیں۔

ثانیاً:- خبث باطن دیکھئے کہتے ہیں آپ کو بغیر جنازہ دفن کر دیں گے فکر مت کریں۔انا للہ

وانا الیہ راجعون

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا معاصر جیسے متعصب ہے اس سے ہزار گنا زیادہ جاہل بھی ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ مومن کی نماز جنازہ فرض ہے۔ اس کے انکار کو فقہاء احناف نے بھی کفر لکھا ہے۔ کیونکہ یہ اجماع کا انکار ہے۔

(در مختار مع ردالمختار ص 207 ج2)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے۔ اگر بالفرض اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو اجماع ہی کافی تھا۔ مگر یہاں تو نص موجود ہے جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں مگر جھنگوی صاحب کو اہل حدیث سے اتنا شدید بغض ہے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

تقلید اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف دور ہیں۔ جن میں انہوں نے متعدد تصانیف تحریر فرمائی ہیں۔ جو حصہ تصوف کے متعلق ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے کہ جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے جو آج کل کے بریلوی علماء دیوبندی مکتب فکر پر حجت کی غرض سے نقل بھی کرتے ہیں۔

بلاشبہ شاہ صاحب کا رجحان بعض جگہ احناف کی طرف ہے۔ لیکن وہ جمود کے سختی کے ساتھ مخالف ہیں۔ آج جو بیداری کی تحریک حدیث فکر موجود ہے اس کی ابتداء حضرت شاہ صاحب سے ہوئی۔ جن کو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ نے پروان چڑھایا۔

جس دور میں حضرت شاہ صاحب نے تقلید کے خلاف آواز کو بلند کیا اور جس انداز اور فکر سے اس کو سامنے لائے وہ ایک غنیمت ہے۔ وہ تقلید و جمود کی بعض جگہ کھل کر تردید کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم مقلدین کا طرز عمل کے زیر عنوان حضرت شاہ صاحب کا فوز الکبیر سے کلام نقل کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ تقلید میں تقسیم

کے قائل تھے۔ مگر یہ زمانہ کی مجبوری اور حالات کا تقاضا تھا۔ ورنہ شاہ صاحب جمود کے زبردست مخالف تھے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں الکلام علی الفرق بین اہل الحدیث واہل الرای اورالکلام علی حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ کے ابواب کی ابحاث قابل دید ہیں جو ہمارے مؤقف کی مؤید ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی

حضرت شاہؒ صاحب ایمان میں زیادتی اور کمی کے قائل ہیں۔ وہ اعمال کو ایمان کا حصہ کہتے ہیں۔

(غنیۃ الطالبین ص143 مترجم طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور 1394ھ)

اسی طرح وہ صفات باری تعالیٰ میں تاویل کے قائل نہیں بلکہ تاویل کے قائلین کو انہوں نے گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے۔ غنیۃ ص192 اہل بدعت کی وہ یہ پہچان بتاتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کو جھوٹا کہتے ہیں اوران کی غیبت کرتے ہیں۔

(غنیۃ ص175)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے حنفیہ کو گمراہ فرقوں کے ضمن میں شمار کرتے ہوئے' انہیں مرجیہ وجہمیہ قرار دیا ہے۔

(غنیۃ ص192,193)

مگر ہمارے جھنگوی صاحب بعض جزوی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ باقی اگر صرف رفع الیدین سے آدمی غیر مقلد بن جاتا ہے تو شیعہ رافضی سارے اہل حدیث غیر مقلد ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص87)

حالانکہ شیعہ تقلید کے قائل ہیں اوراس کو وہ لازم وضروری اورواجب کا درجہ دیتے ہیں۔

(توضیح المسائل ص4-1 مؤلفہ خمینی)

رہا رفع الیدین کا معاملہ تو وہ متعدد مقامات پر مزید بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا اشتراک نہ رہا۔ جبکہ شیخ عبدالقادر اور ہماری نماز میں رفع الیدین کے مسنون طریقہ میں اشتراک ہے۔ جبکہ مکحول نسفی نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ جو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(الجواہر المضیۃ ص180 ج2)

گو بعض حنفیہ نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔

(الفوائد البہیہ ص217)

مگر ان کا عمل اسی پر ہی ہے کہ مبتدعین دیابنہ کو جتنی چڑ اس سنت سے ہے شاید ہی کسی دوسری سے ہو۔ حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ ہے۔ (الازھار المتناثرہ)

صحابہ کی تقلید

فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ مجتہد تھے اور بعض غیر مجتہد۔ تو دوسرے صحابہ کرام مجتہد صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں یمن میں حضرت معاذ کی تقلید شخصی ہوتی رہی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الانصاف میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ ہر شہر میں کسی نہ کسی صحابی کی تقلید ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی مکہ میں، حضرت زید بن ثابت کی مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کوفہ میں اور بصرہ میں حضرت انسؓ کی تقلید ہوتی تھی۔

(تحفہ اہل حدیث ص90)

الجواب:- اولاً:- یہ سب کذب و افترا اور مؤلف کی خود ساختہ کہانی ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ کسی صحیح و معتبر سند سے ان صحابہ کرام کی تقلید ثابت نہیں کر سکتا۔ راقم حیران ہے کہ یہ شخص خدا اور رسول پر افترا کرنے میں اور صحابہ پر بہتان باندھنے میں اس قدر جری و دلیر کیوں ہے؟

ثانیاً:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ

((لايقلدن احدكم دينه رجلا))

یعنی دین میں کوئی شخص کسی کی تقلید نہ کرے۔

(طبرانی کبیر ص152ج9)

ھیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ص185' وفی نسخۃ الاخریٰ ص182ج1)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

(وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم عن اخرهم واجماع التابعين اولهم عن اخرهم واجماع تبع التابعين اولهم عن اخرهم على الامتناع والمنع من ان يقصد احد الى قول انسان منهم اومن قبلهم فياخذه كله)

(عقدالجید ص40)

یعنی بلاشبہ تمام صحابہ کرام' تابعین عظام اور تبع تابعین کا اول تا آخر اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا سابقین میں سے کسی عالم کے سب اقوال پر عمل نہ کرے۔

لیکن اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی تقلید کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ثالثاً:- اگر لوگ ان صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات صحابہ کرام کی تقلید کی بجائے امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کی تقلید سے منع کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ھمام نے "التحریر" میں صراحت کی ہے۔

(بحوالہ مجموعہ فتاوی عبدالحی ص193ج3)

کتنے ستم کی بات ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی بصرہ میں تقلید ہوتی تھی۔ مگر آپ کا جید عالم اور خبیث اللسان کوثری حضرت انسؓ کے بارے میں بکواس کرتے

ہوئے تحریر کرتا ہے کہ

(وقدانفرد برواية الرضخ انسؓ فی عهد هرمه کانفراده برواية شرب ابوال الابل فی رواية قتادة ......ومن رای ابی حنیفة ان الصحابةرضی الله عنهم مع کونهم عدولا لیسوا بمعصومین من مثل قلة الضبط الناشئة من لامية اوکبر السن)

(تانیب الخطیب ص 117 طبع مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

یعنی اس روایت کو نقل کرنے میں حضرت انسؓ منفرد ہیں جو بڑھاپے اوران پڑھ ہونے کی وجہ سے قلیل الضبط تھے۔اسی طرح وہ اونٹ کا پیشاب پینے والی روایت میں بھی منفرد ہیں ۔اورابو حنیفہ کااصول یہ ہے کہ صحابہ معصوم نہیں ان پڑھ یابڑھاپے کی وجہ سے قلت ضبط کی بناپران سے روایت حدیث میں غلطی ہوسکتی ہے۔نیز انس غیر فقیہ بھی تھے اور غیر فقیہ سیئ الحفظ صحابہ کی روایت فقیہ کے مقابلہ میں مرجوع ہے۔

دیکھیے کوثری نے حضرت انسؓ سے مروی مرفوع احادیث کورد کرنے کے لیے ان کے بڑھاپے اوران پڑھ ہونے کاعذر کیاہے۔اوران کو غیر فقیہ کہہ کراپنے خبث باطن کااظہار کیاہے۔

گزارشات کامقصد یہ ہے کہ جھنگوی صاحب اپنے اکابرین کی تقلید کی وجہ سے درپردہ عقیدہ تویہی رکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ غیر فقہی 'ان پڑھ 'اوربڑھاپے کے سبب سترے بترے گئے تھے۔(معاذاللہ)لیکن یہاں صرف مطلب برآری کے لیے ان کوبصرہ کافقہی کہہ کران کی تقلید ثابت کررہے ہیں۔

اہل حدیث کے تقلیدی مسائل

ہمارے فاضل بھائی کویہ بھی شکوہ ہے کہ اہل حدیث بعض غیر منصوص مسائل میں تقلید کرتے ہیں لیکن مانتے نہیں ہیں۔پھر جذباتی انداز میں فرماتے ہیں کہ غیر منصوص مسائل ہم

جن بزرگوں سے لیتے ہیں ان کو دعائیں دیتے ہیں' غیر مقلدین جن بزرگوں سے مسائل لیتے ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں بس فرق اتنا ہے' اس کے بعد انہوں نے تقریباً بیس مسائل کی نشاندہی کی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص92-90)

الجواب:- اولاً:- حاشاء وکلا ہم کسی بزرگ کو گالیاں نہیں دیتے یہ آپ کا خالص افترا ہے۔

ثانیاً:- یار آپ بڑے خود غرض ہیں کہ صرف جن سے مسائل اخذ کرتے ہیں صرف ان کے حق میں ہی دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن تو فوت شدہ جملہ مومنین کے حق میں مغفرت کی دعا کی تلقین کرتا ہے۔

ثالثاً:- اگر اخذ واستفادہ تقلید ہے تو امام ابو حنیفہ بھی ابراہیم نخعی کے مقلد تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کا کلام نقل کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی کے اصول و قواعد پر مسائل کا استخراج کرتے تھے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتے تھے۔

رابعاً:- یہ بھی غلط بیانی ہے کہ ہم جن سے مسائل لیتے ہیں ان کو دعا خیر سے ہی یاد کرتے ہیں امام ابو حنیفہ نے جابر جعفی سے کسب فیض کیا تھا ان سے ان کی روایات بھی ہیں دیکھئے جامع المسانید ص304 ج1

مگر اسی جابر کے متعلق خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔

(میزان ص380 ج1 وکتاب القراۃ ص34)

جب آپ کے مقتدا کی یہ حالت ہے تو آپ کی بہر حال فروتر ہوگی۔

اس سے بھی بڑھ کر سنئے کہ امت مرحومہ کے سب سے زیادہ محسن صحابہ کرامؓ ہیں۔ مگر ان میں سے بعض کو غیر فقیہی (بے وقوف) کہا گیا ہے۔

خامساً:- ہمارے نزدیک اصل دلائل تو قرآن وحدیث ہی ہیں لیکن قرآن وسنت کے مفہوم اور معانی میں ہم سلف صالحین سے خروج کو جائز نہیں جانتے۔ حضرت حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم فرماتے ہیں کہ

جو شخص سلف کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دے وہ اہل حدیث نہیں۔

(فتاوی اہل حدیث ص646ج2)

الغرض ہم اصول و فروع میں صحابہ کرام کے منہج پر گامزن ہیں۔ جو چیز قرآن وسنت سے نہ ملتی ہو اسے ہم آثار صحابہ سے لیتے ہیں۔ غیر منصوص مسائل میں ہم ادلہ اربعہ کے قائل ہیں۔ لیکن جمود کے منکر ہیں۔ پوری امت مرحومہ کے فقہاء کے اقوال کو پیش نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں ۔ ہمارا اور آپ کا فرق یہ ہے کہ آپ امام ابو حنیفہ کے قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نظیر پر نظیر کو محمول کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں مگر ہم پوری امت مرحومہ کا امام ابو حنیفہ کو وارث نہیں مانتے۔ بہر حال آیئے آپ کے پیش کردہ مسائل کا ترتیب وار جواب تحریر کرتے ہیں ان کو ملاحظہ کیجیے۔

بھینس کی حلت:۔

ہمارے بھائی کو یہ شکوہ ہے کہ بھینس کو نام لے کر قرآن وحدیث میں حلال نہیں ٹھہرایا گیا اس میں غیر مقلد تقلید کرتے ہیں مگر مانتے نہیں؟

(تحفہ اہل حدیث ص90)

الجواب :۔ اولاً:۔ حاشا وکلا ہم حلت وحرمت میں کسی کی تقلید کریں یہ آپ کا ہم پر خالص افترا ہے۔ ہمت ہے تو اس کا ثبوت دیں کہ اہل حدیث بھینس کو فلاں امام کی تقلید میں حلال جانتے ہیں۔ حوالہ کسی اہل حدیث محقق کا ہو اور صحیح ہو۔ کیونکہ آپ کو جھوٹ بولنے کی کثرت سے عادت ہے۔

ثانیاً:۔ شریعت میں حلت وحرمت کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ حرام کو بیان کر دیا گیا ہے اور حلال کی وضاحت نہیں کی گئی۔ ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وقدفصل لکم ماحرم علیکم﴾

(الانعام:119)

اور جو حرام ٹھہرادی ہیں ان کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

(119-6)

جانوروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول بتایا ہے کہ

((کل ذی ناب من السباع فاکله حرام))

(صحیح مسلم ص147 ج2، و مشکوٰۃ ص359)

ہر کچلی والا درندہ کھانا حرام ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ

((نهی رسول الله ﷺ عن کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر))

(صحیح مسلم ص147 ج2، و مشکوٰۃ ص359)

رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی والے درندے اور پنجے کے ساتھ شکار کرنے والے پرندے کے کھانے سے منع کیا ہے۔

اس ارشاد نبویؐ کی روشنی میں ہر عاقل و سمجھدار دیکھ سکتا ہے کہ بھینس ذی ناب درندہ ہے کہ نہیں۔ اگر کچلی والی درندہ نہیں۔ یقیناً نہیں تو فرمان نبوی اور دستور سے یہ حلال ثابت ہوئی۔ اس میں بھلا تقلید کی کونسی بات ہے۔

ثالثاً:- ابن عباس فرماتے ہیں فما احل هو حلال مما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو (ابوداؤد کتاب الاطعمۃ باب مالم یذکر تحریمہ حدیث نمبر 3800)

اللہ تعالیٰ نے جس کو حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی ہے وہ قابل عفو ہے ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسی سے مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وما سکت عنه فهو مما عفا عنه شیخ البانی اور گوندلوی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس سے واضح ہے کہ شریعت نے جس چیز سے خاموشی اختیار کی ہے وہ دراصل حلت کے حکم میں ہے۔ بھینس کے بارہ میں شریعت نے کہیں حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جس سے ظاہر ہے کہ بھینس حلال ہے۔ مگر

جھنگوی اس اصول سے ناواقف ہے اس لئے اہل حدیث پر تقلید کا الزام لگاتا ہے۔

رابعاً۔ کیا آپ امام ابو حنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے بھینس کا نام لے کر اس کی حلت کی وضاحت کی ہو۔ دیدہ باید

سنن وفرائض کی تقسیم:۔

اس کے تحت وہی پرانی رام کہانی پیش کرتے ہیں کہ سنن و فرائض کی حدیث سے تقسیم ثابت نہیں جبکہ فقہ سے ثابت ہے۔ اور یہ تقلید ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

اس کا جواب راقم تفصیل سے عرض کر چکا ہے اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دے چکا ہے۔

قنوت میں ہاتھ اٹھانا:۔

فرماتے ہیں کہ اہل حدیث وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ یہ امام شافعی کی تقلید کرتے ہیں یہ مسئلہ حدیث میں نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:۔ اولاً:۔ آپ نے حدیث پڑھی نہیں صرف آپ کو ایک سال دورہ پڑا تھا ورنہ اس پر حدیث موجود ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

((فلقد رایت رسو ل الله ﷺ فی صلاة الغداة رفع یدیه فدعاعلیهم))(الحدیث)

(مسند احمد ص 137 ج 3)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ صبح کی نماز میں آپ نے ہاتھ اٹھا کر دشمنان اسلام پر بددعا کی۔

علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(ارواء الغلیل ص 181 ج 2)

یہ حدیث گو قنوت نازلہ کے بارے میں ہے لیکن قنوت وتر کو بھی یہ شامل ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(قیام اللیل ص230 و مرعاۃ ص300 ج4)

ثانیاً:- اس سنت مصطفیٰ ﷺ کے منکرو، اور تعامل صحابہ سے بغاوت کرنے والو، ذرا اس کی بھی وضاحت کیجیے تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرتے ہوئے دوبارہ ہاتھ باندھ کر دعا قنوت مانگنے کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ یہاں حدیث مرفوع درکار ہے کیونکہ ہم نے مرفوع متصل اور صحیح حدیث پیش کی ہے۔

مسئلہ طلاق ثلاثہ:-

فرماتے ہیں کہ مسئلہ طلاق میں ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

ثانیاً:- ایک دم دی گئی طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے پر قرآن وحدیث کے دلائل ہمارے ساتھ ہیں۔ تفصیل دین الحق حصہ دوم میں راقم نے بیان کردی ہے۔ یہاں اختصار کی بناپر عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی مبارک، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری مدت خلافت میں اور ابتداء خلافت فاروقی کے دوسالوں تک (ایک مجلس میں دی گئی) تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح مرفوع متصل حدیث اس پر گواہ ہے۔

(صحیح مسلم ص477 ج1)

حضرت رکانہؓ نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک ہی رجعی طلاق قرار دیا تھا۔

(مسند احمد ص265 ج1 و بیہقی ص339 ج7 و ابو یعلی ص64 ج2)

ثانیاً:- آپ بھی ذرا وضاحت کریں کہ حلالہ میں آپ کن لوگوں کے مقلد ہیں۔ اگر آپ

غور کریں تو اس رسم بد میں آپ کفار عرب کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو ادھار لیا گیا سانڈ نہ بتاؤں ؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ' تو آپ ﷺ نے فرمایا

((ھو المحلل لعن اللہ المحلل و المحلل لہ))

وہ حلالہ کرنے والا ہے' اللہ کی لعنت ہو جس نے حلالہ کیا اور جس نے کروایا۔

(ابن ماجہ (1936) مستدرک حاکم ص198 ج2 و بیہقی ص208 ج7)

اس ارشاد نبوی کے برعکس حنفیہ کا مؤقف یہ ہے کہ حلالہ اگر اس غرض سے کیا جائے کہ حلالہ کرنے والا یہ قصد کرلے کہ یہ عورت میرے پہلے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو اس کی اس نیت پر اسے اجر ملے گا۔

(فتح القدیر ص34 ج4 والبحر الرائق ص58 ج4)

ثناء و تعوذ کا آہستہ پڑھنا:۔

فرماتے ہیں نماز میں ثناء' تعوذ آہستہ پڑھنا چاہیے ۔فقہ کا مسئلہ ہے اس میں غیر مقلدین اہل فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:۔ اولاً:۔ ہمیں آپ سے ایک شکوہ ہے وہ یہ کہ آپ خود مطالعہ کر کے اعتراض نہیں کرتے بلکہ ماسٹر محمد امین صفدر کی تقے خوری کرتے ہیں۔ لیکن نام نہیں لیتے۔

ثانیاً:۔ اگر آپ کتب فقہ کی بجائے سنت سے محبت کے جذبہ سے کتب حدیث اور اسوۂ رسول ﷺ کو پڑھتے تو یقیناً آپ ایسا فضول دعویٰ نہ کرتے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ

((کان رسول اللہ ﷺ یسکت بین التکبیر و بین القرأۃ اسکاتۃ' قال' احسبہ قال' ھنیۃ فقلت بابی و امی یارسول اللہ ﷺ اسکاتك بین التکبیرو بین القراۃ ماتقول قال اقول اللھم باعدبینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب اللھم نقنی من

الخطایاکماینقی الثوب الابیض من الدنس اللهم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد))

رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان تھوڑی دیر خاموش رہتے (ابو زرعہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابو ہریرہؓ نے یوں کہا کہ

یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پڑھتا ہوں

((اللهم باعد بيني وبين خطاياي كماباعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطایاکماینقی الثوب الابیض من الدنس اللهم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد))

(بخاری ص103ج1 ومسلم ص219ج1)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قرأت کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے۔

(بخاری ص103ج1 ومسلم ص172ج1)

ان دونوں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوا کہ قرأت سے پہلے ثناء تعوذ جہر سے نہیں بلکہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔

ثالثاً:- حنفی مقلدین جو ثناء پڑھتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کیا آپ اس پر کوئی مرفوع حدیث پیش کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہم آپ کو سنت مصطفیٰ پر عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ آپ کو توفیق دے۔

امام کی تکبیرات انتقال کو مقتدی بلند کیوں نہیں کہتا؟:-

اس سلسلہ میں جھنگوی صاحب نے تکبیر تحریمہ اور سلام کا ذکر کیا ہے کہ اس کی

تقسیم حدیث سے ثابت نہیں کہ امام بلند کہے اور مقتدی آہستہ۔ بلکہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- نماز ذکر ہے۔

﴿واقم الصلوٰۃ لذکری﴾ (طہٰ:14)

اور میرے ذکر کے لیے نماز پڑھا کرو (20-14) اور ذکر میں اصل اخفا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

﴿ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ﴾

(الاعراف:55)

اپنے رب کو عاجزی اور چپکے چپکے سے پکارو۔

نماز تو بالخصوص ذکر ہے اور اس میں شرعی طور پر اخفا ہے' اور اس پر صحیح' صریح' حدیث موجود ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب ھذا کا حصہ اول فصل چہارم میں (16) عداوت اہل حدیث میں حدیث رسول ﷺ کا انکار' کے زیر عنوان ملاحظہ کریں۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا ہے' تو اب جہاں اور جس جگہ کے لیے جہر ثابت ہو گا وہ تو بلند آواز سے کہے گا باقی اصل حالت اخفا میں رہیں گے۔ امام کا تکبیر تحریمہ 'سلام پھیرنا اور دیگر تکبیرات انتقال کا بلند آواز سے کہنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے -اس کا انکار محض ضد اور تعصب کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔ اور یہ لاعلاج مرض ہے۔ الغرض حدیث میں امام کی تکبیرات و تحمید کے بلند آواز سے کہنے کا ذکر موجود ہے۔

(بخاری ص 114 ج 1 و بیہقی ص 18 ج 2)

جبکہ مقتدی کا تکبیرات وغیرہ کا بلند کہنا ثابت نہیں پوری امت محمدیہ کا نسل در نسل تواتر سے مقتدی کا آہستہ کہنا ہی عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مرض الموت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کرنے کا حکم فرمایا' جماعت کھڑی ہو گئی' تو خود رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بازو میں بیٹھ کر امامت کروائی' مگر رسول اللہ کی آواز بوجہ بلند نہ تھی' جس کی وجہ سے مکبر کی ضرورت پیش آئی اور

حضرت ابو بکر مکبر بن کر تکبیرات انتقال بلند آواز سے کہنے لگے' بخاری میں ہے کہ
وابوبکر یسمع الناس التکبیر' رقم الحدیث (712) باب من اسمع الناس تکبیر الامام'
یعنی حضرت ابو بکر لوگوں کو نبی علیہ السلام کی تکبیر سنا رہے تھے'
اگر امام اور مقتدی دونوں ہی بلند آواز سے تکبیرات کہنے کے مکلّف ہوتے تو سیدنا ابو بکر کو مکبر بننے کی ضرورت نہ تھی۔
ثانیاً:- امام تو تکبیرات وغیرہ کو بلند آواز سے مقتدی کے لیے کہتا ہے تاکہ وہ متابعت کرے جیساکہ حدیث ہے کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پوری پوری اقتدا کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔

(الحدیث مسلم ص177ج1)

یہ حدیث برہان ہے کہ امام کو تکبیرات بلند کہنی چاہیئں جبکہ مقتدی کے بلند کہنے کا ثبوت آپ دیجیے۔
ثالثاً:- جب مقتدی تکبیرات و تحمید اور باقی اذکار نماز کو جہر سے ادا کرے گا تو منازعت کی صورت پیدا ہوگی۔اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔
حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ
رسول اللہ علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی (پھر نماز کے بعد) فرمایاکہ تم میں سے کس نے میرے پیچھے سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھا تھا۔ایک شخص نے عرض کیامیں نے پڑھا تھا ۔اور میرا ارادہ اس سے صرف ثواب تھا۔ تو رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایاکہ

((قدعلمت ان بعضکم خالجنیھا))
میں سمجھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قرآن چھین رہاہے۔
(صحیح مسلم ص 172ج 1' ونسائی ص 111ج 1وابو عوانہ ص 132ج 2 ومسند احمد ص431ج4)
اس فرمان میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے مقتدی کو بلند آواز سے پڑھنے سے منع کیا ہے۔

جیسا کہ امام نووی نے (شرح صحیح مسلم) میں، علامہ ابن عبدالبر نے (التمہید ص52ج11) میں، اور علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص229ج1) میں صراحت کی ہے۔

علامہ محمد طاہر فتنی مرحوم حنفی المتوفی 986ھ فرماتے ہیں کہ

(خلج جهرخلفه قاری فقال' خالجنیها' ای نازعنیها' کانه ینزعها من لسانه ولایدل علی منع القراة لانه انماانکرالجهر بل فیه انهم کانوا یقرؤونها خلفه)

یعنی خلج کا مفاد یہ ہے کہ پڑھنے والے نے آپ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

(خالجنیها) یعنی مجھ سے جھگڑا کر رہا تھا جیسا کہ وہ میری زبان سے الفاظ قرآن کو چھین رہا ہے۔ تو یہ الفاظ نبوی قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس شخص پر انکار بلند آواز کے پڑھنے پر کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام آپ علیہ السلام کے پیچھے قرأۃ کرتے تھے۔

(مجمع بحار الانوار ص83ج2)

لیجیے جناب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اذکار نماز کو آہستہ پڑھے لیکن کسی خاص ذکر کا بلند کرنا ثابت ہو تو وہ جدا ہے۔

رابعاً:- فقہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر تفقہ فی الدین ہے تو اس کے ہم منکر نہیں بلکہ اصل امت کے فقہا ہی محدثین ہیں۔ اگر فقہ سے آپ کی مراد اقوال الرجال اور فقہ حنفی کے متون و شروح ہیں، تو بتایئے کہ یہ فقہ پہلے مرتب ہوئی یا نماز کی فرضیت؟ اور ان کے اذکار وارکان کی کماحقہ رسول اللہ ﷺ نے توضیح و تشریح کی تھی یا کہ نہیں؟

اگر آپ کہہ دیں کہ نماز بعد میں فرض ہوئی اور اس کی پوری تفصیل اللہ کے حبیب ﷺ نے بیان نہیں کی اور فقہ حنفی کے متون و شروح اس سے پہلے کے ہیں تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جو تمہارے کے سوا شیطان بھی بولتے ہوئے شرمائے۔ اگر آپ اس بات کا اقرار

کرلیں کہ واقعی نماز کی فرضیت پہلے ہوئی اور اس کی پوری وضاحت رسول اللہ ﷺ نے بیان کردی تھی تو اس اعتراف سے آپ کے سارے دعوے باطل و مردود ہوگئے۔ کیونکہ آپ نے صاف اقرار کرلیا کہ امام ابو حنیفہ کی پیدائش 80ھ سے پہلے بھی امت مرحومہ نماز ادا کرتی تھی اور یہ طریقۂ نماز پوری امت مرحومہ میں معروف تھا۔ تبع تابعین نے تابعین کرام سے اخذ کیا اور تابعین نے صحابہ کرام سے اس طریقہ نماز کو سیکھا۔ یہ اب آپ کی صواب دید پر ہے کہ بتائیں کہ صحابہ کرام نے نماز کس سے سیکھی؟ حضرت محمد ﷺ سے یا آپ کے فقہاء سے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ان مسائل کا حدیث سے ثبوت نہیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ فقہ حنفی کی تدوین تک دین ناقص تھا اس کی تکمیل فقہ حنفی کی تدوین کے بعد ہوئی ہے۔

خامساً:- آپ حنفی ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ آپ اس کی صراحت کریں کہ امام ابو حنیفہ نے ان مسائل کو کہاں بیان کیا ہے؟ یہاں بعد کے فقہاء کا نام نہ لینا بلکہ صریحاً امام ابو حنیفہ کا قول پیش کرنا۔ اگر آپ صحیح سند سے امام ابو حنیفہ کا قول پیش کردیں تو ہم آپ کو حق محنت کے عوض یک صد روپیہ انعام دیں گے۔ اگر آپ پیش نہ کرسکے یقیناً پیش نہیں کرسکیں گے تو پھر کس منہ سے فقہ کا نام لیتے ہو؟

امام کا سلام بلند اور مقتدی کا آہستہ:-

فرماتے ہیں کہ امام سلام باآواز بلند کہتا ہے۔ مقتدی آہستہ آواز سے یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- آپ غلط بیانی کرنے کے عادی ہیں ورنہ یہ مسئلہ فقہ کی بجائے۔ حدیث سے ثابت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کو لوگوں کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے جان لیتا تھا۔ (بخاری کتاب

الصلوۃ باب الذکر بعد الصلوۃ) حضرت ابن عباس بچے تھے اور آخری صف میں کھڑے ہوتے تھے، جنہیں نبی ﷺ کے سلام کی آواز نہ پہنچ پاتی، سلام کے بعد جب صحابہ کرامؓ مل کر اللہ اکبر کہتے تو وہ جان لیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر دیا' (فتح الباری) اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں سلام کو آہستہ کہتے تھے۔ الغرض یہ مسئلہ حدیث اور امت مرحومہ کے تواتر عمل جو نسل در نسل چلا آرہاہے سے ثابت ہے۔ گویااس پر امت کااجماع ہے۔ الغرض یہ مسئلہ تو فقہ حنفی کے مرتب ہونے سے پہلے بلکہ امام ابو حنیفہ کی پیدائش سے بھی قبل امت مرحومہ کا معمول بہ تھا۔ لہٰذا آپ یہ ثابت کریں کہ فقہ حنفی کے مرتب ہونے سے قبل مسلمانوں میں آج کے عمل کے برعکس تعامل تھا۔ اگر آپ ثابت نہیں کر سکتے یقیناً ثابت نہیں کر سکتے تو پھر کس منہ سے فقہ کا نام لیتے ہو؟

ثانیاً:- امام کے تکبیرات انتقال بلند آواز سے کہنے پر حدیث موجود ہے۔ (بخاری ص114ج1) اس کی حکمت یہی ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرتے ہوئے اس کی اقتدا کرے اگر امام سلام کو آہستہ کہے گا تو مقتدی کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے سلام پھیر دیاہے۔ خصوصاً جبکہ نمازی نے اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں تشہد میں اپنی نگاہ کو دائیں ہاتھ کی انگلی پر مرکوز رکھا۔

(ابوداؤد مع عون ص376ج1 ونسائی ص......وابن خزیمہ (718) وابو عوانہ ص226ج2 وبیہقی ص132ج2)

اس سے واضح ہے کہ مقتدی کو تشہد کی حالت میں پیش امام کی طرف دیکھنے کی بجائے رفع سبابہ کرتے ہوئے انگلی پر نگاہ رکھنا مسنون ہے۔ جبکہ سلام کے متعلق شرعی حکم ہے کہ جب امام سلام کہے تو تم بھی سلام پھیر دو۔ جیسا کہ عتبان بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ

((صلینا مع النبی ﷺ فسلمنا حین سلم)) (بخاری رقم الحدیث838)

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی اور ہم نے اس وقت سلام پھیرا جب آپ علیہ السلام نے سلام پھیرا تھا۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ و آہستہ سلام پھیرا تھا تو صحابہ کرام (جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے متقی و عابد بھی تھے) کو کیسے پتہ لگ گیا کہ آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ امام سلام کو بلند آواز سے ہی کہے گا اور یہ مسنون طریقہ ہے۔ ہاں البتہ مقتدی آہستہ ہی سلام کہے گا کہ اس کے بلند کرنے پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

ثالثاً:- یہ طریقہ توامت مرحومہ میں اجماع کے ساتھ تواتر سے نسل در نسل چلا آرہا ہے آپ اس میں اختلاف ثابت کریں اور پھر تقلید ابو حنیفہ کی وجہ سے اتفاق ثابت کریں تو ایک بات ہے' خالی آپ کے دعویٰ کو کون سنتا ہے۔

رابعاً:- آپ کے نزدیک تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر نمازی نے سلام پھیرنے کی بجائے کوئی فعل منافی نماز کے جان بوجھ کر کر دیا مثلاً کلام کر دیا' یا ہوا خارج کر دی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ (مستملی ص 298) اس کا ثبوت دیجیے۔

رکوع کی تسبیحات:-

فرماتے ہیں کہ رکوع و سجدہ کی تسبیحات آہستہ پڑھنی چاہئیں یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد جن لوگوں کے پیچھے نمازیں ادا کی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نماز تھی اور ہم نے آپ کی رکوع و سجدات کی تسبیحات کا اندازہ دس تسبیحات لگایا۔

(ابو داؤد ص 331 ج 1 و بیہقی ص 110 ج 2)

جس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع و سجود کی تسبیحات کو آہستہ کہتے تھے

اور خیر القرون میں اسی پر عمل تھا۔اگر بلند آواز سے کہی جاتی تھیں تو حضرت انس اندازہ کی بجائے فرماتے ہم نے دس تسبیحات کو شمار کیا۔

ثانیاً:- آپ یہ ثابت کریں کہ اس پر تواتر سے امت مرحومہ میں تعامل نہیں ہے۔اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکیں تو پھر فقہ کا نام کس منہ سے لیتے ہو؟

ثالثاً:- یہ تو بتائیے کہ آپ کے نزدیک رکوع وسجدہ کی تسبیحات کے بغیر نماز ہو جاتی ہے' اس کا کیا ثبوت ہے؟

جماعت سنن کی ہوتی ہے کہ فرائض کی:-

فرماتے ہیں کہ سنتیں اکیلی پڑھی جاتی ہیں۔جماعت صرف فرضوں کی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- اس پر اس قدر احادیث ہیں کہ اگر ان کو ہم لکھنا شروع کر دیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔مگر جھنگوی صاحب دوپہر کے وقت سورج کا انکار کرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔بہر حال مختصر عرض ہے کہ

ہم جو دن میں پانچ نمازوں کے ساتھ بارہ سنن پڑھتے ہیں یہ دراصل نوافل ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

(مسلم ص250ج1)

ان کے متعلق آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ انہیں گھر میں ادا کرتے تھے۔ام المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہؓ راویہ ہیں کہ

((کان یصلی فی بیتی قبل الظھراربعاً ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین و کان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین و کان یصلی من اللیل تسع رکعات فیھن الوتر

وکان یصلی لیلا طویلا قائما ولیلا طویلا قاعدا وکان اذا قرا وھو قائم رکع وسجدوھوقائم و اذا قرأ قاعدا رکع وسجدوھوقاعدوکان اذاطلع الفجر صلی رکعتین))

(مسلم ص252ج1)

یعنی آپ علیہ السلام میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت (نفل) پڑھتے تھے' پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے اور پھر گھر میں آکر دو رکعت (نفل) پڑھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ مغرب پڑھتے پھر گھر آکر دو رکعت (نفل) پڑھتے اور لوگوں کے ساتھ عشاء پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لاکر دو رکعت (نفل) پڑھتے اور رات کو نو رکعت پڑھتے انہیں میں وتر ہوتا اور لمبی رات تک کھڑے کھڑے پڑھتے تھے اور لمبی رات تک بیٹھ کر پڑھتے اور کھڑے ہو کر قرأت فرماتے تو رکوع و سجود بھی کھڑے ہو کر کرتے تھے۔اور جب قرأت بیٹھ کر کرتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر کرتے تھے ۔اور جب طلوع فجر ہو جاتی تو دو رکعت (نفل) پڑھتے۔

(ترجمہ صحیح مسلم ص616ج1' مترجم مولوی عابدالرحمٰن صدیقی کاندھلوی دیوبندی طبع قران محل کراچی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ جماعت کراتے وقت فرض ادا کرتے تھے اور سنن گھر میں منفرد پڑھتے تھے۔

ثانیاً:- متعدد احادیث میں جماعت کی نماز پر 'صلوٰۃ فجر' صلوٰۃ ظہر' صلوٰۃ عصر' صلوٰۃ مغرب 'صلوٰۃ عشاء' کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ مثلاً امامت جبریل کے واقعہ کو ہی دیکھ لیجیے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ فقط فرائض پر ہی بولا جاتا ہے جس کا قرینہ متعدد احادیث میں

((صلی قبل الظھر اربعا))

کے الفاظ ہیں اور امامت جبریل میں بھی

((صلی بی الظھر))

وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ (مسند احمد ص333ج1 وابوداؤد ص62ج1 وغیرہ

لہٰذا آپ کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ یہ الفاظ نوافل وفرائض کے درمیان مشترک ہیں مثلاً اگر کسی نے ظہر کے وقت میں چار رکعت نوافل ادا کئے توان نوافل پر بھی قرآن وسنت میں ((صلوٰۃ الظھر)) وغیرہ کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ اگر آپ یہ ثابت کردیں تو آپ کو منہ مانگا انعام دیا جائے۔ یہ بات الگ ہے کہ جھنگوی صاحب انعام سے محروم رہے۔ آپ کیا اگر قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اور محمود حسن خاں بھی زندہ ہو کر آجائیں تو اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تو اب سنئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالکؓ بن حویرثؓ کو حکم دیا تھا کہ

((فاذاحضرت الصلوٰۃ فلیوذن احدکم ثم لیؤمکم اکبرکم))

یعنی جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور سب سے بڑا امامت کرائے۔

(صحیح مسلم ص236ج1)

ثالثاً:- حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فرض نماز کے لیے اذان کے ساتھ جماعت کروائی جائے۔ جبکہ آپ یہ ثابت کریں کہ اذان کے ساتھ نوافل کی جماعت کروانا بھی جائز ہے۔ دیدہ باید

آمین کو بلند آواز سے کہنے کا ثبوت:-

فرماتے ہیں کہ صبح، مغرب، عشاء میں مقتدی کا آمین بلند کہنا اور ظہر اور عصر کی نماز میں نہ کہنا یہ حدیث کا مسئلہ نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص91)

الجواب:- اولاً:- یہاں مؤلف نے اس دعویٰ کو ترک کردیا ہے کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے حالانکہ ثابت تو یہ کررہے ہیں کہ اہل حدیث بھی مقلد ہیں مگر تقلید کی دلیل دینے کی بجائے عمل اہل حدیث کا ثبوت مانگ رہے ہیں۔

ثانیاً:- آمین کے عمل کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

(بخاری ص108ج1 و مسلم ص176ج1)

جس سے ثابت ہوا کہ جہری نمازوں میں آمین جہر سے اور سری میں سری کہی جائے گی۔ وجہ یہ کہ اگر امام نے آمین ہی آہستہ کہی تو مقتدی کو کیسے پتا چلے گا کہ امام نے آمین کہی ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت صرف جہری نمازوں میں ہی پیش آسکتی ہے۔

ثالثاً:- امام محمد نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ امام آمین بلند یا آہستہ کہے ہی نہ (اف لکم) موطا امام محمد ص103) یہی قول علامہ خوارزمی حنفی نے علامہ سرخسی کی مبسوط سے نقل کیا ہے۔

(کفایہ شرح ہدایہ ص256ج1)

تفصیل دین الحق ص314ج1 میں دیکھئے' اس کا ثبوت دیجیے۔

اگر تعوذ و ثناء رہ جائے:-

فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی تعوذ یا ثناء رہ جاتی ہے اس کی نماز ہو گی یا نہیں ہو گی۔ یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی سے دریافت کیا کہ اے میرے بھتیجے جب تو نماز ادا کرتا ہے تو تو کیسے قرأت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ

((اقرء بفاتحة الكتاب واسال الله الجنة واعوذ به من النار واني لاادري مادندنتك ولادندنة معاذ فقال النبي ﷺ اني ومعاذ حول هاتين))

میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں' اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے

نہیں معلوم کہ آپ علیہ السلام کیا قرأت کرتے ہیں اور معاذ کیا کرتا رہتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

میں اور معاذ بھی جنت اور دوزخ کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد مع عون ص 292 ج 1)

اس کی سند صحیح ہے۔ (اور ایک ضعیف روایت ابن عباسؓ میں بھی سورہ فاتحہ پر اقتصار کی صراحت ہے۔

(مسند احمد ص 282 ج 1 و بیہقی ص 62 ج 2)

یہ حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اگر ثنا رہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

ثانیاً:- حنفیہ کا مؤقف ہے کہ مسبوق جب باقی نماز کو ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو وہ ثنا و تعوذ کو پڑھے۔

(فتاویٰ عالم گیری ص 91 ج 1)

اس عمل پر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مقتدی باقی ماندہ رکعات میں ثنا پڑھے۔ دیدہ باید

سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت:-

فرماتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان ہاتھ کہاں رکھنے چاہئیں۔ یہ مسئلہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ فقہ سے ثابت ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- کیا رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بیٹھنے کا طریقہ نہیں بتایا؟ اگر بتایا ہے یقیناً بتایا ہے تو پھر یہ اعتراض لغو ہے۔

ثانیاً:- آپ کا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی قرآن و سنت کا نچوڑ ہے تو اس میں کہا گیا ہے کہ تشہد کی طرح بیٹھے۔

(مستملی ص 322)

سوال یہ ہے کہ آیایہ قرآن وسنت کے موافق ہے یامخالف ؟اگر آپ کہہ دیں کہ یہ قرآن وسنت کے موافق ہے توخود آپ کی زبانی ہی اعتراض لغو ثابت ہوا۔اور اگر یہ کہہ دیں کہ یہ قرآن وسنت سے ماخوذ نہیں' تو آپ کا دعویٰ کہ فقہ حنفی قرآن وسنت کا نچوڑ ہے' باطل ہوا۔

ثالثاً:- جس صحابی نے جلدی جلدی نماز ادا کی تھی اس کو آپ ﷺ نے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت بتاتے ہوئے کہا تھا کہ

((فاقعد على فخذك اليسرى))

یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بائیں ران پر بیٹھ

(ابوداؤد مع عون ص321ج1)

اس فرمان نبوی کے برخلاف حنفیہ کا یہ مؤقف ہے کہ

دونوں پاؤں دائیں طرف بچھا کر سرین پر بیٹھیں (مستملی ص333ونماز مسنون ص371)

اس پر آپ قرآن وسنت سے کوئی واضح دلیل پیش کریں

رابعاً:- یہ دعویٰ آپ کے مسلمات کے خلاف ہے کیونکہ فریقین کے نزدیک اس میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت تشہد کی طرح ہے اوراس شخص سے زیادہ نادان وجاہل کون ہے جو خصم پرایسااعتراض کرتاہے جس کی زد میں وہ خود آتاہو۔رہایہ اعتراض کہ یہ تقلید ہے بھائی یہ تقلید نہیں اجماعی مسائل میں موافقت ہے۔آپ تصنیف وتالیف کی بجائے پہلے علوم رسمیہ میں تبحر حاصل کریں۔

رکوع کے بعد ہاتھوں کو کھولنا:-

فرماتے ہیں کہ قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں یہ مسئلہ حدیث کا نہیں اس میں غیر مقلدین اہل فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ موافقت اور تقلید میں فرق ہے۔ کسی اصول میں موافقت کا نام تقلید نہیں رکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے موافق متعدد آیات قرآن میں نازل ہوئیں تو کیا اللہ تعالیٰ بھی عمر فاروقؓ کی تقلید کرتا تھا۔ -لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آپ تصنیف کی بجائے کسی اچھے طبیب سے اپنا علاج کروائیں اور ساتھ ساتھ لاحول کا وظیفہ بھی کریں اور زیادتی علم کی دعا بھی کریں ان شاء اللہ اس اکسیر سے شفاء ہوگی۔

ثانیاً:- حالت قیام سے جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ رکوع میں جاتے تو باندھے ہوئے ہاتھ کو کھول کر رفع الیدین کرتے پھر رکوع میں جاتے جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث۔

(بخاری ص102ج1 و مسلم ص165ج1 اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث' مسلم ص173ج1 سے ثابت ہوتا ہے' اب حالت قیام میں ہاتھوں کو کھولنا تو ثابت ہوا۔ رکوع کے بعد کے قیام میں باندھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھوں کو لٹکا کر رکھنا ہی مسنون ہے۔

شرائط نماز:-

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کی نماز کی شرائط حدیث سے نہیں ملتیں۔ شرائط نماز میں احناف کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- شرائط نماز سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر وہی ہے جو حنفی بیان کرتے ہیں تو آپ پہلی فرصت میں اپنے استاذ المکرّم صوفی عبدالحمید سواتی کی تالیف نماز مسنون ص264 تا 274 تک مطالعہ کریں جہاں انہوں نے قرآن اور احادیث سے شرائط نماز کو بیان کیا ہے اگر ان کے دلائل صحیح ہیں تو آپ کا اعتراض لغو ہے ۔

ثانیاً:- شرائط نماز میں احناف نے تطہیر بدن' تطہیر ثیاب' تطہیر مکان' ستر عورت' قبلہ کی طرف رخ 'اور نیت کو شمار کیا ہے۔ اب آپ صراحت سے بیان کریں کہ ان میں سے کس

چیز کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں؟ مگر مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کسی چیز کے متعلق دعویٰ نہیں کر سکتے۔ہاں البتہ آپ نے آگے نمبر 16 میں نماز کی نیت کا ذکر ضرور کیا ہے۔حالانکہ اسلام کا دستور و قانون ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

((انما الاعمال بالنیات))

(بخاری ص2ج1 و مسلم ص140ج2)

اگر آپ کی نیت سے مراد عوام الناس میں معروف طریقہ زبان سے نیت کرنے کا ہے تو اس کا کوئی بھی اہل حدیث قائل نہیں بلکہ تمام ہی اسے بدعت سیہ کہتے ہیں۔کیونکہ نماز کی ابتداء نبی ﷺ اللہ اکبر سے کرتے تھے۔اور تمہارے خودساختہ الفاظ ادا نہیں فرماتے تھے۔

ثالثاً:- جس طرح اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نماز ادا کی ہے وہ تمام طریقہ ہی دراصل ارکان نماز سے ہے۔حضرت مالک بن حویرثؓ کو رسول اللہ ﷺ نے نماز کے معاملہ میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ

((صلوا کما رایتمونی اصلی))

تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(بخاری باب الاذان للمسافرین الحدیث 63)

اس سے واضح ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔مثلاً نبی ﷺ نماز کا سلام کے ساتھ اختتام کرتے تھے اب اگر کوئی شخص سلام کی جگہ پر جان بوجھ کر ہوا خارج کردے تو اس کی نماز بے کار ہے۔

کیا اہل حدیث ابن حجر کے مقلد ہیں؟:-

فرماتے ہیں کہ اسماء الرجال میں غیر مقلدین امام ابن حجر کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- اس کا جواب صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کافی ہے۔

ثانیاً:- آپ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتب رجال کا غالباً مطالعہ نہیں کیا ورنہ ایسا دعویٰ نہ کرتے۔ بھائی انہوں نے تہذیب اور لسان میں آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کو جمع کیا ہے۔ اور راوی کے ثقہ وضعف پر دلائل نقل کیے ہیں ان کو قبول کرنا گواہی کے زمرے میں آتا ہے۔ تقلید کی تعریف اس پر فٹ نہیں ہوتی۔

ثالثاً:- جرح و تعدیل کی بنیاد امور محسوسہ یعنی مسموعات و مشاہدات پر ہے نہ کہ قیاس واجتہاد یا ظن و تخمین پر

رابعاً:- تقریباً تمام مقلدین حضرات اہل حدیث' کو غیر مقلد' کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ جھنگوی صاحب وضاحت کریں کہ اہل حدیث کو غیر مقلد کہنے میں اکابرین دیوبند کاذب ہیں یا پھر آپ؟

روزہ و قربانی کی فرضیت:-

فرماتے ہیں کہ روزہ فرض ہے 'قربانی فرض ہے' یہ حدیث میں لفظ نہیں ہیں۔ احناف کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- روزے کی فرضیت کا تو قرآن کریم میں واضح بیان ہے۔ **یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام** اور کتب کا یہاں معنی صرف اور صرف فرض ہے۔ بھلا بتاؤ قرآن چھوڑ کر فقہ حنفی کی تقلید کوئی اہل حدیث کر سکتا ہے؟

ثانیاً:- غالباً آپ نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھی ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آگیا ہے۔

((فرض الله علیکم صیامه))

اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔

(مسند احمد و نسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص173)

علاوہ ازیں روزے کی فرضیت تو قرآن سے ثابت ہے آپ کسی اہل حدیث مدرسہ میں داخلہ لے کر پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ضرور پڑھیں۔

ثالثاً:- اہل حدیث اور جمہور امت کے نزدیک قربانی سنت ہے۔ یہی امام محمد اور طحاوی کا قول ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (مرعاۃ ص71ج5)

لہٰذا آپ کا قربانی کی فرضیت کو اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا ہی غلط بیانی ہے اور اسے احناف کی تقلید میں باور کرانا ڈبل جھوٹ ہے۔

نماز جنازہ کی ترتیب:-

فرماتے ہیں کہ 'غیر مقلدین جنازے میں جو ترتیب رکھتے ہیں یہ ترتیب حدیث پاک میں نہیں ہے۔ یعنی پہلی تکبیر کے بعد ثناء' تعوذ' تسمیہ' فاتحہ' اگلی سورت' دوسری تکبیر کے بعد درود ابراہیمی' تیسری تکبیر کے بعد بارہ تیرہ دعائیں اکٹھی کرنا' یہ طریقہ جنازہ کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص92)

الجواب:- اولاً:- صرف قرأۃ فاتحہ میں اختلاف ہے باقی تمام چیزوں میں اشتراک ہے۔ ایک سے زیادہ دعاؤں کا پڑھنا' احناف کو بھی مسلم ہے۔ (نماز مسنون ص732)

اسی طرح ترتیب بھی فریقین کے نزدیک اختلافی نہیں کیونکہ اس کی حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوامامہ سھل بن حنیفؓ بیان کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے' اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے' پھر نبی ﷺ پر درود بھیجا جائے اور درود کے بعد خلوص نیت سے میت کے حق میں مغفرت کی دعا کی جائے پھر پست آواز سے دائیں جانب سلام پھیرا جائے اور قرأۃ صرف پہلی تکبیر کے بعد کی جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ص489' 490ج3 وابن ابی شیبہ ص296ج3 والمحلی لابن حزم ص353ج3)

یہ حدیث سنن نسائی ص228ج1 میں بھی مختصر مروی ہے جس میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کو سراً پڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس سے ترتیب نماز جنازہ ثابت ہے۔ رہا یہ کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملانا تو یہ بھی سنت سے ثابت ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی صحیح حدیث میں ہے۔

(نسائی ص228ج1 و بیہقی ص38ج4 وابن حبان ص69ج6)

ثانیاً:- آپ اس امر کی وضاحت کریں کہ حنفیہ کا جو یہ مؤقف ہے کہ جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھا گیا اس پر جتنی دیر تک یہ گمان ہو کہ لاش پھٹ نہ گئی ہوگی تب تک اس کا جنازہ پڑھنا مشروع ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ اس پر آپ کے پاس قرآن وسنت سے کیا دلیل ہے؟

علاوہ ازیں آپ جس مسجد کے خطیب ہیں اس کے بانی محترم حافظ عبدالشکور رحمہ اللہ کو دیوبندی حضرات نے مسجد کے صحن میں دفن کر رکھا ہے اور ان کی قبر کے ارد گرد پکی دیوار بنا رکھی ہے اور سنگ مرمر کا کتبہ لگا کر ان کا نام اور سن وفات وغیرہ درج ہے۔ اس کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے؟ قرآن وسنت سے نہ سہی اپنے امام ابو حنیفہ سے ہی اس کے جواز پر کوئی قول پیش کر دیں۔ معلوم ہوا کہ آپ مقلد بھی نہیں صرف عوام کو مغالطہ دے رکھا ہے۔

ثالثاً:- نماز جنازہ میں ثناء کا پڑھنا کسی اہل حدیث کا مؤقف نہیں' الغرض آپ کا اس مسئلہ کو اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے۔ پھر اسے تقلید ا کہنا ڈبل جھوٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جھوٹ بولنے اور لکھنے کی بری عادت سے توبہ کی توفیق دے۔

رابعاً: جھنگوی صاحب کے اعتراض کا اصل مقصود نماز جنازہ میں کثرت سے دعائیں کرنے پر ہے حالانکہ یہ حدیث سے ثابت ہے حضرت یزید بن رکانہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ پڑھتے تو یہ دعا کرتے (آگے دعا کا ذکر ہے) ثم یدعو ما شاء الله ان یدعو' پھر رسول اللہ ﷺ جو اللہ کو منظور ہوتا وہ جنازے میں دعائیں کرتے۔ (طبرانی کبیر

249/22(647)وابن قانع بحوالہ الاصابہ 515/6رقم الترجمہ 9279)علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔(احکام الجنائز ص 159)

اس حدیث کے علاوہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی دلیل ہے، جس میں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں جنازہ پڑھا اور آپ کی دعا سے یہ دعا یاد کی۔ فحفظت من دعائه (صحیح مسلم) یہ حدیث بالکل اسی طرح ہے جس طرح جھنگوی صاحب کا یہ فقرہ ہے'غیر ملقدین نماز کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں'(تحفۃ اہلحدیث ص 66)حالانکہ مبتدعین فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ڈھیروں دعائیں کرتے ہیں، مگر اسے تمام ہی "دعا" سے ماسوم کرتے ہیں "دعائیں" کوئی جاہل بھی نہیں کہتا، کیوں؟ لفظ دعا مصدر ہے جو جمع پر بھی بولا جاتا ہے اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں' من دعائه' کے الفاظ سے جمع ہی مراد ہے۔ اگر جھنگوی صاحب کا دل اس حقیقت کو نہیں مانتا' تو بہانے ہزار ہیں۔

فصل یازدہم

علماء اہل حدیث کے کذبات یا جھنگوی کے مغالطے

جھوٹ کی تعریف :- مؤلف تحفہ اہل حدیث نے حکیم محمد صادق سیالکوٹی مرحوم اور مولانا محمد یوسف جیپوری مرحوم کے حوالے سے انیس کذبات کا ذکر کیا ہے (جن کی حقیقت آگے تفصیل سے آرہی ہے) کہ یہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ بات کو مختصر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جھوٹ کی تعریف کرلی جائے۔ تاکہ تفہیم میں آسانی رہے۔ واضح رہے کہ کذب کی تعریف میں علم شرط ہے۔ یعنی جان بوجھ کر غلط بیانی یا غلط خبر دینے کو جھوٹ کہتے ہیں۔ لغت کی معروف کتاب المنجد میں ہے۔

(کذب اخبرعن الشی بخلاف ماھومع العلم به)

(المنجد الابجدی ص834)

اس تعریف کی رو سے اگر زید نے جھنگوی کو مسجد میں دیکھا اور پانچ منٹ بعد زید سے عمر نے جھنگوی صاحب کا پتا پوچھا اور زید نے مسجد بتایا حالانکہ جھنگوی صاحب پہلے منٹ میں ہی مسجد سے نکل کر بازار چلے گئے تھے' تو زید جھوٹا نہیں۔ کیونکہ اسے جھنگوی صاحب کے مسجد سے چلے جانے کا علم نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی سہو یا غلطی سے خلاف واقعہ بات کہہ دے تو وہ جھوٹ نہیں کہلائے گا۔ ورنہ سہو غلطی وغیرہ کے الفاظ لغو وفضول اور بے کار محض ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار نماز پڑھائی اور چار کی بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالیدینؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ

((انسیت ام قصرت الصلوٰۃ))

یعنی آپ علیہ السلام بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لم انس ولم تقصر))

یعنی نہ ہی میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے۔ تب حضرت ذوالیدین نے کہا کہ

((بلی قد نسیت))

نہیں بلکہ آپ بھول گئے ہیں۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے دوسرے صحابہ سے دریافت فرمایا۔ انہوں نے ذوالیدین کی بات کی تصدیق کر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے مزید دو رکعت نماز پڑھائیں۔

(بخاری ص164ج1)

اب جھنگوی صاحب غالباً اس پر بھی واویلہ مچادیں گے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ نے

((لم انسی ولم تقصر))

(نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے)

میں جھوٹ بولا ہے۔ مگر ہم اس جاہل کو کہیں گے یہ کذب نہیں سہو ہے۔

حقیقت میں خود جھنگوی جھوٹا و کذاب ہے۔

جھنگوی صاحب نے مؤلف حقیقۃ الفقہ کے دس عدد جھوٹ بتائے ہیں۔

ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے آیئے "حقیقۃ الفقہ" کا مختصر تعارف ہو جائے ۔حضرت مولانا محمد یوسف جیپوری مرحوم نے حنفیت کے رد میں ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے جو ایک مقدمہ رد تقلید وغیرہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ آگے اس کے دو حصے (یعنی ابواب) ہیں۔ایک میں فقہ حنفی کے مردود مسائل کا بیان ہے تو دوسرے میں قرآن وحدیث کے موافق بعض فتاویٰ کا ذکر ہے۔ حصہ اول ودوم کے مراجع کا مصنف نے "حقیقۃ الفقہ ص 137 میں مطبع ان کا سنہ طبع باقاعدہ درج کیا ہے یہ مراجع تمام کے تمام فقہ حنفی کے تراجم ہیں" مزید مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ کتاب کے ہر صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔

اس حقیقت سے خود جھنگوی صاحب بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہیں۔ کتاب کے متن کی اصل عبارت پیش کی جائے۔ غیر مقلد علماء ہرگز اصل عبارت پیش نہیں کر سکیں گے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 96)

دیکھیے مصنف (حقیقۃ الفقہ) تو اپنے پیش کردہ حوالہ جات کو فقہ حنفی کی کتب کے تراجم کی طرف نسبت کرتا ہے۔ مگر جھنگوی صاحب کتاب کے متن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ جھنگوی صاحب بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مصنف نے کتب فقہ کے تراجم سے عبارات نقل کی ہیں۔

الغرض یہ جھنگوی صاحب کی عیاری و مکاری اور فریب کاری ہے کہ مصنف کے پیش کردہ حوالہ جات کی بجائے متن کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ مصنف حقیقۃ الفقہ نے کیا ہی نہیں' تو مطالبہ کیسا۔ اگر ان تراجم میں گڑبڑ کی گئی ہے تو اس کے ذمہ دار

مولانا جیپوری مرحوم نہیں بلکہ فقہ حنفی کے حنفی ترجمہ کرنے والے ہیں۔ بہر حال آیئے اب ترتیب واران عبارات کا حال ملاحظہ کریں جن پر جھنگوی صاحب کو اعتراض ہے۔

مؤلف حقیقت الفقہ کے جھوٹ یا جھنگوی کے مغالطے

(۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث ضعیف ہے۔ حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی مولانا جے پوری نے اس کا حوالہ عین الھدایہ کا دیا ہے جیسا کہ حقیقۃ الفقہ کے اس صفحہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ عبادت عین الھدایہ ترجمہ ہدایہ صفحہ 350 جلد اول طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ابن ہمام 'فتح القدیر ص249 ج1 میں اور علامہ حلبی (مستملی ص301) میں علامہ نووی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ

(اتفقوا علی تضعیفه)

یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت کے ضعیف ہونے پر محدثین متفق ہیں۔

(۲) سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صحیح ہے۔ حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ حوالہ بھی عین الھدایہ کا ہی ہے اور یہ عبارت عین الھدایہ ص350 ج1 طبع ایضاً اور نور الھدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص93 طبع مجیدی کانپور 1914ء میں موجود ہے۔

(۳) بجائے (سبحانك اللهم) کے (اللهم باعدبینی) زیادہ صحیح ہے۔ حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ عبارت "حقیقۃ الفقہ ص 193 میں نور الھدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص94 طبع مجیدی کانپور 1914ء کے حوالے سے ابن ھمام کا قول نقل کیا ہے جو بلاشبہ ترجمہ

شرح وقایہ کے مذکورہ صفحہ پر موجود ہے۔علاوہ ازیں ابن ھمام سے یہ نقل بھی درست ہے چنانچہ وہ ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

(وھواصح الكل لانه متفق عليه)

یعنی اللهم باعد بيني کی حدیث اس بارہ میں تمام سے صحیح ہے۔کیونکہ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔

(فتح القدیر ص253ج1)

(۴) امام کے پیچھے فاتحہ چھوڑنے کی روایات ضعیف ہیں۔حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ حوالہ نورالہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص 109 , 108طبع مجیدی کانپور1914ء میں موجود ہے۔علاوہ ازیں مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم نے التعلیق الممجد ص99میں اور امام الکلام ص212میں لکھا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت پر جس قدر روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام بے اصل اور غیر صحیح ہیں۔

اچھا آپ اس بارہ میں کوئی ایک حدیث پیش کر دیں۔

(۵) ((اذا کبر الامام فکبروا)) یہ حدیث ضعیف ہے۔حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ حوالہ نورالہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص110 طبع ایضاً میں موجود ہے۔

(۶) آمین مہر قبولیت ہے۔حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

عزیز بھائی یہ حوالہ بھی عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص364ج1 طبع نول کشور1896ء میں موجود ہے۔علاوہ ازیں یہ تو حدیث نبوی کا مفہوم

ہے جو سنن ابی داؤد ص135 ج 1 میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

(۷) مقتدی امام کی آمین سن کر آمین کہے۔ حوالہ در مختار کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ حوالہ غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص229 ج 1 طبع نول کشور 1900ء بار چہارم میں موجود ہے۔

(۸) رفع الیدین کی احادیث بہ نسبت نہ کرنے کے قوی ہیں۔ بحوالہ ہدایہ۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

بھائی یہ حوالہ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص389 ج1 طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔

(۹) رفع الیدین چھوڑنے کی احادیث ضعیف ہیں۔ حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص96)

بھائی یہ حوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص102 طبع مجیدی کانپور 1914ء میں موجود ہے۔

(۱۰) جو رفع الیدین کرے اس سے مناقشہ (جھگڑا) حلال نہیں۔ بحوالہ ہدایہ

(تحفہ اہل حدیث ص96)

بھائی یہ حوالہ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص389 ج1 طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ:- یہ دس عدد کذبات ہیں جو مؤلف تحفہ اہل حدیث نے جان بوجھ کر بولے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد یوسف مرحوم کے بیان کردہ حوالہ جات درست و صحیح ہیں۔ اور جھنگوی صاحب کا ان سے انکار محض دفع الوقتی اور حقیقت

پر مٹی ڈالنے کی فضول وبے کار کوشش ہے۔

صلوٰۃ الرسول میں اوہام:۔

ہمارے جھنگوی صاحب نے حضرت مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی مرحوم کی کتب پر بھی نظر عنایت کی ہے اوران کے چند حوالہ جات کو نشانہ بنا کر انہیں کوسنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت حکیم صاحب مرحوم متعدد کتب کے مصنف تھے۔ مگر کسی جگہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر افترا نہیں کیا۔ جبکہ جھنگوی صاحب کی صرف یہی کتاب تصنیف کردہ ہے جو چھوٹے سائز کے 98 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں انہوں نے دو احادیث اپنی طرف سے وضع کی ہیں۔ اور متعدد جھوٹ بولے ہیں۔ انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا مگر غیر کی آنکھ کا تنکا بھی انہیں کھٹکتا ہے۔ بہر حال آیئے جھنگوی صاحب نے جن جن حوالہ جات کی صحت پر اعتراض کیا ہے ان کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

(۱) ص 131 پر اذان لکھ کے بخاری ومسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت بخاری میں نہیں ہے۔ یہ بخاری پر تہمت ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب:۔ اولاً:۔ بات یہ ہے کہ حضرت حکیم صاحب نے کلمات اذان کی صراحت کی ہے۔ روایت بیان کرنا مقصود نہیں۔ غالباً کتابت کی غلطی سے آخر میں بخاری ومسلم لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققہ نسخہ میں صرف کلمات اذان ہی ہیں۔ حوالہ نہیں ہے۔ اگر حکیم صاحب کا مقصود احادیث کی روشنی میں کلمات اذان لکھنا مقصود ہوتا تو پہلے راوی حدیث کی صراحت کرتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ثانیاً:۔ اگر اسے کتابت کی غلطی تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ کلمات اذان بخاری سے معناً ثابت ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ

حضرت بلالؓ کو اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہنے کا حکم ہوا تھا۔

(بخاری ص85ج1و مسلم ص164ج1)

اس حدیث کی روشنی میں کلمات اذان وہی بنتے ہیں جو حضرت حکیم صاحب نے درج کیے ہیں۔

(۲) صفحہ 161۔ پر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جائیں یا کانوں تک حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے۔ یہ لفظ بخاری میں نہیں ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب :- اولاً:- کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بخاری ص 102ج 1و مسلم ص 168ج 1میں موجود ہے۔اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث حضرت مالک بن حویرثؓ سے مسلم ص 168 ج 1وابو عوانہ ص94ج2میں موجود ہے۔

ثانیاً:- اگر آپ کا مقصود یہ ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت بخاری میں نہیں ۔ تو بھائی عرض ہے کہ یہ قصور حکیم صاحب کا نہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ ص75میں حضرت مالک بن حویرثؓ کی حدیث کو نقل کیا ہے۔اور الفاظ (حتی یحاذی بهما فروع اذنیه) کو بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔اور غالباً حکیم صاحب نے مشکوٰۃ پر اعتماد کرتے ہوئے بخاری کا حوالہ دیا ہے ۔اگر یہ جھوٹ ہے تو اس کو بولنے والے (معاذ اللہ) صاحب مشکوٰۃ ہیں۔ مگر ہم تو اسے وہم سے تعبیر کریں گے۔

(۳) صفحہ 179۔پر ایک روایت لکھی ہے قرأۃ مسنون کے تحت حوالہ موطا امام مالک کا دیا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب :- اولاً:- یہ حدیث سنن ابوداؤد (814)و بیہقی ص388ج2میں موجود ہے ۔اور طبرانی کبیر ص365ج12 میں ابن عمر سے اس کی شاہد روایت بھی موجود ہے۔

ثانیاً:- بھائی اگر یہ جھوٹ ہے تو اس کا ذمہ دار صاحب مشکوٰۃ ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی مشکوٰۃ ص 82 میں اس پر موطا امام مالک کا حوالہ دیا ہے بلکہ ملا علی القاری نے مرقاۃ ص308 ج2 میں اسے موطا امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ حکیم صاحب کو جھوٹا کہنے سے پہلے ان دو بزرگوں پر مذکورہ فتویٰ لگائیں۔ کیونکہ حکیم صاحب نے تو انہیں پر اعتماد کیا ہے۔ مگر ہم کسی کو بھی جھوٹا نہیں کہتے بلکہ بشری کمزوریوں کی بنا پر اسے سہو و نسیان اور وہم سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) صفحہ 135- پر چار دفعہ اللہ اکبر والی اذان لکھ کر مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ صحیح مسلم میں چار بار اللہ اکبر کا ذکر نہیں ہے لیکن سنن ابوداؤد مع عون ص191 ج1 میں چار بار اللہ اکبر کا ذکر ہے۔

ثانیاً:- اگر یہ جھوٹ ہے تو صاحب مشکوٰۃ کا ہے کیونکہ انہوں نے ہی مشکوٰۃ ص63 میں صحیح مسلم کے حوالے سے چار بار اللہ اکبر نقل کیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اسے جھوٹ کہنے والا خود جھوٹا ہے۔ کیونکہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور حکیم صاحب کو مشکوٰۃ پر اعتماد کی وجہ سے غلطی لگی ہے۔

(۵) صفحہ 134- پر لا یستبدر کے لفظ لکھ کر بخاری مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ دونوں کتابوں پر جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب:- اولاً:- یہ روایت ابوداؤد مع عون ص205 ج1 و بیہقی ص395 ج1 میں موجود ہے۔ یہ سہو ہے جھوٹ نہیں اور غالباً انہیں یہ وہم حافظ ابن حجر کی تالیف بلوغ المرام ص14 سے ہوا ہے۔ جہاں انہوں نے اس روایت کو ابوداؤد سے نقل کر کے کہا ہے کہ (واصلہ فی الصحیحین) یعنی اس روایت کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔ بلاشبہ یہ روایت

اصل کے لحاظ سے بخاری ص88ج1 و مسلم ص196ج1 میں موجود ہے۔

ثانیاً:- حضرت حکیم صاحب نے لایستبدر کے الفاظ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اذان میں (حی علی الصلوٰۃ) اور (حی علی الفلاح) کے وقت دائیں بائیں گردن کو موڑیں گھوم نہیں جانا چاہیے۔

(صلوٰۃ الرسول ص156)

جبکہ بخاری و مسلم کی روایت میں دائیں بائیں منہ کرنے کا ذکر ہے اور ابوداؤد کی روایت میں نفی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان میں موافقت کرتے ہوئے کہا ہے کہ گھومنے سے مراد سر اور گردن کا گھمانا ہے اور نفی پورے بدن کے گھمانے کی ہے۔

(فتح الباری ص91ج2)

الغرض حکیم صاحب نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ بخاری و مسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے ہاں البتہ (لایستبدر) کے الفاظ نقل کرنا ان کا سہو ہے۔ ان جیسے اوہام کو جھوٹ کہنا آپ جیسے علامہ وفہامہ کا ہی فعل ہو سکتا ہے کوئی داناوعاقل اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو صاحب ھدایہ نے اس جیسے سینکڑوں جھوٹ بولے ہیں ان کے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچیں۔

آپ نے ابوداؤد ص97ج1 کے حوالے سے حدیث نبوی کے الفاظ (قاربوا بینهما) نقل کیے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص24)

حالانکہ ابوداؤد میں (بینها) کے الفاظ ہیں۔ تو کیا یہ آپ کا جھوٹ ہے؟

نہیں میرے بھائی یہ آپ کا سہو ہے۔ ایسے ہی صاحب صلوٰۃ الرسول کا بھی یہ وہم ہے جھوٹ نہیں۔

سبیل الرسول میں اوہام

(ا) حدیث یوں نقل کرتے ہیں کہ

((افضل الاعمال الصلوٰة فی اول وقتها))

حوالہ بخاری کا ہے نرا جھوٹ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب :- اولاً:- یہ حدیث حضرت ام فروہؓ کی روایت سے مسند احمد ص374ج6 وابوداؤد مع عون ص163ج1 وترمذی مع تحفہ ص154ج1 ودار قطنی ص247ج1) میں صحیح سند سے مروی ہے حاکم وذہبی اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(تحقیق مشکوٰۃ ص193ج1)

ثانیاً:- معناً یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

((سالت رسول الله ﷺ ای العمل افضل قال الصلوٰة لوقتها))

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔

الحدیث بخاری ص76ج1 وص882ج2 وص1124 ومسلم ص62ج2)

لوقتها کا معنی اول وقت ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث میں اول وقتها کے الفاظ بھی آتے ہیں ۔مستدرک حاکم ص 188ج1 صحیح ابن خزیمہ ص 169ج1 وصحیح ابن حبان ص19ج4 رقم الحدیث 1477 وبیہقی ص434ج1)

اس روایت کو حاکم وذہبی نے صحیح کہا ہے۔

ثالثاً:- "لوقتها" کی بجائے "فی اول وقتها" مصنف کا سہو ہے یا کتابت کی غلطی ہے۔ مگر اسے کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اسی حدیث کے طرق میں" فی اول وقتها" کے الفاظ بھی موجود ہیں اور "لوقتها" کا معنی بھی پہلا وقت ہے۔ فلا اعتراض

(۲) طلاق ثلاثہ کے متعلق روایت لکھ کر حوالہ بخاری کا دیا ہے جو بخاری میں نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص94)

الجواب:-اولاً:- یہ حدیث صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کے زمانہ اور ابو بکرؓ صدیق کے دور خلافت اور عمر فاروقؓ کی خلافت میں بھی دو سال تک تین طلاقیں (ایک دم دی ہوئیں) ایک رجعی طلاق ہوتی تھی ۔

(صحیح مسلم ص477ج1)

ثانیاً:- صحیح مسلم کی بجائے صحیح بخاری لکھا جانا سہو ہے۔ خواہ مصنف کا ہے یا کتابت کی غلطی ہے۔ آپ کے استاذ المکرّم مولانا سرفراز خاں صفدر نے سماع الموتی ص69 طبع 1984 میں سورہ الاعراف کی آیت 188 کو نقل کر کے سورہ الانفال کی آیت 23 کا حوالہ دیا ہے تو کیا یہ جھوٹ ہے یا سہو ؟ جو بھی صورت اختیار کریں وہی مولانا سیالکوٹی مرحوم کی طرف سے ہمارا جواب ہے۔

(۳) اسی طرح طلاق ثلاثہ والی روایت کے ترجمے میں ایک بارگی کا لفظ بڑھایا ہے جو سیاہ یا سفید جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص95)

الجواب:- اولاً:- مولانا سیالکوٹی مرحوم نے مشکوۃ سے حدیث کو نقل کرتے ہوئے صرف ترجمہ درج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے یکبارگی تین طلاقیں دینے کو قرآن کے ساتھ استہزا فرمایا ہے۔ اور اس کام پر غضبناک ہوئے ہیں۔

(سبیل الرسول ص267)

ہمارے بھائی کو اعتراض ہے کہ یکبارگی کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ ہے اور سیاہ و سفید جھوٹ ہے ۔ حالانکہ یہ اعتراض ہی کوراچٹا جھوٹ ہے ۔کیونکہ مولانا کی عبارت کا سیاق و سباق اس بات کی غماضی کرتا ہے کہ انہوں نے اس لفظ کو بیک وقت کے معنی میں استعمال کیا ہے اور حدیث میں ایسے الفاظ موجود ہیں

((طلق امراته ثلاث تطليقات جميع))

مولانا قطب الدین حنفی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

طلاق دی اپنی بی بی کو تین طلاقیں اکٹھی۔ (مظاہر حق ص188 ج3 طبع نول

کشور 1936ء)

مولانا عبدالحق محدث دھلوی ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں کہ

سہ طلاقیں یکبارگی۔ (اشعۃ اللمعات ص 165 ج 3)

ملا علی القاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

((ولذا انکرعلی المطلق بالثلاث دفعة واحدة))

(مرقاۃ ص 293 ج 6)

یعنی اسی وجہ سے ہی رسول اللہ ﷺ نے یک دم دی گئی تین طلاق پر انکار کیا ہے۔ (انتھی)

الغرض اگر یہ سیاہ وسفید جھوٹ ہے تو اس کو بولنے والے فقط مولانا سیالکوٹی ہی نہیں بلکہ آپ کے اکابر مولوی قطب الدین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی القاری جیسے شارحین حدیث بھی ہیں۔ مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ نہ مولانا سیالکوٹی کا جھوٹ ہے اور نہ ہی کسی اور کا۔ بلکہ آپ بغض وتعصب کی بنا پر غلط بیانی اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ آپ کو توبہ کی توفیق دے۔ آمین

ثانیاً:- ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ آپ نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ 24 پر حاذوا بین المناکب' اور' حاذوا بالاعناق اور' قاربوا بینها وغیرہ کے الفاظ میں معنوی تحریف کی ہے اس پر ہم نے آئمہ لغت اور شارحین حدیث کے اقوال کو بھی آپ کے رد میں نقل کیا تھا کہیے اس بے ایمانی اور سیاہ جھوٹ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

(۴) فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ جو واقعہ فجر کا ذکر ہے اس میں حوالہ ابن ماجہ اور موطا امام مالک کا بھی دیا ہے حالانکہ جھوٹ ہے۔ ان کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

الجواب:- اولاً:- یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی فارغ ہو کر پوچھا کہ کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ مقتدیوں نے عرض کیا ہاں حضور! ہم پڑھا کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ (الحدیث)

ابوداؤد ص 119 و ترمذی مع تحفہ ص 253 ج 1 و نسائی ص 111 ج 1 و مستدرک حاکم ص 238 ج 1 و بیہقی ص 164 و ابن حبان ص 137 ج 4 و ابن خزیمہ ص 36 ج 3 و مسند احمد ص 136 ج 1)

مگر معترض کو اعتراض ہے کہ اس حدیث کا ابن ماجہ اور موطا کا حوالہ بھی دیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بھائی یہ سہو ہے جھوٹ نہیں۔ ہم پہلے جھوٹ کی تعریف بیان کر چکے ہیں کہ جان بوجھ کر غلط بیانی کو کذب کہا جاتا ہے وہم کا نام جھوٹ نہیں۔ جب ایک درجن سے زائد کتب حدیث میں یہ حدیث نبوی موجود تھی تو مولانا کو کیا ضرورت تھی کہ وہ جھوٹ بول کر ابن ماجہ اور موطا کا نام درج کرتے۔ لامحالہ ان سے سہو ہوا ہے۔

ثانیاً:- آپ جناب نے خود تو جی بھر کر کتاب میں کذبات تحریر کیے ہیں۔ حقیقت الفقہ پر آپ کے جس قدر اعتراضات ہیں وہ تمام کے تمام کذب وافتراء اور جھوٹ ہیں۔ اس طرح آپ نے علامہ وحید الزمان کی جملہ عبارات میں غلط بیانی کی ہے۔ تفصیل گذر چکی ہے کہیے ان کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی ایک عبارت

فرماتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کا ترک تقلید پر تاسف اور گذشتہ زندگی پر افسوس ہی افسوس اس کے بعد جھنگوی صاحب نے اشاعۃ السنۃ 1888ء کی فائل سے ایک عبارت نقل کی ہے کہ پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بلآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں، بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے بغیر نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنی کرشمہ ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مگر دینداروں کے بے دین ہونے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری

سبب ہے آگے لکھتے ہیں کہ ترک تقلید سے ڈرنا چاہیے۔

(تحفہ اہل حدیث صفحہ آخر)

الجواب:- اولاً:- یہ تحریر 1888ء کی ہے مولانا مرحوم کی وفات 1920ء میں ہوئی تھی۔نزہۃ الخواطر ص 428 ج 8 اس تحریر کے بعد مولانا مرحوم تقریباً 32 سال زندہ رہے۔اور پورے جزم ویقین کے ساتھ حنفیت کی تردید کرتے رہے۔اور تقلید کے رد میں متعدد مقالات تحریر کیے۔جس پر اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں۔مگر جھنگوی صاحب الٹی گنگا بہاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے گذشتہ زندگی پر افسوس کا اظہار کیا۔حالانکہ وہ آخری لمحات تک بفضلہٖ تعالیٰ مسلک محدثین کی نشرواشاعت میں گامزن رہے اور ایک منٹ کے لیے بھی حنفیت یا تقلید کو قبول نہیں کیا۔الغرض ان کی زندگی کے تعامل سے ہی جھنگوی صاحب کا کذب واضح ہو جاتا ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث نے ان کی عبارات کو غلط رنگ دیکر کانٹ چھانٹ اور بددیانتی کر کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً:- آیئے ہم آپ کو مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کی پوری عبارت اس کا مطلب اور پس مظر سمجھا دیتے ہیں۔

مولانا بٹالوی مرحوم کو ایک شخص نے خط لکھا جس میں یہ نصیحت کی کہ موجودہ تورات وانجیل مسلمانوں کے لیے ویسے ہی واجب العمل ہے جیسا کہ قرآن حکیم اور مسلمانوں کو اس قید کو کہ عمل صرف قرآن وحدیث اور اسلامی کتب پر چاہیے توڑ کر ترک تقلید واجتہاد کو ایسی وسعت دیں کہ اس میں قرآن وحدیث کی پابندی نہ رہے۔

(اشاعۃ السنۃ ص 52 ج 11 شمارہ نمبر 2 مطبوعہ 1888ء)

اس مراسلے کے جواب میں مولانا بٹالوی مرحوم نے بڑی تفصیل سے تورات وانجیل کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔اور اس میں تغیر وتحریف کا اور صرف قرآن وحدیث کی مشروعیت وحجیت کا اثبات پیش کیا ہے۔بڑا مدلل اور محققانہ علمی مقالہ ہے جو اڑھائی سو (250) صفحات پر مشتمل اور قابلِ مطالعہ ہے اس کے اول وآخر میں مذکورہ مراسلہ نگار جیسے'

ناکندہ تراش مجتہدوں' کے بارے جو ترک تقلید کے مدعی ہیں مولانا بٹالوی نے اس انداز کی بات کی ہے جس کو جھنگوی صاحب نے نقل فرمایا ہے اور اسے بلاوجہ اہل حدیث پر چسپاں کر ڈالا ہے اور درمیان سے اور آگے پیچھے سے بہت سے فقرے حذف کر دیئے ہیں۔

مولانا بٹالوی مرحوم نے مذکورہ اقتباس سے پہلے یہ فرمایا کہ

اس مقام میں ہم سے اس قدر بیان کرنے سے رہا نہیں جاتا کہ اس قسم کے اجتہادات وخیالات بے قید و آزاد جو اس مراسلت میں ظاہر کیے ہیں اس ترک تقلید کا نتیجہ ہے جو باوجود لاعلمی کے وقوع میں آتی ہے۔ اور بے علموں یا نہایت کم علموں بہ مصداق نیم ملا خطرہ ایمان سے سرزد ہوتی ہے۔

اس عبارت میں مولانا بٹالوی مرحوم کا روئے سخن ظاہر ہے کہ اہل حدیث کی طرف نہیں ہے۔ اہل حدیث تو ترک تقلید کی دعوت قرآن وحدیث کی بالاتری کے لیے دیتے ہیں نہ کہ سرے سے ان کی حجیت ہی کے انکار کے لیے۔ جیسا کہ مذکورہ مراسلہ نگار نے ایسی ہی گمراہی کا مشورہ دیا تھا اور ایسے ہی گم کردہ راہ جاہل مجتہدوں کے بارے میں مولانا مرحوم نے وہ طرز تخاطب اختیار کیا ہے مطلق ترک تقلید کے حامیوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ ترک تقلید کی تبلیغ وتائید تو خود مولانا بٹالوی مرحوم ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور بڑے شدومد اور نہایت پرزور انداز سے کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی ہمارے نقل کردہ اقتباس کے بعد اور جھنگوی صاحب کے نقل کردہ اقتباس سے پہلے فرماتے ہیں کہ ترک تقلید کا مسئلہ صحیح ہے اور سلف وخلف کی تالیفات میں اس کی ترغیب بکثرت پائی جاتی ہے ...... مگر اس مسئلے کے محل صدق وہی لوگ ہیں جو بصیرت رکھتے ہوں۔ ان ہی لوگوں کے لیے خاص ان ہی مسائل میں جن میں ان کو بصیرت حاصل ہو ترک تقلید جائز بلکہ ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ قرآن وحدیث سے خبر نہ رکھتے ہوں۔ علوم عربیہ ادبیہ (جو خادم قرآن وحدیث ہیں) سے محض ناآشنا ہوں۔ صرف اردو فارسی تراجم پڑھ کر یا لوگوں سے سن کر یا ٹوٹی پھوٹی عربی جان کر مجتہد اور ہر بات میں تارک التقلید بن بیٹھیں ان کے حق میں ترک

تقلید سے بجز ضلالت کسی ثمرے کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ مولانا مرحوم کے سامنے اہل حدیث نہیں جن کے علماء بفضلہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث اور علوم عربیہ میں پورا ادراک رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث کے فہم و تعبیر میں وہ آزادروی کی بجائے صحابہ و تابعین کے منہج اور مسلک فقہائے محدثین کی پابندی کو ضروری خیال کرتے ہیں اور ان کے عوام بھی خود مجتہد نہیں بن بیٹھتے بلکہ اپنے علماء سے قرآن وحدیث کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی نصیحت کے مواقع پر وہ مسلک اہل حدیث کے حاملین کو بھی متنبہ فرماتے تھے کہ دیکھو تمہارے اندر ترک تقلید کی وجہ سے قرآن وحدیث اور علوم سلف سے وہ بے اعتنائی نہ آجائے جو بہت سے نام نہاد مدعیان علم و تحقیق میں آئی ہے اور جس نے انہیں بالکل بے عمل گمراہ اور قرآن وحدیث سے بے بہرہ بنادیا ہے۔ اس تنبیہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ترک تقلید کی آڑ میں وہ گمراہ ہوگئے ہیں اور دین سے بے پرواہی ان کے اندر آگئی ہے جیساکہ جھنگوی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی نقل کردہ عبارت کا آخری حصہ قابل غور ہے۔

گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں اور جن مسائل میں وہ قرآن وحدیث سے کچھ علم و خبر نہ رکھتے ہوں ان میں اجتہاد نہ کیا کریں بے علمی کا علاج سوال اور اہل علم کی پیروی ہے۔ ان کے لیے آزادی و خود اجتہادی ہرگز جائز نہیں ہے۔ (اشاعۃ السنہ ص 1888ء)

بتلایئے! اس میں ترک تقلید کا ماتم کب اور کہاں ہے؟ اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو شخص براہ راست قرآن وحدیث کا علم نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ مستند علمائے کرام سے رجوع کرے اور ان سے دینی رہنمائی حاصل کرے۔ خود اجتہاد نہ کرے۔ ایک شخص جاہل مطلق ہونے کے باوجود علمائے کرام سے دینی رہنمائی حاصل کرنے کو عبث اور فضول سمجھے تو یہ ہے بقول مولانا بٹالوی ترک مطلق تقلید' جس سے مولانا بٹالوی مرحوم اہل حدیث کو ڈرا رہے ہیں۔ ترک تقلید اور چیز ہے اور ترک مطلق تقلید اور چیز ترک تقلید کا تو مولانا نے پرزور اثبات کیا ہے البتہ ترک مطلق تقلید سے ڈرایا ہے۔

(منقول از صراط مستقیم اور اختلاف امت ص 36)

فصل دوازدہم

حنفیت اور مرزائیت

چند تمہیدی باتیں:- مبتدعین دیابنہ کے ہیرو اور مقتدا اعظم مولوی سرفراز خاں صاحب صفدر نے الکلام المفید ص186 میں یہ گپ ماری تھی کہ مرزاغلام احمد قادیانی غیر مقلد اہل حدیث تھا۔ جس کی قے خوری کرتے ہوئے ان کے لخت جگر مولوی عبدالحق بشیر نے' فتویٰ امام ربانی' کے عنوان سے کتاب تحریر کی جس میں مکرر اس غلط بیانی کو دھرایا گیا تو خاکسار نے اس کے ازالہ کے لیے ہفت روزہ الاعتصام مؤرخہ 30 جنوری 1987ء کو ایک مختصر ومدلل مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ اور دلائل وبراہین سے مرزا غلام احمد قادیانی کا حنفی مقلد ہونا ثابت کر دیا۔

اس کے بعد متعدد سلفی اہل علم نے اس پر مفصل کتب تحریر کیں۔ جس میں معروف ہمارے شیخ کی کتاب "مطرقۃ الحدید" اور مولانا عبدالغفور اثری کی ' حنفیت اور مرزائیت ' ہیں جن کا مولوی عبدالحق نے 'قادیانی بٹالوی گٹھ جوڑ' کے عنوان سے جواب لکھا۔ اس پر بھی راقم نے 'اشاعت السنۃ' فاروق آباد میں آج سے دس برس قبل 1990ء میں متعدد اقساط میں جواب تحریر کیا تھا جس کا جواب الجواب پوری ذریت دیابنہ پر ادھار ہے۔

مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث حقائق سے اس قدر بے خبر ہے یا جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کر کے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد اہل حدیث تھا۔

(تحفہ اہل حدیث ص88)

یہ تعلیم یافتہ جہلا:- کسی تحریک سے چند افراد کا یا کسی فرد کا مرتد ہو جانا کیا اس تحریک کے باطل ومردود ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟

یہ ایک بہترین سوال ہے جس سے موضوع بحث میں قدرے علمی رنگ بھی آجاتا ہے اور بات کو سمجھنے میں بھی آسانی رہے گی۔اس سوال کے جواب میں ہم سب سے پہلے کتاب اللہ کو پیش کرتے ہیں جو تعلیم محمدی کا بنیادی ماخذ ہے۔ چنانچہ تعلیم قرآن کی رو سے ہدایت من جانب باللہ ہے۔ یعنی اللہ کی توفیق سے ہی کوئی شخص ہدایت کو قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے۔ گویا کوئی فرقہ یا گروہ کسی کو ہدایت یافتہ بنا سکتا ہے نہ ہی اسے ہدایت پر قائم رکھ سکتا ہے یہی راز ہے کہ انسان دن میں کم از کم سترہ بار نماز میں صراط مستقیم کی دعا کرتا ہے۔

تعلیم قرآن پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافر تھے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی کو یہ کہنے کا حق مل گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام برائیوں کی جڑ تھے۔

نعوذ باللہ من ذلک اس سے نیچے آیئے تو حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کی امثلہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ کہ ان کے ایمان کی گواہی اللہ نے بار بار قرآن میں دی ہے۔ مگر اسی گروہ میں بعض نام کے مسلمان بھی تھے جو منافقین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک کاتب وحی مرتد ہو گیا تھا۔

(بخاری ص511ج1)

مال غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے جس شخص نے کہا تھا اے محمد (ﷺ) انصاف کیجیے۔

(بخاری ص509ج1)

وہ بھی تو خود کو مسلماں ہی سمجھتا تھا۔ اب اگر کوئی کافر و بت پرست ان باتوں کو لے کر یہ اعتراض کردے کہ صحابہ میں سے منافقین کا وجود اور آنحضرت ﷺ پر بے انصافی کا اعتراض اور کاتب وحی کا مرتد ہونا در حقیقت تعلیم اسلام کا نقص ہے اور مرتد

ہونا وحی کی کتابت کا نتیجہ ہے۔ تو کیا کوئی عقل منداس اعتراض میں وزن محسوس کرے گا؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ ایسے معترض کو ہر باشعور انسان علم وفہم سے کورا تعصب سے لبریز اور پڑھا لکھا جاہل کہے گا۔

دیوبندیو! اپنے حال پہ غور کرو اپنے اعتراض کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھو۔ معروف مدعی نبوت مختار بن عبید اللہ جس کا دعویٰ تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور میں اللہ کا نبی ہوں۔

(مسند طیالسی وغیرہ بحوالہ فتح الباری ص484ج6)

یہ خبیث معروف صحابی حضرت عبید اللہ ثقفیؓ کا بیٹا تھا۔ کیا کوئی دانا یہ بات تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ مختار کا دعویٰ نبوت صحابی رسول کا بیٹا ہونے کا نتیجہ ہے۔

میرے عزیز بھائی فقہ حنفی کے ابواب الحیل کی بجائے آپ حضرات قرآن وسنت کا بھی مطالعہ کیا کریں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

((سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یذعم انه نبی لله))

(مشکوٰۃ ص465)

یعنی عنقریب میری امت سے تیس جھوٹے کذاب پیدا ہونگے جو تمام کے تمام نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔

اس حدیث کو غور سے پڑھیئے جو آپ جیسے متعصب لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت سے ان لوگوں کی پیدائش کا فرمار ہے ہیں۔

امر واقعہ میں بھی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اسلام سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر آج تک کسی جاہل سے جاہل اور متعصب سے متعصب نے بھی اسلام پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ مسلمانوں سے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا اسلام کی تعلیم میں کوئی بنیادی نقص ضرور ہے۔

مگر دنیا میں صرف ایک دیوبندی ہی ایسا ٹولہ ہے جو ان تمام حقائق کے برعکس یہ

کہتے ہوئے ذرا بھر حیا محسوس نہیں کرتا کہ مرزا کا دعویٰ نبوت ترک تقلید کا نتیجہ ہے۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ اس اعتراض کو کرنے والے ایسے افراد بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ ماشاءاللہ شیخ الحدیث والتفسیر کا بھی لاحقہ واضافہ ہے۔

پھر جہاں یہ اعتراض اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا ویسے ہی یہ جھوٹ بھی ہے۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی حنفی تھا۔ اور آخر دم تک وہ اپنے آپ کو حنفیت میں شمار کرتا رہا۔ حنفیہ کی طرح وہ صفات باری تعالیٰ میں تاویل کا قائل تھا۔ عقائد میں ماتریدی اور فروع میں حنفی تھا۔ البتہ مرزائیت کے بعض مخصوص عقائد اس کے ذاتی اختراع تھے جس کی وجہ سے وہ امت مرحومہ سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گیا تھا۔
آیئے اس کی تفصیل قادیانی لٹریچر سے ملاحظہ کریں۔

مرزا غلام قادیانی کا اپنا اعتراف

حضرت مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ

امام بزرگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض تابعین کو بھی دیکھا تھا اور فانی فی سبیل اللہ تھا۔ اے حضرت مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ (اہل حدیث) صاحبوں کو امام بزرگ ابو حنیفہ سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔ آپ کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی شان معلوم نہیں۔ وہ ایک بحر اعظم اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں۔ اس کا نام اہل الرائی رکھنا ایک بھاری خیانت ہے۔ امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں ید طولیٰ تھا۔ خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے اپنی مکتوبات ص 307 میں فرمایا کہ

امام اعظم صاحب کی آنے والے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک

روحانی مناسبت ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ ص 99 وروحانی خزائن ص 101 ج 4)

امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم وفراست میں آئمہ ثلاثہ باقیہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل) سے افضل واعلیٰ تھے۔ اور ان کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے۔ اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور ان کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص مناسبت تھی۔ اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد واستنباط میں ان کے لیے وہ درجہ علیا مسلم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ (ازالہ اوہام ص 531 ور حانی خزائن ص 385 ج 3)

غور کیجیے کہ کیا یہ انداز فکر ونظر کسی اہل حدیث کا ہو سکتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اہل الرائی ہونے کی نفی کرے اور آئمہ ثلاثہ کے بالمقابل امام ابو حنیفہ کو علم وفضل اور آثار نبویہ اور قوت اجتہادیہ میں بڑھ کر قرار دے اور استخراج مسائل میں اپنی روحانی مناسبت امام ابو حنیفہ سے جوڑے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ

ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے (کتابت کی غلطی ہے اصل میں لفظ قباحت ہے)

کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مطہر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ ہمارے ہاں جو (اہل حدیث) آتا ہے اسے پہلے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چاردیواری۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کیے جو نہایت متقی اور صاحب تذکیہ

تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑے ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔

خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اول وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا اور علم دیا ہے۔ دوم وہ جو ان کی تابعداری کرتے ہیں' ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ ان کو تزکیہ نفس عطا کیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے قریب تر کے ہیں۔ میں نے خود سنا ہے کہ بعض لوگ امام ابو حنیفہؒ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔

(ملفوظات مرزا ص534 ج1 (طبع جدید بدون تاریخ) و ذکر حبیب ص 277)

اس تحریر کو مکرر پڑھیے یہ کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں۔ بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے کہ مرزا تقلید کے فوائد بیان کرتے ہوئے تھکتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ آج کل عوام میں ہوائے نفس کا جو مرض ہے اس کی بنیادی وجہ مرزا ترک تقلید بتاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے پاس آنے والے اہل حدیث حضرات کو پہلے حنفی اور اس کے بعد مرزائی بناتا ہے۔

حکیم نورالدین جانشین اول مرزا کی گواہی:۔ حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اس طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے والحمد للہ رب العلمین نورالدین 29 اگست 1912ء

(کلام امیر المعروف ملفوظات نور حصہ اول ص 54)

مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کی گواہی:۔ حضرت مرزا صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے ہیں۔

(تحریک احمدیت ص 1 حصہ اول)

مرزا بشیر احمد کی گواہی:۔ اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے لیے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔

(سیرت المہدی ص49 ج2)

مرزائیوں کی فقہ حنفی ہے۔

معروف مرزائی مصنف مرتضی خاں حسن بی اے لکھتا ہے کہ ہم فقہ کو بھی مانتے ہیں اور فقہائے عظام کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کے اجتہاد اور تفقہ کی قدر کرتے ہیں۔ ہم بالخصوص حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل پیرا ہیں۔ اسی کی ہدایت ہمارے امام حضرت مرزا صاحب نے فرمائی ہے۔

(مجدد زمان بجواب دو نبی ص217)

سنئے ہم لوگ فقہ کی عزت کرتے ہیں فقہ کو خود مانتے ہیں اور فقہاء کو تعظیم اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ فقہاء جنہوں نے قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ کو ہم امام اعظم مانتے ہیں اور ان کی فقہ پر عموماً عمل کرتے ہیں۔

(مجدد زمان بجواب دو نبی ص123)

مرزا غلام احمد قادیانی کی اہل حدیث سے نفرت

میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے کبھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی (قادیانی مؤرخ کی) کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان (اہل حدیث) کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی۔ یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں۔

(ملفوظات مرزا ص515ج2)

وہابی آنحضرت ﷺ کی عظمت نہیں سمجھتا۔ وہ بھی خدا سے دور ہے۔ انہوں نے بھی دین کو خراب کر دیا ہے۔ جب کسی نبی یا ولی کا ذکر آجاوے تو چلا اٹھتے ہیں کہ ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے؟

(ملفوظات مرزا ص160ج3)

مشرک بھی سچی محبت آنحضرت ﷺ سے نہیں رکھ سکتا اور ایسا ہی وہابی بھی

نہیں کر سکتا۔ یہ مسلمانوں کے آریہ ہیں۔ان میں روحانیت نہیں ہے۔خدا تعالیٰ اور اس کے سچے رسول سے سچی محبت نہیں ہے۔

(حاشیہ ملفوظات مرزا ص161ج3)

اس جگہ ان لوگوں پر سخت افسوس آتا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ ص78)

حنفی علماء کی شہادتیں کہ مرزا حنفی تھا

ہندومذہب کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہونے والے مولانا غازی احمد صاحب نے اپنی سوانح حیات لکھی ہے۔ بڑی دلچسپ اور معلوماتی کتاب ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور پھر اس راہ میں حائل رکاوٹوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔اپنی استقامت اور مصائب و آلام کا ذکر بھی کیا ہے۔اچھے پڑھے لکھے اور درس نظامی کے فارغ التحصیل اور گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں ضلع چکوال کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔اور آج کل فیصل یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر بھی ہیں۔

اسی (۸۰) کے عشرہ کے لگ بھگ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بی اے کے امتحانات کے سلسلہ میں انہیں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا ناظم امتحان مقرر کیا۔وہاں ان کی مرزا ناصر احمد (مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا اور اس دور کا مرزائیوں کا خلیفہ) سے بھی ملاقات ہوئی۔جس میں مذہبی تبادلہ خیال بھی ہوا غازی صاحب فرماتے ہیں کہ

تقریباً نصف گھنٹہ اسی گفتگو میں گزر گیا تو میں نے کہا جناب کافی وقت گزر چکا ہے نیچے بہت سے ملاقاتی آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں میں رخصت چاہتا ہوں البتہ اگر آپ مناسب خیال کریں اور گستاخی نہ سمجھیں تو ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں ۔ناصر صاحب نے خوش دلی سے اجازت دے دی ......میں نے عرض کیا......میں نے مرزا صاحب کی تحریر پڑھی ہے کہ میں اور میری جماعت کے افراد فقہی

مسلک میں امام ابو حنیفہ کے پیروکار ہیں۔ ناصر صاحب میں بھی حنفی مسلک سے تعلق رکھتاہوں ناصر صاحب نے اظہار مسرت فرمایا۔ میں نے عرض کیاکہ مرزاصاحب توآپ کے خیال کے مطابق منصب نبوت پر سرفراز تھے کیایہ امر منصب نبوت کے شایان شان ہے کہ ایک نبی ایک امتی کے فقہی مسلک کا پیروکاراور مقلد ہو کیایہ مقام نبوت کی توہین نہیں؟

ناصر صاحب نے فرمایااس سوال کاجواب بھی کسی دوسری مجلس میں تفصیل کے ساتھ دوں گا۔

(کفر کے اندھیروں سے نوراسلام تک ص93 طبع مطبعۃ المکتبۃ العلمیہ س1985ء)

غازی صاحب کے سوال میں واقعی معقولیت ہے۔ راقم نے بھی متعدد قادیانیوں سے یہ سوال کیاہے بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مرید محمد حیات وغیرہ لکھتے ہیں کہ

ان کے آباؤاجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزاصاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔ اس وقت تک مرزاصاحب کے عقائد وہی تھے جوایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔

(پیش لفظ سیف چشتیائی صفحہ ت طبع چہارم 1981ء)

حاجی نواب دین گولڑوی لکھتاہے کہ

جہاں تک معلوم ہو سکاہے ان کے آباواجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزاصاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔

(آفتاب گولڑہ اور فتنہ مرزائیت ص150)

مؤلف تحفہ اہل حدیث کا اعتراض

حنفی ہوتا تو نبوت کادعویٰ نہ کرتا۔ امام صاحب کی فقہ میں کہاں لکھاہے کہ نبوت کادعویٰ کرو۔ یقیناًاس کادعویٰ نبوت فقہ حنفی اور تقلید سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ اگر امام

صاحب کی تقلید کا ہار اپنے گلے میں سجالیتا تو دعویٰ نبوت ہر گز نہ کرتا۔

(تحفہ اہل حدیث ص88)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دعویٰ نبوت کفر ہے۔ مگر بھائی عقیدہ ختم نبوت کا تعلق عقائد سے ہے۔ فروع سے نہیں۔ جو آپ درمیان میں تقلید کو گھسیٹ لائے ہیں اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عقائد میں آپ بھی تقلید کے قائل نہیں۔ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ فروع میں وہ آپ کا پیر بھائی ہے۔

ثانیاً:- لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پہ مسلم حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو راستہ اپنایا ہے اس کو ہموار کرنے والے آپ کے فقہاء اور بانی دار العلوم دیو بند تھے۔

ملا علی القاری حنفی حدیث لا نبی بعدی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(قلت ومع هذا لوعاش ابراهيم وصار نبيا وكذا لوصار عمر نبيا لكانا من اتباعه عليه السلام كعيسى والخضر والياس عليهم السلام فلايناقض قوله تعالىٰ خاتم النبيين اذا المعنى انه لاياتى نبى بعده ينسخ ملته ولم يكن من امته)

میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو نبی ہوتا اور اسی طرح آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میں نبی نہ ہوتا تو عمر نبی ہوتا' کے معنی ہیں کہ آپ کی اتباع میں نبی ہوتا اور یہ آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں کیونکہ آیت کا معنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کردے اور آپ علیہ السلام کی امت سے نہ ہو۔

(موضوعات کبیر ص100)

یہی بات فقہ حنفی کی معروف کتاب در مختار کے حاشیہ طحطاوی ص41ج1 میں کہی گئی ہے۔

(بحوالہ تعلیقات رضا ص36,193)

مؤلفہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی طبع 1982ء مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔

آل دیوبند کے مقتدا اعظم اور بانی دار العلوم دیوبندی مولوی قاسم علی نانوتوی لکھتا ہے کہ

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح ہے (ولکن رسول الله وخاتم النبیین) فرمانا اس صورت میں کیونکر ہو سکتا ہے۔

(تحذیر الناس ص 3)

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

(ایضاً ص 28)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جس سیڑھی پر مرزا غلام احمد قادیانی چڑھا ہے اس کو تیار کرنے والے حنفیت کے نام نہاد فقہاء اور آل دیوبند کے بزرگ تھے۔ جو غالباً دعویٰ نبوت کرنا چاہتے تھے مگر مناسب ماحول میسر نہ ہونیکی وجہ سے ہمت نہ کر سکے جسے بعد میں ایک حنفی مولوی مرزا غلام احمد نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ابھی یوسف نامی ایک کاذب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو حنفی ہے وہ ابھی زندہ ہے اس سے پوچھو؟ کیا تم فقہ حنفی کے پیروکار نہیں ہو۔

کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح میاں صاحب مرحوم نے پڑھایا

مولوی اسمعیل کہتا ہے کہ اس (مرزا) کا نکاح سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد عالم نے پڑھایا تھا۔

(تحفہ اہل حدیث ص 89)

الجواب :- اولاً:- اس بات کے راوی قادیانی ہیں۔ کسی مسلمان مؤرخ نے اس بات کو بیان

نہیں کیا۔ اگر اسماعیل میں ہمت ہے تو اس کا ثبوت دے ورنہ قادیانی گروہ پر اعتماد نہ کرے۔ کہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا حکم قرآنی ہے۔

ثانیاً:- مرزا غلام احمد کی دو شادیاں ہوئیں تھیں۔ پہلی بیوی ایک معروف حنفی گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ رئیس قادیان باب 60 میں تفصیل موجود ہے۔ دوسری شادی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں قادیانی مؤرخین متفق ہیں کہ یہ اہل حدیث کی لڑکی تھی اور انہوں نے میاں صاحب سے نکاح پڑھوایا۔ مگر اس کی تصدیق کسی مسلمان مؤرخ سے ثابت نہیں۔ صرف قادیانی ماخذ ہے۔ بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ نکاح مرزا غلام احمد قادیانی کے مرتد ہونے سے قبل ہوا تھا۔ مولانا رفیق دلاوی نے ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ ہنوز مرزا پر کسی نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا تھا۔

(رئیس قادیان ص 86 ج 1 باب 22)

علاوہ ازیں کسی کا نکاح پڑھانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دولہا اور نکاح خواں دونوں ایک ہی فرقے اور گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے درمیان فکر و نظر کی ہم آہنگی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ابو طالب نے نہیں پڑھایا؟ تو کیا اس سے ابو طالب کا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا۔

آپ سے قسماً پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے جس قدر نکاح پڑھائے ہیں ان میں کوئی غیر دیوبندی نہ تھا۔ آیا آپ نکاح پڑھانے سے پہلے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی آپ دیوبندی ہیں یا بریلوی وغیرہ

دیگر مسائل

ان کے علاوہ حسب ذیل مسائل کی بھی نشان دہی انہوں نے کی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، آٹھ تراویح، جرابوں پر مسح، جمع بین الصلوتین گو کی حلت، سینہ پر ہاتھ باندھنے کا قائل تھا۔ (تحفہ اہل حدیث ص 89)

الجواب:- اولاً:- گویا ان کے علاوہ باقی ہزاروں مسائل میں وہ پکا حنفی تھا۔ آپ نے ان چند مسائل کی نشاندہی کر کے عوام کو مغالطہ دیا ہے ورنہ مرزائی تو صاف کہتے ہیں کہ فقہ احمدیہ میں عام مدون فقہ حنفی سے بعض امور میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف فقہ حنفی کے اصولوں سے باہر نہیں، پس جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ سے آپ کے بعض شاگردوں مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ یا حضرت امام محمدؒ کا اختلاف فقہ حنفی کے دائرہ سے ان کو باہر نہیں لے جاتا اور ان کے اس اختلاف کو فقہ حنفی کی مخالفت نہیں سمجھا جاتا اسی طرح فقہ احمدیہ کا بعض امور میں اختلاف فقہ حنفی کے مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ یہ اختلاف انہی اصولوں پر مبنی ہے جنہیں فقہاء حنفی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ فقہ احمدیہ کے وہی ماخذ ہیں جو فقہ حنفی کے ہیں۔

(فقہ احمدیہ ص 15 حصہ اول مشتمل بر احکام شخصیہ)

لیجیے جناب قصہ ہی سارا صاف ہو گیا مرزائیوں اور حنفیوں کا اصول پر اتفاق واتحاد ثابت ہو گیا۔



انور شاہ کشمیری کا اعتراف

کہ میں نے خدمت اسلام کی بجائے حنفیت کی تائید میں عمر ضائع کر دی

مفتی محمد شفیع دیوبندی' انور شاہ کاشمیری کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں' میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہاہاں ٹھیک ہی ہے' میاں مزاج کیا پوچھتے ہو' عمر ضائع کر دی! میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے'...... آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی' فرمایا تمہیں صحیح کہتا ہوں' عمر ضائع کر دی میں نے عرض کیا' حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کو ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ (وحدت امت ص 15 واللفظ لہ' مولانا انور شاہ کاشمیری کے علوم و معارف 35 اکابر دیوبند کیا تھے؟ 46۔ حیات انور 141 تا 143)

اتمام حجت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از- سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

سری نگر کشمیر میں آج کل ایک مقدمہ مابین مقلدین وغیر مقلدین عدالت میں دائر ہے جس میں غیر مقلدین اہلحدیث کی طرف سے مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل ہائیکورٹ پیروی کر رہے ہیں- چونکہ مولوی صاحب موصوف حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی رح کے معتقد ہیں- اسلئے بعض ناواقف مسلمان بھائی خیال کرتے ہیں- کہ حضرت میرزا صاحب ؒ اور آپ کے معتقد بھی غیر مقلد یا اہلحدیث ہیں- جن کو عام طور پر وہابی بھی کہا جاتا ہے چونکہ یہ بات غلط ہے- اس لئے اصل حقیقت واضح کردینی ضروری ہے- اور وہ یہ ہے- کہ اس وقت حضرت میرزا غلام احمد صاحب رح کے معتقدین کے دو گروہ ہیں-

(۱) ایک تو وہ ہیں جو میاں محمود احمد صاحب گدی نشین قادیان کے پیرو ہیں- اور جو حضرت میرزا صاحبؒ کے مذہب کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ خاتم النبیین کے بعد نبی آسکتے ہیں- اور کہ حضرت میرزا صاحب رح حقیقی نبی تھے- اور جملہ مسلمانانِ عالم خواہ انہوں نے حضرت میرزا صاحبؒ کا نام بھی نہ سنا ہو- کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں- صرف چند محمودی ہی مسلمان ہیں- (آئینہ صداقت مصنفہ میاں محمود احمد صاحب ص۳۵)

نعوذ باللہ من ذٰلک-

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے- جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی صورت میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے مترجم ومفسر قرآن کریم انگریزی واردو کی زیر ہدایت

اہل سنت والجماعت تھے۔

برادران! اسلام کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہم کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ذیل کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ حضرت میرزا صاحب رح کا مذہب جو ہم نے آپ کی صحبت میں ایک عرصہ دراز تک سیکھا۔ تھا۔ کہ قرآن کریم۔ احادیث صحیحہ۔ فقہ حنفیہ۔ اور افادات صوفیائے کرام و مشائخ عظام کے مطابق جو مذہب ہے وہ سچا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر خاتم النبیین تھے۔ آپ کے بعد ہرگز ہرگز کوئی نبی نہیں آسکتا۔ معراج نبوی و معجزات انبیاء و کرامات اولیاء برحق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں جن کی برکت و فیض سے اس امت میں کروڑہا اولیاء ہو چکے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ حضرت میرزا صاحب کا خاص مقصد جماعت بنانے سے یہ تھا کہ اشاعت و تبلیغ و حفاظت اسلام کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت پیدا ہو جائے جو دلائل اور نہایت امن و محبت سے باہمی مسلمانوں میں و نیز دیگر اقوام کے ساتھ وحدت اور اتحاد کی بنیاد ڈالے۔ دنیا سے فتنہ و فساد مٹائے۔ اور قانون وقت کی محافظت کرے۔ اسلئے احباب کو خاص طور پر مدنظر رکھ لینا چاہیئے۔ کہ ہماری جماعت کا تعلق نہ تو اہلحدیث سے ہے اور نہ محمودیوں سے جو حضرت میرزا صاحب کو نبی مانتے اور تمام کلمہ گوؤں کو کافر کہتے ہیں۔

ذیل میں ہم حضرت میرزا صاحب کا مذہب خود آپکی کتابوں سے لکھکر برادران کشمیر سے برادرانہ التماس کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اشاعت و تبلیغ و حفاظت اسلام میں حصہ لیں تاکہ دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اور ساری دنیا حضرت نبی کریم کے جھنڈے کے نیچے آجائے۔ خودغرض لوگوں کے بہکانے سے نیکی اور ثواب دارین سے محروم نہ رہیں۔

(۱) امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ (امام مالک۔ شافعی۔ حنبل رح) سے **افضل و اعلیٰ** تھے۔ اور ان کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت اور عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے۔ اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور

چکے تھے۔ اِسی وجہ سے اجتہاد ۔ اور استنباط میں اُن کے لئے وہ درجہ عُلیا مسلم تھا جس تک پہونچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے ۔ سبحان اللہ !۔ اس زیرک نورِ ربانی امام کیسی ایک آیت کے اشارہ کی عزت اعلیٰ وارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اسکے مخالف تھیں۔ ردی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا ۔ اور جہلاء کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا (ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۵۳۰)

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض تابعین کو بھی دیکھا ہے۔ اور وہ فانی فی سبیل اللہ تھا۔ اے حضرت مولوی (محمد حسین بٹالوی اہلحدیث) صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں (یعنے اہلحدیثوں) کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا۔ تو آپ اسقدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔ آپ کو (یعنے اہلحدیثوں کو) امام صاحب رح کی شان معلوم نہیں ۔ وہ ایک بحر اعظم تھا ۔ اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں۔ اسکا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے ۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ صلعم کے استخراج مسائلِ قرآنی میں ید طولے تھا۔ (از مباحثہ لودہیانہ با اہلحدیثاں)

(۳) ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے ۔ کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن وسنت نہ ہو ۔ توخواہ کیسی ہی اَدنے درجہ کی حدیث ہو۔ اُس پر عمل کریں۔ اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں ۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے ۔ اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے ۔ تو اُس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں ۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے ۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتوے نہ دے سکے ۔ تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔ لیکن ہوشیار رہیں ۔ کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں۔ ہاں جہاں قرآن وسنت سے کسی حدیث کو معارض پاویں ۔ تو اس حدیث کو چھوڑ دیں ۔ (از ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی)

(۴) بالآخر یاد رہے کہ جسقدر ہمارے مخالف علماء لوگوں کو ہم سے نفرت دلا کر ہمیں کافر اور بے دین ٹھہراتے ہیں ۔ اور عام مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنے حضرت میرزا غلام احمد صاحب) مع اُس کی جماعت کے عقائد اسلام اور اصول دین سے برگشتہ ہے ۔ یہ ان حاسد

کے کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے۔ ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو۔ قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور ہم اسبات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اسکے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلشانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے۔ یا ایک ذرہ زیادہ کرے۔ یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے۔ وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں۔ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالےٰ اور اسکے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ اور ہم آسمان اور زمین کو اسبات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی الزام ہم پر لگاتا ہے۔ وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے۔ اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعوےٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا۔ کہ ہم باوجود اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ اَلَا اِنَّ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ وَ الْمُفْتَرِیْنَ

(از کتاب ایام الصلح)

اگر ہماری جماعت کے بارہ میں مزید حالات دریافت کرنے ہوں تو براہ راست حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ امیر جماعت احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے خط وکتابت کی جائے۔

truemaslak@inbox.com

تحفۂ حنفیہ

بجواب

تحفۂ اہلِ حدیث

مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں

اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قولِ مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے' ان کے قلب میں انشراح' انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرتِ مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قولِ مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔ (تذکرۃ الرشید:131/1)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''بعض مقلدین نے اپنے ائمہ کو معصوم عنِ الخطاء ومصیب وجوبا و مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا' کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس کے امرِ دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سی علل وخلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کریں گے اور قولِ امام کو نہ چھوڑیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ " اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا الایۃ اور خلاف وصیتِ ائمہ مرحومین کے ہے۔ (امداد الفتاوی:297/5)

ملنے کے پتے

اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فاران اکیڈمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

عبدالوالی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ